الرّفيقُ الفصِيح
لمشكوٰة المَصَابِيح
جلد ۸
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہ
ڈیزائننگ و کمپوزنگ
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۸

افادات

حضرت علّامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب ...... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۸
افادات ...... حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ
مرتب ...... محمد فاروق غفرلہ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ
کمپوزنگ ...... محمد ساجد لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا
سن اشاعت ...... ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء
صفحات ۵۲۵
قیمت

ناشر
مکتبہ محمودیہ
جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ہشتم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ہشتم

فہرست

الرفیق الفصیح لحل مشکاۃ المصابیح ۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الاول﴾	

| | ﴿الفصل الثانی﴾ | |

| | ﴿الفصل الثالث﴾ | |

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الثالث﴾	
۱۶۰	حدیث نمبر ﴿۱۰۵۸﴾ نابالغ کی امامت	۱۲۶
۱۶۱	فرائض میں نابالغ کی امامت	۱۲۸
۱۶۲	دلیل	۱۲۸
۱۶۳	جمہور کا مذہب	۱۲۸
۱۶۴	دلیل	۱۲۸
۱۶۵	امام شافعیؒ کے مستدل کا جواب	۱۲۹
۱۶۶	نوافل میں نابالغ کی امامت	۱۲۹
۱۶۷	حدیث نمبر ﴿۱۰۵۹﴾ آزادی پانے والے شخص کی امامت	۱۷۰
۱۶۸	حدیث باب کا جواب	۱۷۱
۱۶۹	فائدہ	۱۷۱
۱۷۰	حدیث نمبر ﴿۱۰۶۰﴾ ناپسندیدہ امام کی امامت	۱۷۱
	﴿باب ما علی الامام﴾	
۱۷۱	﴿امام پر لازم چیزوں کا بیان﴾	۱۷۴
	﴿الفصل الاول﴾	
۱۷۲	حدیث نمبر ﴿۱۰۶۱﴾ امامت میں مقتدیوں کی رعایت	۱۷۴
۱۷۳	آنے والے کے انتظار میں امام کا رکوع لمبا کرنا	۱۷۵
۱۷۴	حدیث نمبر ﴿۱۰۶۲﴾ مقتدیوں کی رعایت میں نماز میں تخفیف	۱۷۶
۱۷۵	حدیث نمبر ﴿۱۰۶۳﴾ امام کو تخفیف کا حکم	۱۷۷
۱۷۶	حدیث نمبر ﴿۱۰۶۴﴾ ایضاً	۱۷۸

الفصل الثانی

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الثالث﴾	
۲۹۸	حدیث نمبر﴿۱۴۹﴾ایضاً	۳۳۱
۲۹۹	حدیث نمبر﴿۱۵۰﴾ایضاً	۳۳۳
	﴿باب التحریض علی قیام اللیل﴾	
۳۰۰	**﴿شب بیداری پر رغبت دلانے کا بیان﴾**	۳۳۵
	﴿الفصل الاول﴾	
۳۰۱	حدیث نمبر﴿۱۵۱﴾بوقت نوم شیطان کا گدی پر تین گرہ لگانا	۳۳۶
۳۰۲	سوال و جواب	۳۳۷
۳۰۳	حدیث نمبر﴿۱۵۲﴾تہجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت و ریاضت	۳۳۷
۳۰۴	حدیث نمبر﴿۱۵۳﴾نماز کے لئے بیدار نہ ہونے کا وبال	۳۳۹
۳۰۵	حدیث نمبر﴿۱۵۴﴾اہل خانہ کو بیدار کرنا	۳۴۰
۳۰۶	حدیث نمبر﴿۱۵۵﴾رات کے اخیر حصہ میں دعا کی قبولیت	۳۴۱
۳۰۷	قرض سے تعبیر کی وجہ	۳۴۳
۳۰۸	حدیث نمبر﴿۱۵۶﴾ہر رات میں مقبولیت کی ایک گھڑی ہوتی ہے	۳۴۴
۳۰۹	فائدہ	۳۴۵
۳۱۰	حدیث نمبر﴿۱۵۷﴾رات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا طریقہ	۳۴۵
۳۱۱	حدیث نمبر﴿۱۵۸﴾رات کے اول حصہ میں آرام اور اخیر حصہ میں عبادت	۳۴۷
	﴿الفصل الثانی﴾	
۳۱۲	حدیث نمبر﴿۱۵۹﴾تہجد کی نماز کا حکم	۳۴۹
۳۱۳	حدیث نمبر﴿۱۶۰﴾تہجد کی نماز پڑھنے والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں	۳۵۰

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الاول﴾	
۳۴۶	حدیث نمبر ﴿۱۱۸۵﴾ نماز وتر کی تعداد رکعت........................	۳۸۹
۳۴۷	وتر کی تعداد رکعت میں اختلاف ائمہ	۳۹۰
۳۴۸	ائمہ ثلاثہ کی دلیل	۳۹۰
۳۴۹	احناف کی دلائل	۳۹۱
۳۵۰	ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب	۳۹۳
۳۵۱	فیصلہ کن بات........................	۳۹۴
۳۵۲	حدیث نمبر ﴿۱۱۸۶﴾ ایک رکعت وتر کا بیان	۳۹۵
۳۵۳	حدیث نمبر ﴿۱۱۸۷﴾ پانچ رکعت وتر کا بیان........................	۳۹۶
۳۵۴	حدیث نمبر ﴿۱۱۸۸﴾ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد اور وتر کی نماز........	۳۹۸
۳۵۵	حدیث نمبر ﴿۱۱۸۹﴾ رات کی آخری نماز وتر........................	۴۰۵
۳۵۶	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۰﴾ وتر کی نماز طلوع فجر سے پہلے پڑھنے کا حکم	۴۰۶
۳۵۷	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۱﴾ اول شب میں وتر پڑھنا........................	۴۰۶
۳۵۸	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۲﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا وقت........	۴۰۷
۳۵۹	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۳﴾ وتر کے بارے میں ایک وصیت	۴۰۸
	﴿الفصل الثانی﴾	
۳۶۰	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۴﴾ وتر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت........	۴۱۰
۳۶۱	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۵﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں تین رکعات پڑھتے تھے.	۴۱۲
۳۶۲	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۶﴾ وتر کی نماز واجب ہے........................	۴۱۴
۳۶۳	حدیث نمبر ﴿۱۱۹۷﴾ وتر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم........	۴۱۶

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الاول﴾	
۴۲۷	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۱﴾ نماز تراویح کا تذکرہ	۴۹۷
۴۲۸	معتکف کا مسجد میں پردہ ڈالنا	۴۹۸
۴۲۹	فائدہ	۴۹۸
۴۴۰	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۲﴾ تراویح باعث مغفرت ہے	۴۹۹
۴۴۱	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۳﴾ کچھ نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہے	۵۰۱
	﴿الفصل الثانی﴾	
۴۴۲	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۴﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کا ذکر	۵۰۲
۴۴۳	**فوائد**	۵۰۵
۴۴۴	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۵﴾ شب براءت کی فضیلت	۵۰۵
۴۴۵	**فوائد**	۵۰۷
۴۴۶	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۶﴾ نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے	۵۰۹
	﴿الفصل الثالث﴾	
۴۴۷	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۷﴾ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جماعت تراویح مقرر کرنا	۵۱۰
۴۴۸	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۸﴾ حضرت عمرؓ کا تراویح کے لئے امام مقرر کرنا	۵۱۳
۴۴۹	حدیث نمبر ﴿۱۲۲۹﴾ نماز تراویح میں طویل قراءت	۵۱۶
۴۵۰	حدیث نمبر ﴿۱۲۳۰﴾ نماز تراویح کی طوالت کا بیان	۵۱۷
۴۵۱	**فوائد**	۵۱۸
۴۵۲	حدیث نمبر ﴿۱۲۳۱﴾ شب براءت میں لکھے جانے والے امور	۵۱۸
۴۵۳	**فائدہ**	۵۲۰

نمبر شار	مضامین	صفحہ نمبر

تمت وبالفضل عمت

x–xx–xx–xx–x

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم الله الرحمن الرحيم

باب الجماعة وفضلها

رقم الحديث:...... ٩٨٥، تا ١٠١٦،

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿باب الجماعة وفضلها﴾

جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان

اس باب کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرامین ہیں جن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بہت تاکید وترغیب ہے، اور جماعت چھوڑنے کی سخت مذمت اور وعید ہے، بعض ان اعذار کا بھی ذکر ہے، جن کی بنا پر ترک جماعت کی رخصت ہے، بعض ائمہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی سخت وعیدات کے پیش نظر جماعت کو فرض قرار دیتے ہیں، حضرات حنفیہ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

جماعت سے متعلق ضروری مسائل

جماعت کھڑی ہونے کے وقت فجر کے علاوہ کوئی سنت نماز شروع نہ کی جائے، اگر پہلے سے کوئی سنت پڑھ رہا ہو تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے، اور جماعت میں شریک ہو جائے، اگر جماعت شروع ہونے کے وقت تیسری رکعت شروع کر چکا ہے تو چوتھی رکعت بھی پوری کر لے، پھر جماعت میں شریک ہو۔ مقتدی کی تکبیر تحریمہ سے قبل اگر امام نے ایک طرف لفظ سلام کہدیا اگرچہ ابھی علیکم نہ کہا ہو تو اقتدا صحیح نہ ہوگی، لہٰذا مقتدی کو دوبارہ

تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھنا چاہئے، اگر دوبارہ تکبیر تحریمہ نہ کہے گا، تو نماز نہ ہوگی۔

امام کو مقتدی جس حالت میں پائے اسی حالت میں شریک ہو جائے، بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے۔

اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہے تو اس کو بالغوں کے ساتھ کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو بالغین کی صف کے پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے۔

عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جب کہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عام شہروں اور قصبات میں بالعموم محلّہ کی جو مقدار ہوتی ہے اگر مسجد اس مقدار سے زیادہ فاصلہ پر ہے جس کی وجہ سے جماعت میں شرکت سے دشواری یا حرج ہوتا ہے، تو وہاں جماعت میں شرکت کے لئے جانا واجب نہیں ہے۔

جماعت کا جو وقت مقرر ہے امام کو اس کی رعایت کرنا چاہئے۔

جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے۔

اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو سنتیں ادا کرنے کا موقع دیں۔

نماز عصر میں اصفرار شمس سے پہلے جماعت قائم نہ ہو تو نماز تنہا پڑھ لینا چاہئے۔

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

الفصل الاول

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت

﴿۹۸۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُما قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۸۹، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۴۵۔ مسلم شریف: ۱/۲۳۱، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۵۰۔

حل لغات: الفذُّ، اکیلا، تنہا، جمع افذاذ، وفذوذٌ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جماعت کی نماز تنہا کی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔

تشریح: اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں جو ثواب ملتا ہے، جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں وہ ثواب ستائیس گنا کردیا جاتا ہے۔

صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذ: حدیث کے اس جزء سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت وفضیلت اچھی طرح سمجھ میں آرہی ہے، خود حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جماعت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، یہاں تک کہ مرض الوفات میں جب از خود مسجد تشریف لانا ممکن نہ رہا تو دو صحابیؓ کے کندھوں پر سہارا لگا کر اس طرح کہ قدم مبارک زمین پر گھسٹتے ہوئے مسجد تشریف لاتے۔

فائدہ

بسبع وعشرین درجۃ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ستائیس گنا بتایا۔

معلوم ہوا کہ جماعت فرض نہیں، اگر جماعت فرض ہوتی تو اکیلے نماز پڑھنے والا گنہگار

اورمجرم سمجھا جاتا حالانکہ اس کواصل فضیلت حاصل ہورہی ہے۔

تعارض: اس حدیث میں "سبع و عشرین" کے الفاظ ہیں، جب کہ بہت سی احادیث میں "خمس و عشرین" کے الفاظ نقل ہوئے ہیں دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: اس ظاہری تعارض کوبعض حضرات نے "ترجیح" کے ذریعہ دور کیاہے، یعنی ان دوطرح کی احادیث میں سے ایک کوراجح قرار دیا ہے، اور دوسری کومرجوح، چنانچہ فتح الملهم میں ہے کہ اکثر رواۃ نے "خمس و عشرین" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں "سبع و عشرین" کے الفاظ ہیں، دونوں میں کون سی حدیث راجح ہوگی، اس میں محدثین کی آراء مختلف ہیں، بعض نے کہا کہ "سبع و عشرین" کی روایت راجح ہے، کیوں کہ اس کے رواۃ عدل وضبط میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، جب کہ بعض نے "خمس و عشرین" کی روایت کوراجح قرار دیا ہے، رواۃ کی کثرت کالحاظ کرتے ہوئے۔ (ماخوذ فتح الملہم: ۲/۲۲۰)

بعض محدثین نے دونوں طرح کی احادیث میں "تطبیق" کے ذریعہ اس ظاہری تعارض کودور کیا، تطبیق کی چند صورتیں ہم ذکر کرتے ہیں۔

(۱)......عدد سے مراد کثرت ہے، کسی عدد میں انحصار نہیں ہے۔

(۲)...... پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوپچیس گنا ثواب کی اطلاع دی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید فضل فرماتے ہوئے ستائیس گنا ثواب کردیا۔

(۳)......عدد کا یہ فرق نمازی کے احوال کے فرق کی بناپر ہے، بعض کوپچیس گنا ثواب ملے گا، اور بعض کوستائیس گنا۔

(۴)...... مسجد کے قریب اور بعید کے اعتبار سے بھی فرق ممکن ہے۔

(۵)......ستائیس گنا ثواب کا تعلق جہری نمازوں سے ہے، پچیس گنا ثواب کا تعلق سری نمازوں سے ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی توجیہات کی گئی ہیں۔

جماعت کا ثواب ستائیس درجہ کیوں:؟ جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ستائیس، یا پچیس گنا کیوں ہے؟ اصل حکمت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی معلوم ہوگی، ہمارا کام تو ایمان لانا ہے، لیکن بعض حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے بہت تفصیلی توجیہ فتح الباری:۱۶، ۳/۱۷، پر نقل کی ہے، اس کو ماقبل میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے دیکھ لیا جائے، اس کے علاوہ بعض حضرات نے اجمالی وجوہات بھی بیان کی ہیں، ان میں سے ایک نقل کی جاتی ہے۔

اصل جماعت میں کم از کم تین افراد ہوتے ہیں، لہٰذا ایک جماعت اصلاً تین نفر پر مشتمل ہوتی ہے، اور کل حسنة بعشر امثالها: کے قاعدہ سے ان کی نیکیاں تیس ہو جاتی ہیں، اور تیس کا عدد اصل اور فضیلت دونوں کا مجموعہ ہے، روایت میں ستائیس کا ذکر بایں معنی ہے کہ اس میں سے اصل عدد نکال دیا ہے، البتہ یہ توجیہ پچیس والی روایت پر صادق نہیں آتی، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ پچیس میں اجر زائد کا ذکر ہے۔ اور چوں کہ جماعت دو سے بھی ممکن ہے، تو ستائیس میں اجر زائد کے ساتھ امام اور مقتدی کے عدد کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ (تلخیص معارف السنن:۲/۲۶۳)

فضیلت جماعت کیا جماعت مسجد کیساتھ خاص ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کی یہ فضیلت وبرکت مسجد کی جماعت کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے؟ تو اس بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات یہ فرماتے ہیں

کہ اسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے جو مسجد میں ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ عام ہے جماعت خواہ مسجد میں ہو یا گھر میں، علامہ ابن حجرؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ فضلیت مسجد کی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کبیری میں لکھا ہے کہ فرض نماز گھر میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں جماعت کا ثواب مل جائے گا، لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔ (مظاہر حق مع حاشیہ:۱۷/۲)

جماعت فرض ہے یا نہیں:؟ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا فرض ہے، یا صرف جماعت مسنون ہے، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف نصوص کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے، انجام کے اعتبار سے کوئی خاص اختلاف نہیں ہے، اصل میں روایات دو طرح کی ہیں، کچھ روایات وہ ہیں، جن سے جماعت کے وجوب کا اور اس کے انتہائی اہتمام کرنے کا اور اس کے ترک پر شدید وعید ہونے کا اور اس میں شامل ہونے پر بہت زیادہ فضائل کی ترغیب کا علم ہوتا ہے، جب کہ کچھ ایسی روایات ہیں جن سے معمولی اعذار کی صورت میں ترک جماعت کی اباحت سمجھ میں آتی ہے، تو جن لوگوں نے پہلی قسم کی روایات کی طرف نظر کی تو انہوں نے جماعت کو فرض اور واجب کا درجہ دیا اور اعذار کو جماعت کی حقیقت میں شامل نہیں کیا، کیوں کہ وہ خارج سے لاحق ہوتے ہیں، لہٰذا وہ اصل حقیقت میں اثر انداز نہ ہوں گے اور جن لوگوں نے نرمی والے پہلو کی رعایت کی اور اعذار کی طرف بھی نگاہ کی، تو ظاہر بات ہے، اعذار کے ہوتے ہوئے جماعت فرض یا واجب نہیں ہوسکتی، لہٰذا انہوں نے جماعت کو سنت کا درجہ دیا۔ معارف السنن: ۲/۲۶۷)

قائلین فرض: امام احمدؒ اور داؤد ظاہری وغیرہ کے نزدیک جماعت فرض ہے۔

دلیـــل: یہ لوگ ان بہت سی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں ترک جماعت پر وعید شدید بیان ہوئی ہے، مثلاً آگے حدیث آرہی ہے "**لایشهدون الصلاۃ فاحرق علیهم بیوتهم**" جولوگ مسجد میں نہیں آتے، گھر میں پڑے رہتے ہیں ان کے گھروں کو جلادوں۔

امام شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ فرض کفایہ ہے دوسرا قول ہے کہ سنت ہے اور یہی مشہور ہے۔

قائلین سنت: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے، اکثر مشائخ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک جماعت واجب ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل وہ تمام احادیث ہیں، جن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً حدیث باب، اسی طرح جماعت کی سنت سے متعلق ابوداؤد میں حدیث ہے "**فامخض من سنن الهدی، ولو صلیتم فی بیوتکم وترکتم مساجد کم ترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لکفرتم**"

(ابوداؤد شریف: ۱/۸۱، باب التشدید فی ترک الجماعة)

قائلین فرض کی دلیل کا جواب: جن احادیث میں وعید شدید ہے تو اس سے جماعت ترک کرنے والوں کو تنبیہ مقصود ہے، جماعت کے فرض ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وعید منافقین کے بارے میں ہو، بعض روایات میں صراحتاً منافقین کا ذکر موجود ہے، وہ بلاسبب گھروں میں پڑے رہ کر نفاق کی وجہ سے مسجد میں نہیں آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وعید سنائی، پھر خبر واحد سے فرضیت ثابت بھی نہیں ہوتی چونکہ فرضیت ثابت ہونے کیلئے نص کا قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہونا ضروری ہے، اور خبر واحد قطعی الدلالۃ تو ہے مگر قطعی الثبوت نہیں، اسلئے خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ (مرقاۃ: ۲/۶۷، التعلیق: ۲/۳۶)

ترک جماعت پر وعید شدید

﴿۹۸۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلَاةِ فَیُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَایَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّه یَجِدُ عَرْقاً سَمِیْناً اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔ (رواه البخاری ولمسلم نحوه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۸۹، باب وجوب صلاة الجماعة، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۴۴۔مسلم شریف: ۱/۲۳۲، باب فضل صلاة الجماعة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۶۵۱۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نے اس بات کا پختہ ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر جب لکڑیاں جمع کرلی جائیں، تو نماز کا حکم دوں، پھر نماز کے لئے اذان دی جائے، تو میں کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، پھر میں لوگوں کی طرف جاؤں، ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی طرف جاؤں، جونماز میں حاضر نہیں ہوتے، پھر ان کے گھروں کو جلادوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ان میں سے کوئی جان لے کہ اس کو مسجد میں آنے پر ایک گوشت دار ہڈی، یا دو اچھے کھر ملیں گے، تو وہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں ضرور حاضر ہو جائیں۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے، مسلم نے بھی اس کی مانند نقل کیا ہے۔

ترک جماعت پر وعید شدید کی وجہ

تشـــریـــح: اس حدیث شریف میں ان کے حق میں سخت وعید ہے، جو بلا عذر جماعت ترک کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت ترک کرنے پر اس قدر سخت وعید فرمائی، اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جماعت شعائر دین میں سے ہے، اور شعائر دین خواہ سنت ہی کیوں نہ ہو، اس کا ترک بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی بستی والے اذان کو ترک کردیں تو ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا، باوجودیکہ اذان فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ سنت علی الکفایہ ہے۔

وجہ دوم: اس حدیث میں جماعت ترک کرنے والوں کی خست اور دنیا کی حرص کا بھی ذکر ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی اور حصول ثواب کے لئے تو مسجد آکر جماعت میں شریک ہونے سے تغافل برتتے ہیں، جب کہ تھوڑی سی دنیوی منفعت کی غرض سے اپنا آرام وچین قربان کر کے مسجد آنا پڑے تو ضرور آجائیں گے۔

اشـکـال اول: یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں کو جلانے کا ارادہ کیوں کیا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور گھروں کو جلانا رحمۃ للعالمین کے خلاف ہے؟

جـــواب: یہ بھی درحقیقت مسجد میں لانے کا ایک طریقہ ہے کہ جب گھر نہ رہیں گے تو وہ جماعت چھوڑ کر گھروں میں بیٹھیں گے بھی نہیں بڑے نقصان سے بچانے کیلئے چھوٹے نقصان کو گوارہ کیا گیا اور یہ عین رحمت ہے۔

اشـــکـــال دوم: دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر جلانے کا ارادہ فرمایا تھا گھر جلایا کیوں نہیں؟

جـــواب: گھر میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں، وہ جماعت کے مکلّف نہیں؟ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں کو جلایا نہیں، چنانچہ بعض روایتوں میں یہ الفاظ منقول ہیں "**لولا ما فی البیوت من النساء و الذریة**" یعنی گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو گھروں کو جلا دیا جاتا۔ (مسند احمد: ۲/۳۶۷)

اشکال سوم: تیسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ حدیث باب کے ان کلمات سے تو سمجھ میں آرہا ہے کہ جماعت فرض ہے، پھر احناف جماعت کی فرضیت کے قائل کیوں نہیں ہیں؟

جـــواب: جماعت فرض ہے یا نہیں ہے؟ اس مسئلہ سے متعلق کچھ تفصیل گذشتہ حدیث کے تحت نقل کی جا چکی ہے، وہیں پر قائلین فرضیت اور عدم قائلین فرضیت کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، جو لوگ جماعت کی فرضیت کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں اور چوں کہ امام صاحب فرضیت کے قائل نہیں ہیں، تو امام صاحب کی طرف سے مختلف جوابات دیے جاتے ہیں، چند کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)...... یہاں زجر و توبیخ مراد ہے۔

(۲)...... حافظ ابن حجرؒ نے کئی جوابات دیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حدیث منافقین کے بارے میں وارد ہوئی ہے، لہٰذا یہ گھر جلانے کی دھمکی صرف ترک جماعت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ نفاق کی بنا پر ترک جماعت کی وجہ سے ہے۔

(۳)...... اس دھمکی کی مخاطب وہ قوم ہے، جو نفس صلوۃ کی تارک ہے، محض ترک جماعت پر یہ تہدید وارد نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ بھی جوابات دیے گئے ہیں، لیکن مذکورہ اور غیر مذکورہ سب جوابات پر محدثین نے اشکالات بھی نقل کیے ہیں۔ فتح الباری اور عینی میں مذکورہ حدیث کے تحت مباحث دیکھے جا سکتے ہیں۔

نابینا کے لئے ترک جماعت کی اجازت

﴿۹۸۷﴾ وَعَنْه قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّه لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَخِّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حواله: مسلم شریف: ۲۳۲/ ۱، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد، كتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۵۳۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی قائد دستیاب نہیں ہے جو مجھے مسجد تک لے کر آئے پھر انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی رخصت چاہی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت عطا فرمادی، پھر جب وہ جانے کے لئے مڑے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور کہا کہ کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ کہا، ہاں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تب آیا کرو۔

تشریح: رجل اعمیٰ: حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں، ابو داؤد شریف کی روایت میں اس کی صراحت ہے ”عن ابن ام مكتوم رضی الله تعالىٰ عنه أنه سأل النبی صلى الله عليه وسلم“

فاجب: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ غیر

قائد کے مسجد آسکتے ہیں، اس بنا پر فرمایا کہ اگر تم کو اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، یعنی تمہارا گھر مسجد سے دور نہیں ہے، تو مسجد آؤ اور جماعت سے نماز پڑھو۔ (مرقات: ۳/۵۴)

اشکال: قرآن مجید کی آیت ہے "لیس علی الاعمیٰ حرج" یعنی اللہ تعالیٰ نے نابینا کو شرعاً معذور قرار دیا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد آنے کا کیوں حکم دیا، اور رخصت کی اجازت کیوں نہیں دی؟

جواب: (۱) یہ حدیث عذر کی آیت مذکورہ کے نزول سے پہلے کی ہے۔

(۲)......حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہ معاملہ خاص ہے یہی وجہ کہ جب ایک دوسرے نابینا صحابی "عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ" نے گھر پر نماز پڑھنے کی رخصت مانگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت عنایت فرمائی۔ تفصیل واقعہ مسلم: ۱/۲۳۳، پر دیکھئے۔

رہی یہ بات کہ یہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؓ مؤذن رسول، مہاجر صحابی اور نہایت فضل وکمال کے حاملین میں سے ہیں، لہٰذا آپؓ کے فضل وکمال کی بنا پر آپؓ کے لئے عزیمت کی صورت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔

عذر کی بناء پر ترک جماعت کی رخصت

﴿۹۸۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّہٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْ لَیْلَۃٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِیْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا

كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتَ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۸۸/ ۱، باب الاذان للمسافرين، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۳۲۔مسلم شریف:۲۴۳/ ۱، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، کتاب صلاۃ المسافرين، حدیث نمبر:۶۹۷۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک ٹھنڈ اور ہوا والی رات میں اذان دی، پھر کہا کہ خبر دار! لوگو اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لو، پھر کہا کہ بے شک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ ''وہ یہ اعلان بھی کرے کہ جب سردی اور بارش والی رات ہو، تو خبر دار! تم لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھو۔

تشــریح: اعذار شدیدہ کی بناء پر جماعت ساقط ہو جاتی ہے اور جن اعذار کی بنا پر جماعت ساقط ہو جاتی ہے ان میں سے تین کا حدیث میں ذکر ہے۔(۱) بہت زیادہ ٹھنڈک۔ (۲) بہت تیز ہوا، (۳) تیز بارش، اگر بہت زیادہ ٹھنڈک اور ہوا کی شدت اور تیز بارش کی بنا پر مسجد میں حاضر ہو کر جماعت سے نماز پڑھنا دشوار ہو، تو مسجد نہ آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بھی چند اعذار کا ذکر آگے آنے والی احادیث میں ہے۔

علامہ شامیؒ نے بیس اعذار شمار کرائے ہیں، اور ان کو چند اشعار میں جمع فرمایا ہے:

اشعار

اعذار ترک جماعة عشرون قد ⁂ اودعتها فی عقد نظم کالدرر

مرض واقعاد عمی وزمانة ⁂ مطر وطین ثم برد قد اضر

قطع لرجل مع ید اودونها ⁂ فلج وعجز الشیخ قصد للسفر

خوف علی مال کذا من ظالم ⁂ او دائن وشهی اکل قد حضر

والريح ليلا ظلمة تمريض ذی ألم مدافعة لبول اوقذر
ثم اشتغال لابغير الفقه فی بعض من الاوقات عذر معتبر

ترک جماعت کے (شرعی) عذر بیس ہیں، جن کو میں نے موتیوں کی طرح نظم کے ہار میں جمع کر دیا، وہ یہ ہیں: مرض، اپاہج پن نابینا ہونا، تیز بارش کا زمانہ اور (راستے میں زیادہ) کیچڑ کا ہونا اور ایسی ٹھنڈی جو ضرر رساں ہو، جس کا ہاتھ یا پیر کٹا ہوا ہو، فالج کی بیماری ہونا، اور بوڑھاپی کی کمزوری اور سفر کا قصد کرنا، مال (ضائع ہوجانے) کا خوف ہونا اسی طرح ظالم کے ظلم کا خوف ہونا یا دائن (یعنی قرض دینے والا) کا خوف ہونا اور کھانے کی خواہش ہونا جو کھانا پیش کیا گیا ہو (تیز) آندھی اور (زیادہ) اندھیری رات کا ہونا، اور دردناک بیماری اور پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہونا اور بعض اوقات میں فقہ میں مشغول ہونے کے عذر کا (بھی) اعتبار کیا گیا ہے۔

ان بیس میں دو بارش اور ہوا کا حدیث باب میں ذکر ہے، لیکن یہ عذر ان کے حق میں ہے جن کے لئے بارش یا ہوا میں آنا دشوار ہو، جو لوگ بارش یا ہوا میں گھومتے پھرتے ہیں، ان کے حق میں یہ عذر شمار نہ ہوں گے۔

بھوک کے غلبہ کے وقت ترک جماعت

﴿۹۸۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۹۲، باب اذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۷۳۔ مسلم شریف: ۱/۲۰۸، باب کراهية الصلاة بحضرة الطعام، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۶۰۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور نماز کھڑی ہو جائے، تو کھانا شروع کر دے، اور جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے، اور حضرت ابن عمرؓ کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور اس وقت نماز کھڑی ہو جاتی، تو آپؓ نماز کے لئے اس وقت تک نہ آتے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، حالانکہ آپ امام کی قراءت سنتے تھے''۔

تشریح: اگر کسی کو بھوک بہت شدید لگی ہو، اور کھانا آجائے نماز پڑھنے کی صورت میں دل کھانے کی طرف متوجہ رہے گا، نماز میں خشوع وخضوع حاصل نہ ہو سکے گا، تو پھر اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے۔

لیکن یہ امر وجوب کے لئے نہیں، بلکہ اباحت کے لئے ہے، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر بھوک کی شدت کے وقت کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے نماز ادا کرے گا، تو دل کھانے کی طرف متوجہ رہے گا اور یہ بات مناسب نہیں ہے، اسی وجہ سے اسی باب کے تحت بخاری میں حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت میں ہے کہ ''من فقه المرء اقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ'' (بخاری شریف: ۱/۹۲، باب اذا حضر الطعام الخ، کتاب الاذان) انسان کی سمجھداری کی بات یہ ہے کہ پہلے اپنی ضرورت کی طرف متوجہ ہو، تاکہ وہ نماز کی طرف توجہ کرے، تو اس کا دل فارغ ہو، تو گویا نماز کو مؤخر کرنا، اور کھانا کھانا یہ عذر کی بنا پر ہے، اور عذر کھانے کی طرف اشتیاق کا ہونا ہے اور کھانے کے بغیر

نماز کی طرف متوجہ ہونے میں خشوع خضوع کا فوت ہونا ہے، اگر کسی کو کھانے کی طرف اشتیاق نہیں ہے، تو پہلے نماز پڑھے، پھر کھانا کھائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اگلی حدیث ہے کہ "لاصلاۃ بحضرۃ الطعام" (مسلم شریف: ۱/۲۰۸، باب کراھیۃ الصلوٰۃ بحضرۃ الطعام، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۶۰) کھانا سامنے آنے کے بعد نماز نہ پڑھنا چاہئے۔ اسی کو بنیاد بنا کر اہل ظواہر کہتے ہیں کہ کھانا آنے کے بعد نماز پڑھنے سے نماز باطل ہو جائے گی، اہل ظواہر کی یہ بات درست نہیں ہے، حدیث کا مقصد صرف یہ ہے کہ شدت اشتیاق کے وقت کھانا کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے نماز کا کمال فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ دل نماز کے بجائے کھانے میں لگا رہتا ہے، اسی بات کو امام ابو حنیفہؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ "لَاَنْ یَکُوْنَ اَکْلِیْ کُلُّهٗ صَلَاۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ تَکُوْنَ صَلَاتِیْ کُلُّهَا اُکُلاً" (مرقات: ۲/۷۹، باب الجماعۃ، مطبوعہ بمبئی) کھانے میں نماز کی فکر ہو یہ بہتر ہے، اس سے کہ نماز میں کھانے کی فکر ہو، حاصل بحث یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں شرکت واجب ہے، بعض اعذار کی بنا پر رخصت دی گئی ہے، ان ہی اعذار میں سے ایک عذر شدت اشتیاق کے وقت کھانے کی موجودگی ہے، ایسی صورت میں پہلے کھانے سے فارغ ہو پھر نماز پڑھے، لیکن اگر کسی نے نماز پڑھی پھر کھانا کھایا، تو بھی نماز ہو جائے گی۔

استنجے کے تقاضہ کے وقت نماز

﴿۹۹۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاصَلَاۃَ بِحَضْرَۃِ الطَّعَامِ وَلَاهُوَ یُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲۰۸/۱، باب کراھیۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۵۶۰۔

حل لغات: الاخبثان، دو خبیث چیزیں، دو ناپاکیاں، یعنی پیشاب و پاخانہ مراد ہے۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "کھانا آنے کے بعد نماز نہیں ہوتی، اور نہ اس وقت نماز ہوتی ہے جب کہ دونوں ناپاکیاں اس کو (حضور نماز سے) دور کریں۔

تشریح: بھوک کی شدت کے وقت کھانا آ گیا تو پہلے کھانا کھایا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، کیوں کہ اگر کھانا کے سامنے ہوتے ہوئے بھوک کی شدت کے وقت نماز پڑھی گئی، تو حضور قلب میسر نہ آئے گا۔ اسی طرح پیشاب یا بیت الخلاء کا تقاضہ ہے تو پہلے ان سے فراغت حاصل کر لی جائے پھر نماز پڑھی جائے، اس کے برعکس کرنے کی صورت میں خشوع وخضوع میسر نہیں آئے گا، لیکن اگر کسی نے بھوک کی شدت کے وقت پہلے نماز پڑھی، یا اسی طرح استنجا کو دبا کر کسی طور پر نماز ادا ہی کر لی، تو نماز ادا ہو جائے گی، لیکن کمال صلوٰۃ حاصل نہیں ہوگا اور یہاں کمال صلوٰۃ کی نفی ہے، البتہ نماز مکروہ ہوگی۔ (مرقات:۳/۵۵)

اقامت کے بعد سنت پڑھنا

﴿۹۹۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَاصَلَاةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۴۷، باب کراھیة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر:۷۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب نماز کھڑی ہو جائے تو اس وقت فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔

تشریح: جب مؤذن تکبیر کہدے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو اب کسی قسم کی سنت نہ شروع کرنا چاہئے، جماعت کی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ جماعت میں شرکت کی جائے، بعض فقہاء نے فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود اگر ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

اقامت کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا

اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز کھڑی ہونے کے بعد کسی قسم کی سنتیں شروع کرنا درست نہیں ہے۔ اہل ظواہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر پہلے سے سنتیں پڑھی جا رہی ہیں اور جماعت کھڑی ہوگئی تو شروع کی ہوئی سنتیں باطل ہو جائیں گی، کیوں کہ حدیث باب میں فرض کے علاوہ دیگر تمام نمازوں کی اقامت کے بعد نفی کی گئی ہے، لیکن جمہور کے نزدیک فرض نماز کے لئے اقامت کے بعد پہلے سے شروع کردہ سنن ونوافل باطل نہیں ہوتیں، البتہ جمہور علماء کا فجر کی سنتوں کے اندر اختلاف ہے، جس کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

شوافع کا مذہب: شوافع اور حنابلہ کے یہاں جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دلیـــــل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا "اذا اقیمت الصلاۃ فلاصلاۃ الا المکتوبۃ" (مسلم شریف: ۲۴۷/۱، باب کراھیۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن، کتاب صلوٰۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۱۰۷) جب نماز کھڑی ہوگئی تو فرض کے علاوہ نماز نہیں ہوتی۔

امـام صاحب کا مذهب: حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جماعت فجر کھڑی ہونے کے باوجود فجر کی دو رکعت پڑھنا درست ہے، لیکن اس میں امام صاحبؒ یہ تفصیل کرتے ہیں کہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود فجر کی سنتیں اس وقت پڑھی جائے گی، جب کم از کم ایک رکعت ملنے کی توقع ہو، البتہ اگر مسجد چھوٹی ہو اندر نہیں پڑھ سکتا بلکہ باہر پڑھے اور اگر مسجد بڑی ہے تو مسجد کے گوشہ میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

امام مالکؒ جماعت کی دونوں رکعتوں کے ملنے کی شرط لگاتے ہیں، دوسری شرط یہ ہے کہ سنت خارج مسجد پڑھے خواہ مسجد بڑی ہو یا چھوٹی۔

دلائـــــل: حنفیہ و مالکیہ دو طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں، ایک تو وہ دلائل جن میں فجر کی سنت کی خاص طور پر بہت تاکید آئی ہے اور دوسرے وہ آثار جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کھڑی ہونے کے بعد سنت پڑھی گئیں ہیں، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے " لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی شئ من النوافل اشد تعاھداً منہ علی رکعتی الفجر" حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنن کی جتنی زیادہ تاکید فرماتے تھے کسی کی نہیں فرماتے تھے۔ مسلم کی روایت ہے "رکعتا الفجر خیر من الدنیا ومافیھا" فجر کی دو رکعت

سنن، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ابو داؤد میں ہے "**لاتدعوا ركعتي الفجر ولو طردتكم الخيل**" فجر کی سنتوں کو مت چھوڑو اگر چہ لشکر تم کو دھکیل رہے ہوں۔

احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کی بڑی تاکید ہے انکو چھوڑنا نہ چاہئے۔

بعض آثار

حضرت امام طحاویؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر نقل کیا ہے "**ايقظت ابن عمرؓ لصلاة الفجر وقد اقيمت الصلاة فصلى**" نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فجر کی نماز کے لئے بیدار کیا، تو آپؓ نے جماعت کھڑی ہونے کے باوجود دو رکعت سنن پڑھیں۔ اسی طرح حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے آثار امام طحاویؒ نے نقل کئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود ان حضرات نے سنن فجر پڑھیں ہیں۔

صاحب مرقاتؒ دلائل وغیرہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ اگر جماعت کی فضلیت اور سنن فجر پڑھنے کی فضلیت دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو تو جمع کیا جائے گا، فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضلیت، فجر کی سنن سے زیادہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض نماز جماعت سے پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابل میں ستائیس گنا ہے، جب کہ فجر کی دو رکعت سنت فرض نماز کے ایک گنا ثواب کے برابر بھی نہیں ہے۔ اسی طرح جماعت ترک کرنے پر جو وعیدیں ہیں وہ فجر کی سنت ترک کرنے کی وعید سے زیادہ سخت ہیں۔ تو اگر ایک رکعت جماعت کی امید ہوگی تب سنت میں مشغول ہوا جائے گا۔ اور اگر ایک

رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہوگی تب سنت کو ترک کردیا جائے گا، کیوں کہ اگر سنت نہ ترک کریں گے تو جماعت ترک ہو جائے گی۔

شوافع کی دلیل کا جواب: حدیث باب جس کو شوافع نے اپنا مستدل بنایا ہے وہ اپنے عموم پر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اگر عموم مراد لیا جائے تب تو یہ لازم آئے گا کہ ''اقامت صلوۃ کے بعد دنیا کے کسی گوشہ میں فرض نماز کے علاوہ نماز درست نہ ہو'' ظاہر بات ہے حدیث کا یہ مطلب تو ہے ہی نہیں، اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس مسجد اور جس جگہ میں جماعت کھڑی ہوگئی ہو اس مسجد اور اس جگہ میں دوسری نماز شروع نہ کی جائے، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے "خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اقیمت الصلاۃ فرأی ناسا یصلون رکعتین بالعجلة فقال اصلاتان معا فنهی ان تصلیا فی المسجد اذا اقیمت الصلاۃ" اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ مسجد میں جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت پڑھنا ممنوع ہے۔ تا کہ جماعت کی مخالفت لازم نہ آئے۔
(یہ مباحث معارف السنن، مرقات، التعلیق الصبیح، بذل المجہود وغیرہ سے ماخوذ ہیں)

عورتوں کی مسجد میں آمد

﴿۹۹۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَتْ امْرَأَةُ اَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْنَهَا۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۸۸/ ۱، باب استئذان المرأة زوجها فی

الـخـروج الـى الـمسجد، كتـاب الـنكـاح، حدیث نمبر:۴۸۳۸۔مسـلم شـريف:۱۸۳/۱، بـاب خروج النساء الى المسجد، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۴۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کسی کی عورت جب مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو ہرگز منع نہ کرے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورتوں کی مسجد میں آمد نہ صرف جائز ہے، بلکہ مردوں سے ان کی عورتیں اگر مسجد آنے کی اجازت طلب کریں تو مرد حضرات ان کو اجازت دیدیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دینے سے منع فرمایا ہے، علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک فتنوں سے پر امن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور مبارک میں عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی، لیکن مسجد آنے کا حکم نہ دیا، دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ان کے گھروں ہی میں نماز پڑھنے کی بہت ترغیب دی، جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی عورتوں کے لئے گھروں ہی میں نماز پڑھنا بہتر تھا، پھر بعد میں جب طرح طرح کے فتنے وجود میں آنے لگے، تو مسجد میں عورتوں کے آنے پر پابندی عائد کردی گئی، بعض شرائط کے ساتھ کچھ مخصوص عورتیں مسجد میں آسکتی ہیں، عام عورتیں گھر میں ہی نماز پڑھیں۔

اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد: تم میں سے کسی کی عورت جب مسجد جانے کی اجازت طلب کرے، تو اس کو اجازت دے دو، یہاں مطلق مسجد میں آنا مذکور ہے جب کہ بخاری کی ایک روایت میں رات کی قید کا ذکر ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے حدیث ذکر کرنے سے پہلے جو باب قائم کیا ہے وہ "بـاب خـروج الـنسـاء الـى

المسجد باللیل و الغلس" یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورتوں کو مسجد میں رات کے وقت اور صبح کے اندھیرے میں آنا چاہئے، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو دن کے اجالے میں نہ آنا چاہئے، بخاری نے اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے وہ یہ ہے "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنکم باللیل الی المسجد فأذنوا لھن" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم سے تمہاری بیویاں رات میں مسجد جانے کی اجازت چاہیں تو تم ان کو اجازت دیدو" اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد کے لئے تاکیدی حکم نہیں دیا۔

(۲)......شوہر کی اجازت لے کر مسجد جانے کے لئے کہا۔

(۳)......رات میں یعنی جب اندھیرا ہو اس وقت مسجد جانے کے لئے کہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو عورتیں مسجد جاتی تھیں وہ اس کا بھرپور لحاظ بھی کرتی تھیں، چنانچہ ایک حدیث ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصل الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطھن مایعرفن من الغلس" حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے جب فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئیں واپس ہوتی تھیں۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا، مسجد آنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی شرائط دیگر احادیث میں بیان کیں ہیں، مثلاً راستوں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، عورتیں خوشبو لگا کر نہ آئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شرائط کے ساتھ عورتوں کو مسجد میں آنے کی، اجازت دی ہے، اجازت کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں

کے لئے بہتر یہی قرار دیا کہ عورتیں اپنے گھروں میں ہی نماز ادا کریں، چنانچہ ایک صحابیہ ام حمیدؓ ساعدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں کہ "انی احب الصلاۃ معک" اے اللہ کے رسول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش رکھتی ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قد علمت" مجھے تمہاری اس چاہت کا علم ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "**صلاتک فی بیتک خیر لک من صلاتک فی حجرتک وصلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک فی دارک وصلاتک فی دارک خیر من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجد الجماعة**" (تمہارا کوٹھری میں نماز پڑھنا، گھر کے کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور کمرہ میں نماز پڑھنا گھر کے کھلے حصہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور گھر کے کھلے حصہ میں نماز پڑھنا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے) (مسند احمد بحوالہ فتح الباری) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہی عہد مبارک کی عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہؓ کی موجودگی ہی میں عورتوں نے جب کچھ بننا سنورنا شروع کیا اور اسی عالم میں عورتوں کی مسجد میں آمد ہوتی، تو مزاج نبوت سے آشنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمہ وفقیہہ بیوی حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "**لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل**" (بخاری) اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے احوال دیکھتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو مسجد آنے سے منع فرمادیتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ حضرت

عائشہؓ اس دور کے حالات سے مطمئن نہیں ہیں، عورتوں کا مسجد میں آنا ان کو ناگوار ہے، اگرچہ انہوں نے مسجد میں آنے کو حرام قرار نہیں دیا، تو آج کیسے عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس زمانہ کے عورتوں کے حالات اگر دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا ادنیٰ عقل والا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آج کے اس پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی اجازت دی، بعد والے اس اجازت کو کیسے ختم کر سکتے ہیں؟

جواب: مسجد میں آنے کی رخصت جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی، اسی طرح آج بھی ہے۔ لیکن چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شرائط کے ساتھ اجازت دی تھی، ان کی رعایت نہیں ہے، اور مسجد آنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، اس لئے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا جاتا ہے، گویا کہ عورتوں کا مسجد میں آنا ممنوع لذاتہ نہیں، بلکہ لغیرہ ہے، گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی، لیکن بہتر یہی فرمایا کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ **"لاتمنعوا نسائکم المساجد وبیوتھن خیر لھن"** اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو، اور ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں، بعد میں فتنہ وفساد کی وجہ سے علماء نے عورتوں کو مسجد میں آکر مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کیا، یہ منشاء نبوت کے عین موافق ہے۔ آج جو لوگ عورتوں کا مسجد میں آنا پسند کرتے ہیں، وہ فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔

اشکال: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کا مسجد میں آنا پسند نہیں تھا، تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے سے کیوں نہیں روکا۔؟

جواب: عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت کچھ سیکھتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھ کر جو کیفیت ان کے ذہن ودماغ پر منقش ہوتی تھی، زبانی تعلیم سے اس کیفیت کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ عورتیں اس خیر سے محروم نہ ہوں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد آنے سے روکا نہیں، نیز مردوں کی طرح عورتوں کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی آرزو تھی، جیسا کہ ام حمید ساعدی کی حدیث گذری ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی اس کیفیت کا علم بھی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کے مسجد آنے میں کوئی فتنہ بھی نہیں تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا نہیں، اوران کے شوہروں کو بھی روکنے سے منع فرمایا، لیکن چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ نبوت سے بعد والے فتنوں کا مشاہدہ فرمارہے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے ان کے گھروں میں نماز پڑھنے کو بہتر قرار دے کر اسی کی ترغیب دی۔

اشکال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ میرے زمانے میں عورتیں مسجد میں آسکتی ہیں، بعد میں عورتوں کے مسجد آنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے میرے وصال کے بعد عورتیں مسجد نہ جائیں۔؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں شرائط کے ساتھ اجازت دینے کے ساتھ، ان کے گھروں میں نماز پڑھنے کو بہتر قرار دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وارثوں اور دین کے خدام کو یہ واضح اشارہ دے دیا تھا کہ جب عورتوں کے مسجد میں آنے سے بگاڑ پیدا ہو، تو اس پر روک لگادی جائے، چنانچہ فقہائے عظام نے ایسا

ہی کیا بھی، اور آج کے نام نہاد اہل حدیث کے علاوہ ہر زمانے کے علماء وفقہاء نے اس فیصلہ کو شریعت کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے پسند فرمایا ہے، آج بھی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرح امن وچین پیدا ہو جائے، تو آج بھی عورتوں کے لئے مسجد جانے کی گنجائش پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ اپنی ذات کے اعتبار سے عورتوں کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے۔ ممانعت دیگر خرابیوں کی بنا پر ہے، جب وہ خرابیاں نہ رہیں گی تو ممانعت بھی نہ رہے گی۔

(بوڑھی عورتیں، بغیر بناؤ سنگار اور خوشبو لگائے ظہر اور عصر کے علاوہ اوقات میں مسجد آ کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔ حدیث باب میں جو نہی ہے وہ نہی تنزیہی ہے، یعنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ سابق میں گذرا یہ ممانعت آج کل کے حالات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور کے اعتبار سے ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۳۸، فیض المشکوٰۃ، معارف السنن)

عورتوں کو خوشبو لگا کر مسجد آنے کی ممانعت

﴿۹۹۳﴾ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۸۳/ ۱، باب خروج النساء الی المساجد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۴۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت زینبؓ سے

روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم عورتوں سے ارشاد فرمایا کہ "تم میں سے جب کوئی مسجد آئے، تو خوشبو نہ لگائے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور خیر میں، جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر تھا، عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی تھی لیکن یہ اجازت مطلق نہ تھی، بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مقید تھی، ان ہی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسجد میں آنے والی عورت خوشبو لگا کر نہ آئے۔

خوشبو لگانے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ فتنہ کے پیدا ہونے کا سبب ہے، یعنی جب عورت خوشبو لگا کر مسجد آئے گی، تو اس میں فتنہ بڑھنے کا امکان قوی ہے۔

کپڑوں پر دھونی دیکر مسجد آنے کی ممانعت

﴿۹۹۴﴾ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْراً فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱/۱۸۳، باب خروج النساء الى المساجد، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۴۴۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس عورت نے دھونی دی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

تشریح: عورت کپڑوں یا جسم پر دھونی دے کر مسجد نہ آئے، مسجد میں اس وقت

آئے جب اس کے بدن یا کپڑوں وغیرہ سے خوشبو نہ آرہی ہو۔

اصابت بخورا: وہ خوشبودار چیز جس کو جلا کر کپڑوں وغیرہ پر دھونی دی جائے تاکہ جسم و کپڑے پر خوشبو آجائے، یہاں "بخور" کا ذکر ہے۔ گذشتہ حدیث میں مطلقاً خوشبو کی ممانعت کی جاچکی ہے۔

العشاء الآخرۃ: مغرب کو "عشاء" اور عشاء کو عشاء آخرۃ سے دور اول میں تعبیر کیا جاتا تھا۔ کسی عورت کے مسجد آنے کے لئے خوشبو کے بغیر مسجد آنا شرط ہے، اس کا تعلق صرف عشاء کی نماز کے ساتھ نہیں، لیکن عشاء کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اس وقت تاریکی ہوتی ہے، اور راستہ خالی ہوتا ہے، لہٰذا عورت کے جسم یا لباس سے خوشبو پھیلنے کی بنا پر اس وقت فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے، اس بنا پر خاص طور پر اس وقت کی صراحت کی گئی، ورنہ دیگر اوقات میں بھی عورت کے لئے خوشبو لگا کر مسجد آنا ممنوع ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۲/۳۸)

﴿الفصل الثاني﴾

عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے

﴿۹۹۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَمْنَعُوْا نِسَائَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۸۴، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو، جب کہ ان کے گھر ان کے حق میں زیادہ بہتر ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہی ہے کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد آنے کی اجازت عورتوں کے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے شدت اشتیاق، نیز تعلیم ودینی مضبوطی کی بنا پر دی تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتنہ وفساد بھی نہیں تھا، لیکن آج کے پرفتن دور میں، خصوصاً جوان عورتوں کا مسجد میں آنا عظیم فتنہ کو دعوت دینا ہے۔

وبیوتهن خیر لهن: عورتوں کے بارے میں قرآن کریم واحادیث نبوی میں ستر پوشی کا حکم بکثرت آیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے ”**وقرن فی بیوتکن**“ یعنی عورتوں تم اپنے گھروں میں جم کر رہو، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں بعض مصالح کی بنا پر عورتوں کو مسجد آنے سے روکا نہیں، ان ہی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اوقات میں عموماً کچھ وعظ وتعلیم فرماتے تھے، لہٰذا ان احکام شرعیہ کی تعلیم کی غرض سے مسجد آنے کی اجازت تھی، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان ”**بیوتهن خیر لهن**“ سے یہ بتایا کہ گنجائش مسجد جانے کی بھی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ عورتیں گھروں ہی میں نماز پڑھیں۔ عورتوں کا مستور ہونا شریعت اسلامیہ میں کتنا محبوب ہے۔

ایضاً

﴿۹۹۶﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَاۃُ الْمَرْأَۃِ فِی بَیْتِہَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِہَا فِی حُجْرَتِہَا وَصَلَاتُہَا فِی مَخْدَعِہَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِہَا فِی بَیْتِہَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۸۴/ ۱، باب التشدید فی خروج النساء الی المساجد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۷۰

حل لغات: مخدعٌ: کوٹھری، جو بڑے کمرہ کے اندر، چھوٹا کمرہ، جمع مخادع.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”عورت کا کمرہ کے اندر نماز پڑھنا صحنِ کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور کوٹھری میں اس کا نماز پڑھنا بڑے کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ عورت گھر میں جس قدر پوشیدہ جگہ نماز پڑھے وہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں پردہ کا اہتمام خوب رہے گا۔

بیتھا: گھر کا اندرونی حصہ مراد ہے۔

حجرتھا: گھر کا صحن مراد ہے۔

مخدعھا: جو کوٹھری تعمیر کی جاتی ہے وہ مراد ہے، چونکہ یہ کوٹھری قیمتی سامانوں کو دھوکہ دھڑی سے محفوظ رکھتی ہے، اس لئے اس کو ”مخدع“ کہتے ہیں، اس عورت کے حق میں تستر خوب ہے، اس لئے نماز کے لئے عورتوں کے حق میں بہتر قرار دیا، آج جو لوگ عورتوں کو مسجد میں لانے کا نعرہ دے رہے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے عبرت حاصل کریں۔

عورت کو خوشبو لگا کر مسجد آنے کی مذمت

﴿۹۹۷﴾ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتُقْبَلُ صَلَاةُ امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰی تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَی اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَهُ)

حواله: ابوداؤد شریف: ۵۷۵/ ۱، باب ما جاء فی تطیب المرأة للخروج، کتاب الترجل، حدیث نمبر:۴۱۷۴۔مسند أحمد: ۲/۲۴۶. نسائی شریف: ۲/۲۴۰، باب اغتسال المرأة من الطیب، کتاب الزینة، حدیث نمبر:۵۱۴۲۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "کسی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی، جو مسجد آنے کے لئے خوشبو لگائے، یہاں تک کہ وہ ایسا غسل کرے، جیسا کہ جنابت کے لئے غسل کیا جاتا ہے۔

تشریح: عورت مسجد آتے وقت خوشبو کا استعمال نہ کرے، کیوں کہ اس میں فتنہ کے پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے، اگر کسی عورت نے خوشبو کا استعمال کرلیا ہے اور مسجد آنا چاہتی ہے تو پہلے خوشبو کو زائل کرے پھر مسجد آئے پورے جسم میں اگر خوشبو پھیلی ہوئی ہے تو پورے جسم کو دھوئے، ورنہ جس حصہ کے ساتھ خوشبو مخصوص ہے، اس کو دھوئے عورت کا گھر میں رہتے ہوئے خوشبو استعمال کرنا درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لاتقبل: مراد یہ ہے کہ نماز کامل ومکمل نہیں ہوتی ہے۔

حتی تغتسل غسلها من الجنابة: مطلب یہ ہے کہ جس طرح جنابت میں پورے جسم کو دھویا جاتا ہے، اسی طرح پورے جسم کو دھوئے، پھر مسجد آئے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ پورے جسم پر خوشبو پھیلی ہو، اگر جسم کے مخصوص حصہ میں خوشبو لگائی ہے اور اس کے دھونے سے خوشبو زائل ہو جاتی ہے، تو اس کا دھونا کافی ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۹)

خوشبو لگا کر عورت کو باہر نکلنے کی ممانعت

﴿۹۹۸﴾ وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ عَیْنٍ زَانِیَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ کَذَا وَکَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیِّ نَحْوَهٗ)

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱۰۶، باب ماجاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة، کتاب الأدب، حدیث نمبر: ۲۷۸۶۔ نسائی: ۲/۲۴۰، باب مایکره للنساء من الطیب، کتاب الزنیة، حدیث نمبر: ۵۱۴۱۔ أبوداؤد شریف: ۱/۵۷۵، باب ماجاء فی تطیب المرأة للخروج، کتاب الترجل، حدیث نمبر: ۴۱۷۳۔

ترجمه: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے، بے شک عورت جب خوشبو لگا کر مجلس سے گذرے تو وہ ایسی ویسی ہے، یعنی زنا کار ہے، ترمذی۔ اسی جیسے مفہوم کی روایت ابوداؤد و نسائی نے بھی نقل کی ہے۔

تشـــریح: شہوت کے ساتھ اجنبی مرد کا عورت کی طرف یا عورت کا مرد کی طرف نگاہ کرنا یہ درحقیقت آنکھوں کا زنا ہے۔لہٰذا اگر کوئی عورت خوشبو وغیرہ کا استعمال کر کے مردوں کی مجلس میں آتی ہے، اوران کو آنکھوں کی زنا میں مبتلا کرتی ہے،تو وہ بدکار ہوئی اور چونکہ یہ عورت اس گناہ کا وسیلہ اور ذریعہ بنی، اس لئے یہ بھی حکماً زنا کرنے والی ہوئی۔

کـل عیـن: ہروہ آنکھ جو شہوت کے ساتھ اجنبیہ کو دیکھنے والی ہے وہ زنا کار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "زنـا العینین النظر" آنکھوں کا زنا شہوت سے دیکھنا ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ آنکھ میں خوبصورت صورتوں کے جھانکنے کی قوت مرکوز ہوتی ہے، بالخصوص اگر خوشبو یا دوسری ہیجان کو بڑھانے والی چیزیں خوبصورت صورتوں کے ساتھ مل جائیں،تو یہ چیز بالعموم زنا کی طرف لے جانے والی ہے، الا یہ کہ یہ قوت محنت وریاضت کے ذریعہ سے جڑ سے اکھاڑ دی جائے،تو جب صورت حال یہ ہے ایسے میں کوئی عورت عطر وغیرہ کا استعمال کر کے مردوں کے ہیجان کو بڑھانے کے لئے ان کی مجلس میں جائے، یا وہاں سے گذرے،تو یہ آنکھوں کے زنا کا سبب بنے گی تو یہ گناہ پر ابھارنے کی وجہ سے اور آنکھوں کے زنا کی دعوت دینے کی بنا پر خود زانیہ ہے۔ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورتوں کو عطر لگا کر باہر نکلنے سے بہت شدت کے ساتھ روکنا مقصود ہے۔ ورنہ بعض نگاہیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے زنا سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔(مرقات:۳/۵۷۸،التعلیق:۲/۳۹)

جماعت کی کثرت میں ثواب زیادہ ہے

﴿۹۹۹﴾ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْماً الصُّبْحَ فَلَمَّا

سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَاقَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَاقَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَافَضِيْلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۸۲/ ۱، باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۵۴۔ نسائی: ۹۷/ ۱، باب الجماعۃ اذا کانوا اثنین، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر: ۸۴۳۔

حل لغات: حبواً سرین کی بل چلنامراد ہے، ایک مخصوص نشست، ج حبیٌ

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز ہم لوگوں کو پڑھائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر دریافت فرمایا فلاں فلاں نماز میں حاضر ہیں صحابہؓ نے جواب دیا نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ یہ دو نمازیں منافقین پر بہت زیادہ بوجھ ہیں، اگر لوگ جان لیں کہ ان میں کیا کچھ فضیلت ہے تو تم لوگ ضرور آؤ، اگر چہ تم کو گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے، اور بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف کے مانند ہے، اگر تم لوگوں کو اس کی فضیلت کا علم ہو جائے تو تم لوگ اس کی طرف سبقت کرتے ہوئے آؤ، بے شک ایک آدمی کی نماز ایک آدمی کے ساتھ اس کی تنہا نماز سے بہتر ہے، اور ایک آدمی کی نماز دو آدمیوں کے ساتھ یہ ایک آدمی کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور جتنے زیادہ آدمی جماعت میں ہوں گے وہ جماعت اتنی ہی زیادہ اللہ کو محبوب ہوگی۔

تشریح: اس حدیث شریف سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱)......فجر اور عشاء کی نماز کا ثواب زیادہ ہے، اور یہ دونوں نمازیں منافقین پر بہت بوجھ ہوتی ہیں۔اس لئے وہ ان سے بہت کتراتے ہیں۔

(۲)......صف اول کی بہت زیادہ فضیلت ہے آدمی اس کی فضیلت سے صحیح طور پر واقف نہیں ہے اسی وجہ سے اس فضیلت کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتا، اگر صحیح معنی میں فضیلت جان جائے تو بھاگتا ہوا آئے۔

(۳)...... جماعت کی کثرت سے نماز کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان هاتين الصلاتين اثقل: مراد فجر اور عشاء کی نمازیں ہیں یعنی منافقین کے لئے فجر اور عشاء کی نماز پڑھنا بہت دشوار ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں اس کی یوں صراحت بھی موجود ہے "**ليس صلاة اثقل على المنافقين من الفجر والعشاء**" اصل میں منافقین کے لئے ہر نماز بہت گراں ہے، کیونکہ ان کا مقصد نماز سے قرب الٰہی اور ثواب تو ہے نہیں، فقط ریا کاری مقصود ہے، اور فجر اور عشاء میں اندھیرے کیوجہ سے ریا کاری اور شہرت کا موقع بھی کم ہے، نہ پڑھنے کی صورت میں دنیوی ذلت اور رسوائی کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے یہ بالعموم ان نمازوں کو ٹال ہی جاتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو بہت زیادہ بوجھ محسوس کرتے ہیں، اس بنا پر مسلمانوں کو ان نمازوں کی مواظبت پر بہت ابھارا گیا ہے، تاکہ مخلصین اور منافقین میں واضح امتیاز رہے۔

ولو تعلمون ما فيهما: فجر اور عشاء کی نماز میں بہت ثواب ہے، اگر یہ ثواب جان لیں تو جتنی بھی مشقت اٹھانا پڑے، اٹھالیں، لیکن ان نمازوں کے لئے ضرور حاضر ہوں، فجر اور عشاء کے ثواب کا کچھ اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتا ہے "**من صلى العشاء في جماعة فكأنما قام نصف الليل ومن صلى**

الصبح في جماعة فكأنما صلى الليل كله" (مسلم) جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس نے گویا آدھی رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس نے گویا ساری رات نماز پڑھی۔

ولو علمتم ما فضيلته: صف اول کی فضیلت جان لو تو اس کے لئے دوڑ کر آؤ۔ صف اول کی فضیلت سے متعلق اگلے باب میں احادیث مذکور ہیں، ابوداؤد کے حوالے سے ایک حدیث ہے "ان الله وملائكته يصلون على الصف الاول" اللہ اور اس کے فرشتوں کی رحمت نازل ہوتی ہے صف اول والوں پر۔

وان صلاة الرجل: جماعت سے نماز پڑھنے کا تنہا نماز پڑھنے کی مقابل میں ثواب زیادہ ہے حدیث گذر چکی ہے "صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة".

وما كثر فهو احب: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کثیرہ میں ثواب زیادہ ہے، جتنی مقدار میں مصلی زیادہ ہوں گے، اتنا ہی ثواب میں اضافہ ہوگا۔ (التعلیق: ۲/۳۹)

نماز میں حاضری

فائدہ: اس حدیث سے نماز میں حاضری کا ثبوت بھی ملتا ہے اسلئے اساتذہ طلباء کی نماز میں حاضری کا اہتمام کریں۔

اسی طرح مشائخ طالبین کی نماز میں حاضری کا اہتمام کریں یہ بھی سنت ہے۔

جماعت سے نماز شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

﴿١٠٠٠﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَابَدْوٍ لَاتُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔ (رواه أحمد وأبو داؤد والنسائی)

حواله: مسند أحمد: ۵/۱۹۶. أبو داؤد شريف: ۱/۸۱، باب التشديد في ترك الجماعة، حدیث نمبر ۵۴۷۔ نسائی: ۱/۹۷، باب التشديد في ترك الجماعة، كتاب الامامة، حدیث نمبر: ۸۴۶۔

حل لغات: استحوذ علی الشیٔ قابض ہونا، علی فلان، غالب آنا۔

ترجمه: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس بستی اور جنگل میں تین آدمی ہوں اور ان میں جماعت قائم نہ کی جاتی ہو، تو شیطان ان پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا تمہارے لئے جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، اس وجہ سے کہ بھیڑیا دور ہو جانے والی بکری کو کھالیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱)...... اگر کسی جگہ تین مسلمان بھی رہتے ہوں تو ان کو جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(۲)...... اگر جماعت کا اہتمام رہے گا تو شیطان ان سے مغلوب رہے گا، جماعت کے ترک کر دینے سے شیطان ان پر غالب آ کر ان کو گمراہی میں ڈال دے گا۔

(۳)...... جماعت کو جملہ امور میں لازم پکڑنا چاہئے، کسی بھی معاملہ میں اپنے کو الگ تھلگ نہ کرنا چاہئے، کیوں کہ جماعت پر اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے، جماعت سے نکلنے والے کو شیطان اسی طرح اپنے دام میں پھانس لیتا ہے جیسے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کو بھیڑیا اپنا شکار بنالیتا ہے۔

ما من ثلاثة: اگر چہ جماعت دو آدمیوں سے بھی ادا ہو جاتی ہے، لیکن کامل جماعت کے لئے تین افراد کی شرکت ضروری ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین فرمایا، مراد تین مرد ہیں، کیوں کہ تنہا عورتوں کی جماعت اور ان کی امامت مکروہ ہے۔

ولا بدو: بادیہ کے اطلاق کی بنا پر یہ بات معلوم ہوئی کہ حالت سفر میں بھی جماعت سے نماز پڑھنا سنت ہے، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔

فعليك بالجماعة: جماعت کو لازم پکڑو، اس وجہ سے کہ شیطان جماعت سے بھاگتا ہے، اور جماعت سے کنارہ کش اختیار کرنے والے پر غالب آجاتا ہے، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام**" جس نے جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی کا پھندا اتار دیا۔ (مشکوۃ)

ياكل الذئب القاصية: جس طرح ریوڑ سے دور ہونے والی بکری کو بھیڑیا بہت آسانی سے اپنا شکار بنا لیتا ہے، اسی طرح جماعت سے الگ ہونے والے کو شیطان نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے، اسی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر یوں فرمایا کہ "**ان الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم ياخذ الشاذة والقاصية والناحية اياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة**" بلاشبہ شیطان انسان کا ایسا ہی بھیڑیا ہے جیسے بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے، وہ ریوڑ سے الگ ہو جانے والی، دور ہو جانے والی اور جدا ہو جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے۔ تم پہاڑوں کے دروں سے بچو، اور جماعت نیز عام لوگوں کے ساتھ جڑے رہو۔

عذر کی صورت میں ترک جماعت کی رخصت

﴿۱۰۰۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِي صَلّٰى۔ (رواه أبوداؤد والدارقطني)

حوالہ: أبوداؤد شریف: ۱/۸۱، بـاب فـي التشـديـد في ترك الجماعة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۵۵۱۔دارقطـنـي: بـاب الـحث لجار المسجد على الصلوة فيه الا من عذر، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص پکارنے والے (مؤذن) کی آواز سنے تو سوائے کسی عذر کے کوئی چیز اس کی اتباع سے نہ روکے، لوگوں نے سوال کیا عذر کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خوف یا بیماری“ وہ نماز قبول نہیں ہوتی جو بغیر جماعت کے پڑھے۔

تشریح: اگر کوئی شخص عذر شرعی کی وجہ سے ترک جماعت کر رہا ہے، تو اس کے لئے رخصت ہے اور اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر کسی نے بغیر عذر شرعی کے ترک جماعت کیا تو وہ گناہ گار ہے، تنہا نماز اگر پڑھتا ہے، تو اگر چہ فریضہ ساقط ہو جائے گا، لیکن نماز کے کامل ثواب سے محروم رہے گا، یہاں مثال کے طور پر دو اعذار خوف اور بیماری کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ بھی اعذار ہیں، چند کی گذشتہ احادیث میں صراحت ہو چکی ہے۔

من سمع المنادی: جس نے پکارنے والے کو سنا، فرض نماز کے لئے مؤذن کی دی ہوئی اذان مراد ہے۔

فلم يمنعه: اذان سننے کے بعد مسجد کی حضوری سے کوئی چیز اس کو نہ روکے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مؤذن کی اذان سن کر مسجد آنے کی قید اکثری ہے، یعنی عام طور پر آدمی مؤذن کی اذان سن کر ہی مسجد آتا ہے، یہ قید احترازی نہیں ہے کہ اذان نہیں سنی تو جماعت سے نماز پڑھنا ساقط ہو جائے۔

خــــوف: اپنی جان، یا سامان، یا مال کے ضیاع کا خوف ہو، یعنی جماعت میں شرکت کی وجہ سے ان چیزوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو ترک جماعت کی گنجائش ہے، اس کے علاوہ بھی اعذار ہیں حدیث نمبر: ۹۸۹ دیکھئے۔

لم تقبل: بغیر عذر کے ترک جماعت کی صورت میں تنہا نماز پڑھنے سے نماز قبول نہیں ہوتی، یعنی کامل طور پر قبول نہیں ہوتی، گو فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

"قبول" کے دو معنی ہیں۔

(۱)......قبول اصابت۔ (۲) قبول اجابت۔ قبول اصابت کا مطلب ہے دنیوی اعتبار سے فراغ الذمہ۔ اور قبول اجابت کا مطلب ہے اخروی ثواب، یہاں قبول اجابت کی نفی ہے، قبول اصابت کی نفی نہیں ہے، یعنی دنیا کے اعتبار سے ذمہ سے فراغت ہو گئی۔ فریضہ ساقط ہو گیا۔ لیکن بلا عذر شرعی کے ترک جماعت کی وجہ سے قبول اجابت حاصل نہیں ہوا، یعنی اس کو نماز کا کامل ثواب نہیں ملے گا۔ (التعلیق: ۲/۴۰)

جماعت کے وقت استنجے کا تقاضہ

﴿۱۰۰۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَىٰ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ)

حواله: مؤطا امام مالک: ۵٦، باب النهی عن الصلاة الخ، كتاب قصر الصلاة فی السفر، حدیث نمبر: ۴۹۔ أبوداؤد شريف: ۱/۱۲، باب أيصلی الرجل وهو حاقن، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۸۸۔ ترمذی شريف: ۱/۳٦، باب ماجاء اذا اقيمت الصلاة ووجد احدكم الخلاء، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۱۴۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "جب نماز کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو استنجے کا تقاضہ ہو تو پہلے استنجے سے فارغ ہو جائے۔ (ترمذی امام مالکؒ ابوداؤد، اورنسائی نے بھی اس کے مانند روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اعذار کی وجہ سے ترک جماعت کی رخصت ہے، استنجے کا تقاضہ بھی ایک عذر ہے، لہٰذا اگر استنجا محسوس ہو رہا ہو تو پہلے استنجا کرے پھر جماعت میں شریک ہو، استنجے کی وجہ سے جماعت فوت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اگر استنجے کے تقاضہ کو دبا کر نماز میں جائے گا تو طبیعت کے عدم سکون کی بنا پر نماز کا خشوع وخضوع فوت ہو جائے گا۔

اگر کسی نے استنجے کے تقاضہ کے باوجود نماز پڑھ لی، تو امام مالکؒ کے نزدیک وقت کے اندر اعادہ ضروری ہے، اور اگر وقت گذر گیا تو نماز ہو جائے گی، حنفیہ کے نزدیک اگر تقاضہ بہت ہی شدید ہے اور استنجے کو دبا کر نماز پڑھ رہا ہے تو مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر شدید تقاضہ نہ ہو یعنی ایسا تقاضہ نہ ہو جو اضطراب تک پہنچا دے، تاہم نماز سے توجہ ہٹا دینے اور خشوع کو فوت

کرنے والا ہے، تو ایسی صورت میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر تقاضہ بہت ہی معمولی ہے، نماز سے توجہ ہٹانے والا نہیں ہے تو یہ ترک جماعت کے اعذار میں سے نہیں ہے۔
(معارف السنن: ۱/۴۷۱)

استنجا روک کر نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۱۰۰۳﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَايَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَفْعَلَهُنَّ لَايَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْماً فَيَخُصَّ نَفْسَهُ بِالدُّعَآءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَيَنْظُرُ فِی قَعْرِبَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَسْتَأْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَايُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰی يَتَخَفَّفَ۔ (رواه ابوداؤد وللترمذی نحوه)

حواله: أبوداؤد شريف: ۱/۱۲، باب أيصلى الرجل وهو حاقن، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۹۔ ترمذی شریف: ۱/۸۲، باب ما جاء في كراهية أن يخص الامام نفسه بالدعاء، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۳۵۷۔

ترجمه: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”تین کام کسی کے لئے جائز نہیں ہیں۔ (۱) جو آدمی قوم کی امامت کرے، اس کے لئے دعا میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنی ذات کو خاص کرنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے قوم کے ساتھ دغابازی کی۔ (۲) اجازت لینے سے قبل کسی کے گھر کے اندر جھانکنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ خیانت کی۔ (۳) کسی کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ استنجا روک کر نماز پڑھے، یہاں تک کہ استنجا

سے فارغ ہوجائے۔(ابوداؤد)ترمذی نے کچھ فرق کے ساتھ یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کے اندر تین چیزوں کی ممانعت ہے۔

(۱)امام دعاء میں مقتدیوں کو بھی شامل کرے خالص اپنے لئے دعا نہ کرے۔

(۲) کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانک تانک نہ کرے، اجازت لے کر گھر کے اندر داخل ہو اور گھر میں اجازت لے کر ہی دیکھے بھی۔

(۳)پیشاب یا بیت الخلاء کا تقاضہ ہو تو اس حالت میں نماز شروع نہ کرے، بلکہ پہلے ان سے فراغت حاصل کرلے پھر نماز پڑھے۔

حقن: پیشاب کے تقاضہ کے باوجود اس کو روکنے والے کو ''حاقن'' کہتے ہیں، بیت الخلاء بتکلف روکنے والے کو ''حاقب'' کہتے ہیں، ریح کو روکنے والے کو ''حاذق'' کہتے ہیں، جب ان چیزوں کا تقاضہ ہو تو پہلے فراغت کی جائے، پھر نماز شروع کی جائے، ورنہ نماز کا خشوع حاصل نہ ہوگا، اور نماز مکروہ ہوگی۔(التعلیق: ۲/۴۰، مرقاۃ: ۲/۷۳)

کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کرنا

﴿۱۰۰۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُؤَخِّرُوا الصَّلَاةَ لِطَعَامٍ وَلَالِغَيْرِهِ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حواله: شرح السنة للبغوی: ۲/۴۰۴، باب البدأة بالطعام الخ، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۸۰۰۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرو۔

تشــریح: اگر کھانا وغیرہ آجائے تو اس میں لگ کر اتنی تاخیر نہ کرنا چاہئے کہ نماز کا وقت ہی نکل جائے، بھوک کے شدید تقاضہ کے وقت نماز کو مؤخر کر کے پہلے کھانا کھانا چاہئے تاکہ خشوع فوت نہ ہو، لیکن اتنی بھی تاخیر نہ کہ وقت ہی نکل جائے۔لہٰذا اگر وقت تنگ ہے تو بھوک کے تقاضہ کے باوجود پہلے نماز پڑھی جائے، پھر کھانا کھایا جائے۔

لاتؤخروا الصلاۃ لطعام: کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر مت کرو، یہ حدیث بظاہر ماقبل کی حدیث کے مخالف ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”**اذا وضع عشاء احدکم واقیمت الصلاۃ فابدأ وا بالعشاء ولایعجل حتی یفرغ منه**“ جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا سامنے جائے، اور اسی وقت جماعت بھی کھڑی ہو جائے، تو وہ کھانا شروع کرے اور کھانے سے جب تک فارغ نہ ہو جائے، نماز کے لئے جلدی نہ کرے، ان دونوں احادیث کا ظاہری تعارض دور کرنے کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ نماز کو کھانے کے لئے مؤخر کرنے کی ممانعت ہے، لیکن جب کھانا آجائے تو پھر کھانا پہلے کھالے۔حاصل یہ ہے کہ نماز اپنی ذات کے اعتبار سے تمام امور پر مقدم ہے، اور کھانے کو جو اس پر مقدم کیا جا رہا ہے، وہ بھی اس میں کمال پیدا کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اگر بھوک کی شدت میں کھانا ہوتے ہوئے نماز میں لگے گا، تو ذہن کھانے کی طرف متوجہ رہے گا، جس کی وجہ سے نماز کا خشوع فوت ہو جائے گا، نیز یہاں نماز کو مؤخر کرنے سے مراد اتنی تاخیر ہے کہ وقت ہی نہ نکل جائے، لہٰذا اتنی تاخیر کی بھی صورت درست نہیں ہے، اور جس حدیث میں کھانے کو مقدم کر کے نماز کو مؤخر کرنے کی بات ہے، وہاں تاخیر سے مراد اتنی تاخیر ہے کہ وقت کے اندر اچھی طرح نماز پڑھ لی جائے، اگر اتنا وقت ہے کہ صرف کھانا کھایا جا سکتا ہے، یا صرف نماز پڑھی جا سکتی ہے، تو پہلے نماز پڑھی جائے گی، پھر کھانا کھایا جائے گا، اور اسی صورت میں بھوک کی شدت دبانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(التعلیق:۴۱،۴۰/۲)

﴿الفصل الثالث﴾

جماعت کی تاکید

﴿١٠٠٥﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُه، أَوْمَرِيْضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّه، أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَداً مُسْلِماً فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَرَفَعَه، بِهَا دَرَجَةً وَّحَطَّ عَنْه، بِهَا سَيِّئَةً وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهِ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ٢٣٢/ ١، باب فضل صلاة الجماعة الخ، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ٦٥٤۔

حل لغات: يعمد، عمد عمداً (ض) کسی چیز کا قصدواراده کرنا۔ یھادی، هادیٰ، فلان فلاناً، کسی کولڑکھڑاتے ہوئے چلانا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ کوئی شخص نماز سے پیچھے نہیں ہوتا تھا، الا یہ کہ کوئی ایسا منافق ہو، جس کا نفاق معلوم ہو، یا کوئی مریض ہو، مریض بھی ایسا ہوتا کہ دوآدمیوں کے درمیان چل کر (سہارا لے کر) جماعت میں شریک ہوتا، اور عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنن ہدیٰ کی تعلیم دی، بے شک سنن ہدیٰ میں سے اس مسجد میں نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ کل وہ اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے، تو اس کو چاہئے کہ وہ ان پانچ نمازوں کی وہاں پابندی کرے جہاں اذان دی جاتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو سنن ہدیٰ مشروع فرمائی تھیں، ان ہی سنن ہدیٰ میں سے ایک یہ بھی سنن ہدیٰ ہے، اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے، جیسے کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے، تب تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دو گے، اور اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے، جو کوئی آدمی بھی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر قدم پر جس کو وہ اٹھاتا ہے، ایک نیکی لکھ دیتے ہیں، اس کے ذریعہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں، اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتے ہیں، اور البتہ تحقیق کہ ہم نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ کوئی شخص نماز سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا، الا یہ کہ وہ ایسا منافق ہو کہ جس کا نفاق ظاہر ہو، البتہ تحقیق کہ آدمی اس حال میں لایا جاتا تھا کہ دوآدمیوں کا سہارا لئے ہوتا تھا، یہاں تک کہ اس کو صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

تشــریح: جماعت صحیح قول کے مطابق واجب ہے فرض نہیں دلیل ظنی کی وجہ سے

حضرت علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں کہ وصف نفاق سبب بن جاتا ہے تخلف کا یہ مطلب نہیں کہ تخلف صرف منافق ہی سے واقع ہوتا ہے اس لئے کہ کبھی آدمی سستی کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہے، حالانکہ صحت اسلام اور توحید کا یقین اس میں پایا جاتا ہے اور نفاق بھی معدوم ہوتا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تخلف صرف منافق ہی سے واقع ہوتا تھا۔

جماعت مشہور قول کے مطابق عندالاحناف واجب ہے مگر اس روایت میں اس کو سنت کہا گیا ہے، مگر یہ احناف کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے مراد **ماثبت بالسنة** ہے اور جماعت بھی سنت سے ثابت ہے لہٰذا اس کو سنت کہہ دیا گیا ہے، نیز ایک روایت میں ہے "**الجفاء كل الجفاء الكفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی الی الصلاۃ فلایجیبه**" **رواه احمد** (مرقاۃ:۲/۷۵)

ولو انكم صليتم في بيوتكم لتركتم سنة نبيكم: یعنی اگر تم فرض نمازوں کو اپنے گھروں میں پڑھو گے اور محلہ کی مسجدوں میں ان کو ادا کرنا چھوڑ دو گے تو تم اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو چھوڑنے والے ہوگے اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرض نماز کو بغیر عذر کے گھر میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کو مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے، اور اگر تم اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، یعنی سنت کا چھوڑنا تم کو کفر تک پہنچا دیگا بایں طور کہ تم آہستہ آہستہ حلقۂ اسلام چھوڑ دو گے یہاں تک کہ آخر کار ملت سے نکل جاؤ گے۔ (بذل المجہود:۱/۳۱۱)

یھادی: کھینچا جاتا تھا، یہ فعل مجہول ہے مراد یہ ہے کہ اپنی کمزوری کی وجہ سے دو لوگوں کے ساتھ گھسٹنے کی سی کیفیت میں آیا کرتا تھا، مگر نماز کو ضرور آیا کرتا تھا۔

(مرقاۃ:۲/۵۷،التعلیق:۲/۴۱)

ترک جماعت پر شدید وعید

﴿١٠٠٦﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِی الْبُیُوْتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّیَّةِ اَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَاَمَرْتُ فِتْیَانِیْ یُحَرِّقُوْنَ مَا فِی الْبُیُوْتِ بِالنَّارِ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند أحمد: ۲/۳۶۷.

حل لغات: فتیان فتیً کی جمع ہے معنی نوجوان۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز کھڑی کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ گھروں میں جو کچھ ہے اس کو آگ سے جلادیں۔

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کی سخت مذمت ہے جو بلا عذر جماعت سے نماز ترک کرتے ہیں وہ اپنے اس جرم کیوجہ سے اس لائق ہیں کہ ان کے مال واسباب کے ساتھ ان کو جلادیا جائے، لیکن چونکہ ان کو سزا دینے کیوجہ سے کچھ غیر مکلّف بھی مثلاً عورتیں اور بچے کہ جن پر جماعت سے نماز واجب نہیں سزا کے شکار ہوجائیں گے، اس لئے ان کو دنیا میں چھوڑا جارہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید سے تارکین جماعت کو بہت ڈرنا چاہئے۔

لولا مافی البیوت من النساء الخ: کے معنی میں تمام عذر

والے شامل ہیں۔(مظاہر حق:۲/۸۱)

امام طیبیؒ کی رائے یہ ہے کہ عورتیں اور بچے کیونکہ غیر ذوی العقول کے درجہ میں ہیں اسی وجہ سے "من" کی جگہ میں "ما" کو استعمال کیا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عورتوں اور بچوں پر جماعت کی حاضری ضروری نہیں ہے۔(طیبی:۳/۳۸، مرقاۃ:۲/۷۵، التعلیق:۲/۴۱)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت

﴿۱۰۰۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ فِى الْمَسْجِدِ فَنُوْدِىَ بِالصَّلَاةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّىَ ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند أحمد:۲/۵۳۷ .

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ"جب تم مسجد میں ہو اور نماز کے لئے اذان دی جائے، تو تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں پہلے سے موجود ہے اور اذان دیدی جائے تو اب وہ شخص جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے نہ جائے بغیر نماز پڑھے مسجد سے جانا مکروہ ہے، یہ ممانعت اس شخص کے حق میں جو کسی دوسری مسجد میں امامت یا اذان یا نظم جماعت کا ذمہ دار نہ ہو، ورنہ مکروہ نہیں، اور یہ ممانعت اس لئے ہے تا کہ وہ ترک جماعت کے ساتھ متہم نہ ہو۔(مظاہر حق:۲/۸۱، مرقاۃ:۲/۷۵)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا

﴿۱۰۰۸﴾ وَعَنْ اَبِى الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ

الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا أُذِّنَ فِيهِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲۳۲/۱، باب فضل صلاۃ الجماعة، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۶۵۵۔

ترجمه: حضرت ابوشعثاءؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''بہر حال اس شخص نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اما تفصیل کے لئے ہے جو دو یا دو سے زائد چیزوں کا تقاضا کرتا ہے، یعنی جو شخص اذان کے بعد مسجد میں ٹھہرا رہا اور اس نے نماز بھی قائم کی تو اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کی البتہ یہ شخص اذان ہونے کے بعد نکل گیا جب کہ اس نے نماز بھی قائم نہیں کی اس لئے اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (طیبی: ۳/۳۷)

فائده: معلوم ہوا کہ اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر بلا عذر مسجد سے نکلنا جائز نہیں، لیکن کسی عذر کیوجہ سے نکلنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

مثلاً اس کو کوئی اہم ضرورت درپیش ہے، وہ کسی دوسری مسجد کا مؤذن یا امام یا منتظم ہے یہ اگر دوسری مسجد میں نہیں پہونچ گا تو وہاں نظم جماعت میں خلل ہوگا، یا اور اسی قسم کا عذر ہو۔ فقط

ایضاً

﴿۱۰۰۹﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِيْ الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَّهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔

(رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه:۵۳، باب اذا اذن وانت فی المسجد فلاتخرج، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۳۴۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جس نے مسجد میں موجود رہتے ہوئے اذان کو پایا، پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے نکلا اور لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتا، تو وہ منافق ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے مسجد میں رہتے ہوئے اذان سنی لیکن وہ کسی ضرورت سے مسجد سے نکلا مثلاً دوسری مسجد کا امام ہے یا پھر دوسری مسجد کا منتظم ہے یا پھر کوئی مسجد سے کسی عذر کی بناپر نکل رہا ہے مثلاً استنجے کا تقاضہ ہے یا اور کوئی اہم ضرورت ہے لیکن اس کا اسی مسجد میں آکر نماز پڑھنے کا ارادہ ہے تو وہ مذکورہ وعید کا مصداق نہیں۔

بغیر عذر نکلنے کی صورت میں سخت مذمت کی گئی ہے اور چونکہ یہ منافقانہ عمل ہے اس لئے اس کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ترک جماعت کرنے میں منافق کے مانند ہے۔

کہ جس طرح منافق کو جماعت کا اہتمام نہیں ہوتا اس کو بھی جماعت کی پرواہ نہیں ہے، لہٰذا منافق کی طرح ہی ہوگیا۔ (مرقاۃ:۲/۷۶)

اذان کے جواب کا حکم

﴿۱۰۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ ۔ (رواہ الدار القطنی)

حوالہ: دار قطنی: ۴۲۰/ ۱، باب الحث لجار المسجد علی الصلوٰۃ فیہ الا من عذر، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے اذان سنی پھر اس کا جواب نہیں دیا، تو اس کی نماز نہ ہوئی، اِلَّا یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو۔

تشریح: من سمع النداء فلم یجبہ فلا صلوٰۃ: یعنی جس شخص نے فرض نماز کی اذان کو سنا اور عملاً اس کا جواب نہ دیا اس طریقہ پر کہ مسجد جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی، بلکہ جماعت کو ٹال دیا، یا اس کو گھر ہی میں پڑھ لیا بشرطیکہ اس کو کوئی شرعی عذر نہ ہو، تو اس کی وہ نماز کامل ومقبول نہیں بلکہ نماز ناقص اور غیر مقبول ہے۔

ترک جماعت کے عذر

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حاضرین نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ عذر کیا ہے تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خوف، خواہ جان ومال کا ہو یا عزت وآبرو کا ایسے ہی سخت بارش اور شدید ٹھنڈک کا ہونا نیز کھانے کا حاضر ہو جانا یا پاخانہ پیشاب وغیرہ کا تقاضا ہونا، بدائع میں ہے کہ جماعت صرف ایسے آزاد مردوں پر واجب ہے جو جماعت سے نماز پڑھنے پر بغیر حرج کے قادر ہوں لہٰذا عورتوں، بچوں، مجنون، اپاہج اور وہ شخص جس کا ایک جانب سے ہاتھ اور ایک جانب سے پیر کٹا ہوا ہو ایسا بوڑھا یا مریض جس میں چلنے کی طاقت نہ ہو، اور ایسا نابینا جسے کوئی رہبر میسر نہ ہو ان لوگوں پر جماعت واجب نہیں

البتہ نابینا کو قائد ورہبر دستیاب ہوتو پھر جماعت اس پر بھی واجب ہے یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا ہے۔ (بذل المجہود: ۱/۳۱۲)

اجابت کی دوقسمیں

فلم یجبہ: اس کی اجابت نہ کرے، اجابت کی دوقسمیں ہیں: قولی، اجابت قولی یہ ہے کہ زبان سے اذان کا جواب دے، یہ اجابت بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک مستحب وسنت ہے۔ دوم اجابت عملی اور اجابت عملی یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد جائے، اور اصل اجابت یہی ہے جو واجب ہے۔ (کذا فی مرقاۃ: ۲/۷۵)

نابینا کیلئے ترک جماعت

﴿۱۰۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُمِّ مَكْتُوْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَأَنَا ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلًا وَلَمْ يُرَخِّصْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۸۱، باب التشدید فی ترک الجماعۃ، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۵۵۳۔ نسائی شریف: ۱/۹۸، باب المحافظۃ علی الصلوٰۃ الخ، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر: ۸۵۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں

نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مدینہ میں موذی جانور اور درندے کثرت سے ہیں اور میں نابینا ہوں تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے رخصت پاتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم "**حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح**" کی آواز سنتے ہو، حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ نے کہا کہ جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تب تو تم مسجد آؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت نہیں دی۔

تشریح: کثیرۃ الھوام: یعنی بچھو اور سانپ وغیرہ، السباع: یعنی کتے اور بھیڑیئے وغیرہ۔ مرقاۃ: ٦/٧/٢)

ضریر البصر: نگاہ کا بیمار شخص (نابینا)

فحی ھلا: دونوں اسم فعل ہیں ان کے معنی ہیں آتو آتو (اور اس کلمہ کو جلدی کرنے اور آمادگی کے لئے "اجب" کی جگہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (طیبی: ٣/٣٩)

یعنی تم آواز اذان سنتے ہو تو آؤ، چونکہ گھر قریب میں ہے، اس لئے کمزور نگاہ و نابینا کو بھی اٹکل سے آنے کی عادت ہو جاتی ہے اس لئے تم مسجد میں آیا کرو۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے اذان کے کلمات سے "**حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح**" کے بارے میں دریافت کیا، اس کی وجہ یہ کہ کلمات اذان میں ان کلمات کے اندر طلب کے معنی ہیں۔ (مرقاۃ: ٦/٧/٣)

سوال: یہاں سوال ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "**لیس علی الاعمیٰ حرج**" نیز "**وما جعل علیکم فی الدین من حرج**" نیز اجماع المسلمین اس بات پر ہے کہ معذور پر مسجد میں جا کر جماعت میں شریک ہونا واجب نہیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ کو گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت کیوں نہیں دی؟ حالانکہ صحابیؓ ایسے معذور تھے جن کا عذر بالکل کھلا ہوا اور واضح تھا، لہٰذا حدیث شریف

معارض ومخالف ہے، کتاب اللہ اور اجماع مسلمین کے، ایسا کیوں؟۔

جــــواب: (۱)...... ممکن ہے یہ معاملہ ابتداء اسلام کا ہو پھر جب آیت کریمہ معذور کے بارے میں نازل ہوئی ہو تو حکم ختم ہو گیا ہو۔

(۲)...... یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے اجازت نہیں دی تاکہ جماعت کی فضلیت حاصل ہوتی رہے اور اس سے محرومی نہ ہو۔

(۳)...... یا پھر مسجد تک آنے جانے میں مہارت وعادت کی وجہ سے ان کو قائد ورہبر کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترک جماعت کی اجازت نہیں دی۔

(۴)...... یا پھر یہ حکم صرف انہی کے لئے خاص تھا عام لوگ اس میں داخل نہیں۔ (بذل المجہود: ۱/۳۱۲) باقی تفصیل اس مضمون سے متعلق حدیث نمبر: ۹۸۷ کے ذیل میں گذر چکی۔

جماعت سے نماز اس امت کی خصوصیت ہے

﴿۱۰۱۲﴾ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ اَبُو الدَّرْدَآءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۹۰/ ۱، باب فضل صلاة الفجر فی جماعة، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۵۰۔

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت غصہ میں آئے، میں نے کہا آپ کیوں غصہ میں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس خصوصیت کو جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ امت کے افراد جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح: واللّٰہ ما اعرف من امر امۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ان منکر امور نے غصہ میں ڈالا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے کہ اللہ کی قسم میں اس امت کے کسی ایسے امر کو نہیں پہچانتا جو حسن وخوبی کے ساتھ باقی ہو اور اس میں تغیر تبدل نہ ہوا ہو علاوہ اس کے کہ لوگ صرف جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں، اور اب اس میں بھی کوتاہی ہونے لگی۔

امر منکر پر ناراضگی

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ امور دین میں سے اگر کسی امر میں تغیر وتبدل ہوتا دیکھے تو اس پر غصہ ہونا جائز ہے بلکہ ضروری ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی میں اگر اصلاح کی طاقت ہو تو امر منکر پر غصہ کے ساتھ انکار کرنا اور اپنی ناراضگی ظاہر کردینا بھی کافی ہے (عمدۃ القاری:۲۳/۴، مرقاۃ:۶۴/۳)

جماعت فجر کی فضیلت

﴿۱۰۱۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ حَثْمَۃَ قَالَ اِنَّ

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ اَبِيْ حَثْمَةَ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَاِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَى السُّوْقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ اَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَاتَ يُصَلِّيْ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِيْ جَمَاعَةٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً۔ (رواه مالك)

حواله: مؤطا امام مالک: ۴۶، باب ما جاء في العتمة، والصبح، کتاب صلاة الجماعة، حدیث نمبر: ۷۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن سلیمان بن حثمہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن فجر کی نماز میں سلیمان بن ابوحثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غائب پایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار جانے لگے تو حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر جو کہ مسجد اور بازار کے درمیان میں تھا، حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ شفاء کے پاس سے ہوتے ہوئے گذرے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''شفاء'' سے کہا کہ کیا بات ہے فجر میں سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دکھائی نہیں دیئے، حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ شفاء نے کہا بلاشبہ سلیمان رات بھر جاگ کر نماز پڑھتے رہے، پھر ان پر نیند غالب آگئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''فجر کی نماز میں جماعت کے ساتھ حاضر ہونے کو رات بھر عبادت کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

تشریح: صلوة الصبح في جماعة احب الى من ان اقوم ليلة: یعنی رات بھر سو کر صبح کی نماز جماعت سے پڑھنا یہ میرے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے اس سے کہ آدمی نوافل کے ذریعہ سے پوری رات کو زندہ رکھ کر صبح کی جماعت ترک کردے، چونکہ جماعت کی نماز کی فضیلت بہت زیادہ ہے حتی کہ بہت سے

مشائخ کے نزدیک واجب اور فرض کفایہ ہے۔(اوجز المسالک:۳/۱۹)

حضرت عمرؓ کے اس قول سے مسلم شریف کی روایت "**من صلی العشاء فی جماعة فکانما قام نصف اللیل و من صلی الصبح فی جماعة فکانما قام اللیل کله**" سے ماخوذ ہے کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا کہ اس نے آدھی رات تک قیام کیا، اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو اس نے گویا پوری رات قیام کیا، لیکن ترمذی کے الفاظ اس طرح ہیں "**من صلی العشاء فی جماعة کان کقیام نصف لیلة و من صلی العشاء والفجر فی جماعة کان کقیام لیلة**" جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو اس کا یہ نماز پڑھنا آدھی رات تک قیام کرنے کی طرح ہے، اور جس نے عشاء اور فجر دونوں نمازیں جماعت سے پڑھیں تو اس کا یہ نمازیں پڑھنا پوری رات قیام کرنے کی طرح ہے، اس طرح دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ترمذی کی روایت مسلم کی روایت کی تفسیر اور بیان ہے، یا پھر مسلم کی روایت مبالغہ پر محمول ہے اس لئے کہ نیند سے اٹھ کر قیام کرنا زیادہ دشوار ہے بالمقابل اس کے جو نیند سے پہلے قیام کرلے۔(مرقاۃ:۲/۷۷)

جماعت کے لئے افراد کی تعداد

﴿۱۰۱۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَافَوْقَھُمَا جَمَاعَةٌ۔ (رواہ ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ: ٦٩، باب الاثنان جماعة، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ٩٧٢۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دو آدمی یا ان سے زائد ہیں تو وہ جماعت ہیں۔

تشریح: جماعت کے لئے کم از کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے اگر دو آدمی ہوں تو جماعت سے نماز پڑھیں ایک امام بن جائے دوسرا مقتدی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ دو ہی لوگ ہیں، اور وہ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں تو ان کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

عورتوں کا مسجد آنا

﴿١٠١٥﴾ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَمْنَعُوْا النِّسَاءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَّاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِيْ رِوَايَةِ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَبَّهُ سَبًّا مَا سَمِعْتُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ١٨٣/١، باب خروج النساء الى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ٤٤٢۔

ترجمہ: حضرت بلال بن عبداللہ بن عمر اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم لوگ عورتوں کو مساجد سے ان کے حصہ سے مت روکو، جب کہ وہ تم سے اجازت طلب کریں، بلالؒ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم ان کو ضرور روکیں گے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (غضبناک ہوکر) ان سے کہا میں بیان کر رہا ہوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ہم تو ان کو ضرور روکیں گے، ایک روایت میں سالمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بلالؒ کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کو اتنا برا بھلا کہا کہ میں نے اتنا زیادہ سخت وست کہتے ہوئے کبھی بھی نہیں سنا، اور کہا کہ میں تم کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتا رہا ہوں اور تو کہتا ہے میں ضرور روکونگا۔

تشریح: یہ حضرت سالمؒ بلالؒ کے بھائی ہیں اور یہ دونوں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے ہیں، مسئلہ تو یہی ہے کہ منع کرنا چاہئے کہ عورتیں مسجد میں نہ جائیں، مگر چونکہ ان کے اس انکار سے بظاہر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو رہی تھی اسلئے اس طرح مسئلہ بھی نہ بیان کرنا چاہئے تھا، جس سے یہ شبہ ہو کہ یہ حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں، پس اس غیرت دینی اور حب نبی کی وجہ سے وہ اس اس کو برداشت نہ فرما سکے۔

واقعہ امام ابو یوسفؒ

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح کا واقعہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ بھی پیش آیا، انہوں نے ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی "**انـه علیه السلام کان یحب الدباء**" کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں تو اس کو پسند نہیں کرتا، حضرت ابو یوسفؒ کو جلال آ گیا اور تلوار نکال کر فرمایا کہ ایمان کی تجدید کرو ورنہ

میں تجھے ضرور بالضرور قتل کردونگا۔ (مرقاۃ: ۲/۷۷)

فائدہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو باتوں کا علم ہوا۔

(۱) حدیث کی جو شخص اپنی رائے سے مخالفت کریگا، اس کی تعزیر کی جائے گی۔

(۲) باپ اپنے بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ اور پٹائی کرسکتا ہے چاہئے اولاد بڑی ہوگئی ہو۔ (نووی مع المسلم: ۲/۱۳۵)

عورتوں کی مسجد میں نماز کے لئے آمد

﴿۱۰۱۶﴾ وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَه' اَنْ يَّأْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَه' عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند أحمد: ۲/۳۶.

ترجمه: حضرت مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اہل کو مسجد آنے سے نہ روکے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک صاحبزادے نے کہا ہم ان کو روکیں گے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو آپ علیہ السلام کا فرمان بیان کررہا ہوں اور تم یہ بات کہتے ہو، پھر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی وفات تک کبھی بات نہیں کی۔

تشریح: لایمنعن رجل اھلہ ان یاتوا المساجد:
علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں "ان یاتوا" میں نساء کی ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے ان کی تعظیم کی وجہ سے چونکہ انھوں نے مردوں کی طرح رکوع وسجدہ کے لئے چلنے کا ارادہ کیا ہے تو گویا جیسا مردوں کے لئے وہ عظمت کی چیز ہے ایسے ہی عورتوں کے لئے بھی عظمت وتعظیم کی چیز ہے، جیسے فرمان باری تعالیٰ "وکانت من القٰنتین" یہاں کانت سے مؤنث مراد ہے جب کہ قانتین مذکر کا صیغہ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۷۷)

فما کلمہ الخ: یہ ہجران وہ نہیں ہے جو ممنوع اور حرام ہے دنیوی چپقلش اور غرض کی وجہ سے اگر ہجران اور قطع کلام وتعلق ہو تو وہ حرام اور ممنوع ہے، مگر یہ تو عظمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بناء پر تھا اس لئے یہ جائز ہی نہیں بلکہ قابل رشک بھی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۷۷)

حنفیہ پر اصحاب الرائے ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جنہوں نے سنت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ" کو سن کر سنی نام رکھ لیا حالانکہ ان کی اپنی ایک رائے ہے جس کو وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتے ہیں دیکھو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کہ یہ اکابر صحابہؓ اور فقہاء صحابہؓ میں سے ہیں کس طرح اللہ اور اس کے رسول کے لئے غصہ ہو رہے ہیں، بظاہر اپنی رائے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دینے کی وجہ سے اپنے گوشہ جگر کو تا حیات چھوڑے رکھا اور کلام نہیں فرمایا جو اہل عقل کے واسطے ایک عبرت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۷۷)

ملا علی قاریؒ کا ارشاد

صاحب مرقاۃ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ طیبیؒ کے کلام سے علماء حنفیہ پر اعتراض

کنایہ کی بو آتی ہے کہ وہ رائے کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں، اس لئے ان کو اصحاب الرائے کہا ہے حالانکہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ حنفیہ کا اس نام کے ساتھ موسوم ہونا ان کی باریک بینی اور مہارت عقل کی وجہ سے ہے۔ (مرقاۃ: ٨/٧/٢)

امام شافعیؒ کا ارشاد

اسی وجہ سے امام شافعیؒ کا ارشاد ہے "کل الناس عیال ابی حنیفة فی الفقه" کہ فقہ کے اندر تمام لوگ امام ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں۔

ابن حزمؒ کا ارشاد

ابن حزم کا قول یہ ہے کہ تمام حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی رائے اور قیاس سے افضل ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا ارشاد

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے قول سے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ اصحاب الرائے ہیں اس لئے کہ ان کے اس قول سے احناف کی نہ تو تنقیص مراد ہے، اور نہ ہی ان کی طرف یہ نسبت کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم رکھتے ہیں، چونکہ وہ تو اس سے بری ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بہت سے طرق سے یہ بات مروی ہے کہ وہ اولاً کسی بھی

مسئلہ کا حکم قرآن سے لیتے ہیں، پس اگر اس میں دستیاب نہ ہوتو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو تلاش کرتے ہیں، اگر وہاں بھی دستیاب نہ ہوتو پھر اقوال صحابہؓ کو اختیار کرتے ہیں، اور اگر اقوال صحابہؓ میں اختلاف ہوتو اس قول کو اختیار کرتے ہیں جو قرآن یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہو اگر اقوال صحابہ میں سے کسی کا قول اس مسئلہ سے متعلق دستیاب نہیں ہوتا تو پھر کسی تابعیؒ کے قول کو نہیں لیتے، بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا۔

عبداللہ ابن مبارکؒ کا ارشاد

عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں جب کسی مسئلہ سے متعلق حدیث پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوتو اس کو سر آنکھوں سے لگا کر تہہ دل سے اس کو قبول کریں گے، اور اقوال صحابہؓ کو اختیار یعنی ترجیح دیں گے، اور اقوال تابعین کا ہم مقابلہ کریں گے، یعنی جیسے انہوں نے اجتہاد کیا ہم بھی اجتہاد کریں گے، انہی کا قول ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع صحابہؓ کے مقابلہ میں کسی کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق نہیں البتہ اقوال صحابہؓ میں اگر اختلاف ہوتو ہم اس قول کو اختیار و پسند کریں گے، جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہو، ورنہ ہم اجتہاد کریں گے، پس اجتہاد بالرائے کا حق اس شخص کے واسطے ہے جو اختلاف اور اپنے مذہب کی قیاسی باریکیوں کو بخوبی پہچانتا ہے۔

امام مزنیؒ اور امام طحاویؒ

امام مزنیؒ شافعی ہونے کے باوجود اکثر حنفیہ کے کلام میں غور وخوض کیا کرتے تھے،

یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بھانجے امام طحاویؒ کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ شافعی مذہب سے حنفی مذہب کی طرف منتقل ہو جائیں جیسا کہ خود امام طحاویؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔ (مرقاۃ:۸/۷/۲)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت میں بہت حساس تھے، صاحبزادہ کی مذکورہ بات کو انہوں نے بظاہر حدیث پاک کی مخالفت پر محمول کیا اور اس کی اصلاح کی خاطر ان سے ناراض رہے، اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ جو اولاد یا جو شخص حدیث وسنت کی مخالفت کا مرتکب ہو اس کی اصلاح کی خاطر اس سے ترک تعلق جائز ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

باب تسوية الصفوف

رقم الحديث:...... ١٠١٧ تا ١٠٣٧

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب تسویة الصفوف﴾

صفیں سیدھی کرنے کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

صفوں کو درست رکھنے کا حکم

﴿۱۰۱۷﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَأَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا حَتّٰى كَادَ اَنْ يُكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۸۲، باب تسویة الصفوف واقامتها، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۳۶۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے تھے، گویا اس کے ذریعہ سے تیروں کو سیدھا کر رہے ہیں، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ ہم نے یہ ادب سیکھ لیا ہے، پھر ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہنے والے ہی تھے کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے اللہ کے بندوں اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔

تشــــریح: یعنی جس طرح تیروں کو سیدھا کرتے ہیں اس لئے کہ اگر تیر ذرا بھی ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو صحیح نشانہ پر نہیں بیٹھتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو سیدھا فرماتے تھے۔

بادیاً: نکالنے والا تھا۔

عباد اللّٰہ: دال کے نصب کے ساتھ ہے اور حرف ندا محذوف ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ حالانکہ صف کے باقی لوگوں کے مقابلہ میں صرف ایک شخص اپنے سینے کو باہر کی جانب نکالے ہوئے تھا لہٰذا اس کو سمجھانے کی ضرورت تھی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کریمہ کے تحت عام خطاب فرمایا، اس سے پردہ پوشی کا اہتمام معلوم ہوتا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۷۹)

او لیخالفن اللّٰہ: اس کے دو معنی ہیں:

(۱)......ایک تو یہ ہے کہ تمہارے چہرے سیدھے بنے ہیں ٹیڑھے ہو جائیں گے، جس طرح تم کو ٹیڑھا چہرہ برا لگتا ہے اسی طرح اللہ میاں کو ٹیڑھی صفیں ناپسند ہیں۔

(۲)......دوسرے معنی یہ ہیں کہ وجوہ سے ذات مراد لی جائے، اس صورت میں

مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے درمیان تفریق پیدا ہو جائے گی، پارٹی بندیاں ہو جائیں گی، اور وجوہ سے قلوب بھی مراد ہو سکتے ہیں، کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چہرے پشت کی طرف پھر جائیں گے۔(مرقاۃ:۷۹/۲)

شیخ مظہر فرماتے ہیں ظاہر کا صحیح اور مؤدب ہونا باطن کے درست ہونے کی علامت ہے، پس اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری ظاہر میں نہ کروگے تو یہ تمہیں دلوں کے اختلاف تک پہنچا دے گا، اور اس اختلاف سے دلوں میں کدورت پیدا ہو جائے گی، جس سے تمہارے درمیان عداوت ودشمنی واقع ہو جائے گی، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں اختلاف وجوہ سے مراد یہ ہے کہ تمہاری گفتگو میں اختلاف واقع ہوگا اور تمہارے درمیان فتنے بھڑک اٹھیں گے جس کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے، "انتم الیوم اشد اختلافا" کہ تم آج سخت اختلاف کا شکار ہو اس سے انھوں نے شائد وہ فتنے مراد لئے ہیں جو صحابہ کرام کے درمیان واقع ہوئے۔(مرقاۃ:۶۸/۲، التعلیق الصبیح:۴۴/۲)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے، اسلئے ظاہر کا اپنانا اور اس کو سنت کے مطابق بنانا بھی ضروری ہے۔

صفوں کی درستگی

﴿۱۰۱۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِوَجْہِہٖ فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْہِ قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰/ ۱، باب اقبال الامام علی الناس، کتاب الاذان، حدیث نمبر :۷۱۹۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کے لئے اقامت کہدی گئی، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رخ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "اپنی صفیں سیدھی کرلو اور مل مل کر کھڑے ہو، بلاشبہ میں تم لوگوں کو اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔

اور متفق علیہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صفوں کو مکمل کرو بلاشبہ میں تم لوگوں کو اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح: اقیموا صفوفکم: تسویۃ الصفوف یعنی صفوں کا سیدھا کرنا حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت و مالک کے نزدیک سنت ہے، اور ابن حزم کے نزدیک فرض ہے بقول ابن حزم کے اقامت صلوٰۃ فرض ہے اور جو چیز فرض کا جز ہو وہ بھی فرض ہے لہذا صفوں کا سیدھا کرنا فرض ہے۔

سوال: امر کے اندر اصل وجوب ہے خصوصاً جب کہ ترک پر وعید ہو حالانکہ یہاں تسویہ کے ترک پر وعید موجود ہے پھر یہ واجب کیوں نہیں؟۔

جواب: یہ وعید تغلیظ وتشدید کے باب سے ہے جو فعل میں ترغیب وتاکید پیدا کرنے کیلئے ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تسویہ امر کے تقاضے سے واجب ہے لیکن واجبات صلوٰۃ میں اس حیثیت سے داخل نہیں کہ اس کو ترک کردیا جائے تو نماز فاسد ہوجائے گی یا ناقص رہ جائے گی۔ (عمدۃ القاری: ۴/۳۵۴)

تراصو: مل کر کھڑے ہوجاؤ یہ رصاص سے مشتق ہے اس طرح مل کر کھڑے ہو جاؤ جس طرح ویلڈنگ کے ذریعہ دو جدا جدا آھنی ٹکڑے مضبوط مل جاتے ہیں اور وہ دونوں

ایک ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، "ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کأنھم بنیان مرصوص" (سورۃ الصف: ۴)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ شیشہ پلائی ہوئی عمارت ہو (آسان ترجمہ)

اگر چہ یہ آیت بالاتفاق مجاہدین کے متعلق ہے لیکن صفوف صلاۃ میں بھی یہ مشابہت مطلوب ہے۔ (مرقاۃ: ۹/۷، ۲/۲، التعلیق: ۲/۴۴)

فانی اراکم: اس سے یا تو علم مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ مجھے پیچھے والوں کا علم ہوجاتا ہے بطور وحی یا بطور کشف یا گدی پر چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے کی جانب دیکھتے تھے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ دیکھنا علی الدوام تھا یا بطور معجزہ گاہے گاہے ہے دونوں قول ہیں۔ (مرقاۃ: ۹/۷/۲)

علامہ نوویؒ نے علماء سے نقل فرمایا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گدی میں ایسا ادراک مرحمت فرمایا تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے کی چیزوں سے باخبر ہوجاتے تھے، اور یہ نہ شرع کے خلاف ہے، اور نہ عقل کے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس سے بھی بڑی چیزیں خرق عادت کے طور پر صادر کرائی گئی ہیں۔ (نووی مع مسلم: ۱۲۵/ ۲،)

فائدہ: اس حدیث شریف سے چند باتوں کا علم ہوا:

(۱) امام کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کی جانب توجہ کرے اور صفیں سیدھی کرنے کا حکم دے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت اور تحریمہ صلوٰۃ کے درمیان بضرورت کلام کرنا جائز ہے۔

(۳) حدیث شریف میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے۔
(عمدۃ القاری: ۳۵۵/۴، مرقاۃ: ۶۸/۳)

صفوں کی درستگی کی تاکید

﴿١٠١٩﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۰/۱، باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۲۳۔ مسلم شریف: ۱۸۲/۱، باب تسویۃ الصفوف و اقامتها، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۳۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "صفوں کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کو قائم رکھنے میں سے ہے، اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، لیکن مسلم نے "من اقامة الصلوٰة" کے بجائے "من تمام الصلوٰة" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

تشریح: تسویہ صفوف کی بہت اہمیت ہے اور اس کی خاص ہئیت کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس طریقہ سے کھڑا ہو اور ایسی صورت اختیار کی جائے جو خشوع خضوع کے قریب ہو اور بظاہر بے ڈھنگی معلوم نہ ہو اور یہ صفوں کا درست کرنا کمال صلوٰۃ میں سے ہے یعنی جس درجہ نماز میں صفوں کو درست کیا جائے گا نماز میں اسی درجہ کمال ہوگا، اسلئے صفوں کی درستگی کا اہتمام ضروری ہے۔

اختلاف ائمہ

تسویۃ الصفوف کی اہمیت کی پیش نظر علماء کے درمیان اس کے حکم میں اختلاف ہوگیا ہے، چنانچہ اہل ظواہر خصوصاً ابن حزم کے نزدیک فرض ہے، اور جمہور کے نزدیک فرض نہیں، بلکہ سنت موکدہ ہے، اور حنفیہ کے ایک قول کے مطابق واجب ہے، حدیث باب ابن حزمؒ کی دلیل ہے، کیونکہ یہاں امر کا صیغہ ہے جو فرض کا تقاضا کرتا ہے، جمہور کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں "فان اقامة الصف من حسن الصلوٰة" اس سے صاف ظاہر ہوا کہ فرض نہیں ہے۔ درس مشکوٰۃ: ۲/۱۰۲)

صف بندی کی ترتیب

﴿۱۰۲۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِیْ الصَّلَاۃِ وَیَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَاتَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِنِیْ مِنْکُمْ اُوْلُوْا الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اِخْتِلَافاً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۱، باب تسویۃ الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۳۲۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کے وقت ہمارے کاندھوں پر ہاتھ پھیرتے اور

فرماتے برابر کھڑے رہو، اور مختلف نہ ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، اور تم میں بالغ و عاقل لوگ میرے قریب رہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں، حضرت ابو مسعودؓ نے فرمایا آج تم لوگوں میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔

تشریح: اولو الاحلام: احلام یا تو حلم بالکسر کی جمع ہے جس کے معنی عقل کے ہیں یا حُلم بالضم کی جمع ہے، جو بالغ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

النهى: نهية کی جمع ہے اور ضمہ کے ساتھ ہے اس کے معنی عقل ہیں کیونکہ عقل ہی برائیوں سے روکتی ہے، یعنی میرے قریب بالغ اور عاقل لوگ رہنے چاہئیں۔

ثم الذين يلونهم: جیسے مراہق یا وہ لوگ جو عقل و بلوغ میں پہلے لوگوں کے قریب ہیں۔

ثم الذين يلونهم: یعنی باتمیز بچے یا جو پہلے حضرات سے کچھ کم درجہ کے ہیں۔

فأنتم اليوم اشد اختلافا: کیونکہ تم لوگ اپنی صفوں کی درستگی کا خیال نہیں رکھتے ہو۔ (مرقاة:۲/۸۰)

يمسح مناكبنا في الصلوة: یعنی جب نماز کا ارادہ فرماتے اور جماعت کھڑی ہوتی تو اپنے ہاتھ ہمارے مونڈھوں پر رکھتے تا کہ ہم آگے پیچھے نہ رہیں، بلکہ سب برابر ہو جائیں۔ (مرقاة:۲/۷۹)

فتختلف قلوبكم: یہ جواب نہی ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور فاء سببیہ ہے۔

اشکال مع جواب

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعضاء کی خرابی کا اثر دل پر پڑتا ہے، اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے "ألا ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح

الجسد کله و اذا فسدت فسدا الجسد کله ألا وھی القلب'' اس سے معلوم ہوا کہ دل کی خرابی کا اثر اعضاء پر پڑتا ہے بظاہر دونوں روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقتاً ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے، ان دونوں روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دل اور دیگر اعضاء جسم کے درمیان بڑا عجیب تعلق اور بہت زیادہ لگاؤ ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ قلب کا اثر دیگر اعضاء پر اور اعضاء کا اثر قلب پر پڑتا ہے، اور ان میں سے ایک کی صحت سے دوسرا صحیح اور ایک کے فساد سے دوسرا بھی فاسد ہو جاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ظاہر کی ٹھنڈک باطن تک اور باطن کی ٹھنڈک ظاہر پر اثر کرتی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۸۰)

مسجد میں شور کرنے کی ممانعت

﴿۱۰۲۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَلِنِیْ مِنْکُمْ اُوْلُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثَلَاثاً وَاِیَّاکُمْ وَھَیْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۱، باب تسویة الصفوف و اقامتھا، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۴۳۲۔

حل لغات: ھیشات جمع ہے ھیشة کی، فتنہ ہنگامہ، ہلچل، ھاش (ض) ھیشاً القوم، جوش میں آنا، مشتعل ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے جو لوگ بالغ اور ذی عقل ہوں وہ مجھ

سے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان سے قریب ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، اور تم لوگ بازاروں میں شور و شغب مچانے کے طرح مسجد میں شور کرنے سے گریز کرو۔

تشریح: **ھیشات** بازاروں کا بھیڑ بھڑا کا، شور شرابا۔ یعنی بازاروں میں نہ جاؤ یا بازاروں میں شور نہ کرو، یہاں مطلب یہ ہے کہ مساجد میں بازاروں کی طرح شور شرابا کرنے سے بچو۔

اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوتا ہے لہٰذا اس وقت سکون و وقار اور آداب عبودیت کا اظہار کرنا چاہئے، نہ کہ شور و شغب۔

اسلئے کہ شور و شغب آداب مساجد اور آداب عبودیت کے خلاف ہے جو بہت بڑی گستاخی ہے۔

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنی اختلاط کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح بازار میں بھیڑ ہوتی ہے، اور مردوں عورتوں، بچوں بوڑھوں میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا اور نہ ہی عاقل اور غیر عاقل کا کچھ امتیاز ہوتا ہے اس طرح اپنی نمازوں کو مت بناؤ، بلکہ نماز میں عاقل غیر عاقل بچوں بوڑھوں اور مذکر و مؤنث کے درمیان صفوف کے اعتبار سے امتیاز کرو۔ ملاعلی قاریؒ کے نزدیک یہ معنی اس مقام پر دیگر معانی کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہیں۔

(مرقاۃ: ۲/۸۰، طیبی: ۳/۴۵)

صف اول کی فضیلت

﴿۱۰۲۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَصْحَابِهٖ تَأَخُّراً فَقَالَ لَهُمْ تَقَدَّمُوْا وَائْتَمُّوْا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ لَايَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ۔ رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱/۱۸۲، باب تسوية الصفوف و اقامتها، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۳۸۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ کو پیچھے دیکھا، تو ان سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو، اور چاہئے کہ تمہاری اقتدا وہ لوگ کریں جو تمہارے پیچھے ہیں ایک قوم ہمیشہ پیچھے رہتی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے ڈال دیتا ہے۔

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ تأخیر سے مراد حصول علم سے پیچھے رہنا ہے یا نماز کی صفوں میں پیچھے رہنا ہے۔

پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی حصول علم میں پیچھے نہ رہے بلکہ ہر ایک احکام شریعت کو سیکھے اور تم سے تابعین سیکھیں گے، اور ان سے تبع تابعین، اور اس طرح ہر زمانہ والوں سے ان کے بعد کے لوگ سیکھیں۔

اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ عقلاء اور علماء صف اول میں کھڑے ہوں اور جو ان سے کم درجہ کے ہیں وہ دوسری صف میں، اس لئے کہ دوسری صف ظاہر میں ایسی معلوم ہوتی ہے کہ وہ صف اول کی اتباع کر رہی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۸۰)

حتی یؤخرهم الله: یعنی اللہ تعالیٰ دخول جنت میں ان کو پیچھے رکھے گا، کہ وہ جنت میں بھی دوسروں سے پیچھے داخل ہونگے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے ان کو پیچھے

فرمادینگے جس کا نتیجہ انجام کار دخول جہنم ہوگا، گو اس کے بعد سزا پا کر جنت میں داخل ہوں۔ اعاذنا الله منه (طیبی: ۴۵/۳، مرقاۃ: ۲/۸۰، التعلیق: ۲/۴۵)

فائدہ: حدیث پاک سے صف اول کی فضیلت واہمیت ظاہر ہے مگر افسوس آج اہل علم حضرات بھی صف اول سے بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ (فالیٰ الله المشتکیٰ)

اگلی صفیں مکمل کرنے کا بیان

﴿۱۰۲۳﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَآنَا حِلَقاً فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلىٰ وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۸۱/۱، باب الامر بالسكون فى الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۳۰۔

حل لغات: عزین، جمع ہے واحد العزۃ، ج عِزَىً وَعِزُوْنَ، قرآن میں ہے۔ "عن اليمين وعن الشمال عزين" فرقہ، گروہ۔ يتراصون، تَرَاصَّ الْقَوْم، (تفاعل) لوگوں کا نماز میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا، رَصَّ (ن) رَصًّا ایک دوسرے سے ملنا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہم لوگ الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تم کو الگ الگ بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''تم لوگ اسطرح صفیں کیوں نہیں لگاتے'' جیسا کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں لگاتے ہیں، تو ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ملائکہ اپنے رب کے پاس صف بستہ ہو کر کیسے بیٹھتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پہلے اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صفوں میں مل کر بیٹھتے ہیں۔

تشریح: فرانا حلقا فقال مالی ارا کم عزین: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یعنی اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ہر صف کا حلقہ الگ الگ لگا ہوا تھا یا پھر ہر انسان اپنے قریب والے یا ساتھی سے ملا ہوا بیٹھا تھا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس صفت پر بیٹھنے سے انکار کرنا تھا یہاں مالکم نہیں کہا کیونکہ مالی اراکم زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے ''مالی لاارى الهدهد'' حدیث شریف کا ٹکڑا ''يتمون الصفوف الاولیٰ'' ملائکہ کی کثرت پر دلالت کرتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب فرشتے اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری کیلئے صف بندی کرتے ہیں تو دوسری صف کو اس وقت تک شروع نہیں کرتے جب تک کہ پہلی صف مکمل نہ کرلیں لہٰذا تمہیں بھی اسی طرح صف بندی کرنی چاہئے کہ دوسری صف کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس سے پہلے والی مکمل نہ ہو جائے۔ مرقاۃ:۲/۸۱)

حلقا، حلقة، کی جمع ہے۔ امام اصمعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ''حلق'' حاء کے کسرہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے جیسے قصعة کی جمع قصع آتی ہے، اور اس کے معنی ہیں حلقے بنا بنا کر بیٹھنا۔ (مرقاۃ:۲/۸۱)

بہترین صف کونسی ہے

﴿۱۰۲۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱۸۲/۱، باب تسوية الصفوف و اقامتها، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۴۰۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کہ مردوں کی بہترین صف ان کی پہلی صف ہے، اور ان کی بدترین صف آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی سب سے بہترین صف آخری صف ہے، اور عورتوں کی بدترین صف پہلی صف ہے۔

تشریح: شر الصفوف: شر کے معنی گھٹیا کے ہیں۔

کیونکہ مردوں کی صف اول امام کے قریب اور عورتوں سے دور ہوتی ہے اور ان کی آخری صف امام سے دور اور عورتوں سے قریب ہوتی ہے، لہٰذا صف اول کو خیر اور صف آخر کو شر فرمایا، حالانکہ نمازی کی تو ہر صف خیر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد تقدیم کے مکلّف ہیں، لہٰذا جو جس قدر مقدم ہے گویا وہ احکام شرع کی اسی قدر زیادہ رعایت اور تعظیم کررہا ہے لہٰذا اس کو ایسی فضیلت حاصل ہوگی جو اس امر شرع کو چھوڑنے والے کو حاصل نہ ہوگی، اور عورتوں کی صف اول مردوں کے قریب ہوتی ہے، اور آخری مردوں سے دور ہوتی ہے، لہٰذا عورتوں کی صف اول کو شر اور آخری صف کو خیر فرمایا، نیز عورتوں کا مقام بھی تاخیر ہی ہے حدیث شریف میں ہے ”اخروهن كما آخرهن الله“ (مرقاۃ: ۲/۸۱، طیبی: ۳/۴۷)

﴿الفصل الثانی﴾

صفوں میں خلا رکھنے کی ممانعت

﴿۱۰۲۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَکُمْ وَقَارِبُوْا بَیْنَہَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَرَی الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّہَا الْحَذَفُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۹۷/ ۱، باب تسویۃ الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۶۶۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی صفوں میں مل مل کر کھڑے ہو، اور صفوں کے درمیان نزدیکی رکھو، اور گردنیں برابر رکھو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کے شگافوں میں ایسے گھستا ہے جیسے بکری کا بچہ۔

تشریح: رصو: رصاص: رانگ کو کہتے ہیں اس کے معنٰی ہیں بالکل مل جل کر کھڑے ہو جاؤ۔

قاربوا بینھا: یعنی اگر کوئی عذر نہ ہو تو صفوف کو قریب قریب رکھو۔

صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رکھو حنفیہ نے صراحت کے ساتھ اس بات کو ذکر کیا ہے کہ جگہ کا متحد ہونا نماز کے جائز ہونے کے لئے شرط ہے چنانچہ بدائع میں ہے کہ نماز کی

ایک شرط یہ ہے کہ امام اور مقتدی کی جگہ متحد ہو، حتیٰ کہ دونوں کے درمیان ایسا عام راستہ ہو جس پر لوگ گزرتے ہوں یا بڑی نہر دونوں کے درمیان واقع ہو تو پھر اقتداء صحیح نہیں ہوگی، اور اس کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے "من كان بينه وبين الامام نهر او طريق او صف من النساء فلاصلوٰة له" کہ جس مقتدی اور امام کے درمیان نہر یا راستہ یا عورتوں کی صف حائل ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (بذل المجہود: ۱/۳۶۱)

حاذوا بالاعناق: مقابلہ کرو گردنوں سے یعنی برابر کرو۔

حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد کاندھوں کو برابر رکھنا ہے کہ کاندھے آگے پیچھے نہ ہوں۔ (مرقاۃ: ۲/۸۱، طیبی: ۳/۴۷)

اگلی صف مکمل کرنے کی تاکید

﴿۱۰۲۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِىْ يَلِيْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِى الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شريف: ۹۸/۱، باب تسوية الصفوف، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۶۷۱۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگلی صف مکمل کرو، پھر جو اس سے متصل ہے اور جو کمی ہو وہ سب سے اخیر کی صف میں ہونی چاہئے۔

تشریح: اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه: یعنی صف بندی کرتے وقت اس کا خیال رکھو کہ اولاً پہلی صف مکمل کرو، اور پھر دوسری صف کی تکمیل کرو، بعدازاں تیسری چوتھی پھر اگر قلت افراد کی بنا پر صف کے اندر کچھ کمی رہے تو وہ سب سے آخری صف میں رہنی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ ہر صف کے اندر تھوڑی بہت کمی رہے، اور مکمل ایک بھی صف نہ ہو۔ (بذل المجہود: ۱/۳۶۲)

اگلی صف کی برکت

﴿۱۰۲۷﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْأُوْلٰى وَمَا مِنْ خَطْوَةٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ خَطْوَةٍ يَمْشِيْهَا يَصِلُ بِهَا صَفاً۔ (رواه ابو داؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۱/۸۰، باب فی الصلاة تقام ولم یات الامام، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۵۴۳۔

ترجمه: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو پہلی صف کے قریب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو وہ قدم بہت پسند ہیں جو صف کی طرف اٹھتے ہیں اور صف کو ملاتے ہیں۔

تشریح: صف اول کو جو فضیلت و برکت حاصل ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے بار بار بیان فرمایا جس سے واضح ہوگیا کہ جہاں تک ہو سکے پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن اگر اگلی صف میں جگہ نہ ملے تو اس کے بعد اسی طرح درجہ بدرجہ ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اور اگر صفوں میں کہیں خلاوغیرہ ہے، اور کوئی شخص اس کو پر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔

خطوۃ: اس میں دو لغت ہیں: (۱) خاء کا فتحہ۔ (۲) خاء کا ضمہ۔

ما من خطوۃ احب الی اللہ: اس جملہ کی دو ترکیب ہیں:

(۱)......من زائدہ اور "خطوۃ" ما ئے مشابہ بہ لیس کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع، اور "احب الی اللہ" اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، مگر یہ ترکیب راجح نہیں ہے۔

(۲)......من خطوۃ: خبر مقدم اور "احب الی اللہ" مشابہ بہ لیس کا اسم مؤخر۔

(مرقاۃ: ۲/۸۱)

صف میں دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت

﴿۱۰۲۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَ قَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۹۸، باب من يستحب أن يلي الامام في الصف، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۶۷۶۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان

لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جوصفوں میں دائیں طرف ہوتے ہیں۔

تشریح: ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون: اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

علی میامن الصفوف: **میامن میمنة** کی جمع کی ہے اس سے دائیں جانب مراد ہے ابن الملک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صفوں کی دائیں جانب بائیں جانب سے افضل ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاً امام کے دائیں جانب والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں، اور پھر بائیں جانب والوں پر لیکن جب بائیں جانب مصلیوں سے خالی ہو تو پھر بائیں جانب دائیں جانب سے افضل ہو جاتی ہے، طرفین کی رعایت کرتے ہوئے۔ (مرقاو:۲/۷۲)

میامن الصفوف: اس سے میامن صفوف کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "ان اللہ ینزل الرحمة اولاً علی یمین الامام الی آخر الیمین ثم علی الیسار الی آخره". (مرقاة:۲/۸۲)

تکبیر تحریمہ سے پہلے صفیں سیدھی کرانا

﴿۱۰۲۹﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَى الصَّلَاةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف:۹۷/۱، باب تسویة الصفوف، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۶۶۵۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست فرماتے تھے جب ہم نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے، چنانچہ جب ہم برابر کھڑے ہو جاتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

تشریح: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ امام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صفوں کی درستگی کا اہتمام کرے اور جب تک صفیں درست نہ ہو جائیں، نماز شروع نہ کرے اور مقتدیوں کو اقامت ختم ہونے سے پہلے صفوں کی درستگی کر لینا چاہئے تا کہ اقامت ختم ہوتے ہی امام تکبیر تحریمہ کہہ سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صفیں درست کرانا

﴿۱۰۳۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَنْ یَمِیْنِہٖ اعْتَدِلُوْا سَوُّوا صُفُوْفَکُمْ وَعَنْ یَسَارِہٖ اعْتَدِلُوْا سَوُّوا صُفُوْفَکُمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۹۸/ ۱، باب تسویة الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۷۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے، سیدھے کھڑے ہو، اپنی صفیں درست کو لو، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے سیدھے کھڑے ہو، اپنی صفیں درست کر لو۔

تشــــریح: اس حدیث شریف میں صفیں درست کرانے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکور ہے۔

شروع میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفیں درست کراتے تھے جب صحابہؓ نے صفیں درست کرنا سیکھ لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے ہی صف درست کرنے کا حکم فرما دیا کرتے۔

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ امام کو چاہئے کہ دائیں بائیں دونوں جانب متوجہ ہو کر لوگوں کو صفیں درست کرنے کی تاکید کرے۔

صف میں کھڑے ہونے والے بہتر لوگ

﴿۱۰۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِیَارُکُمْ اَلْیَنُکُمْ مَنَاکِبَ فِی الصَّلٰوۃِ ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۹۸/ ۱ ، باب تسویۃ الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو نماز میں اپنے مونڈھے کو زیادہ نرم رکھنے والے ہیں۔

تشــــریح: اس حدیث کا پہلا مطلب تو یہ ہے کہ صف میں مونڈھوں کو بایں طور نرم

رکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص صف کو درست کرنے کی خاطر ان کو پکڑ کر آگے پیچھے کرے تو وہ برضاورغبت صف کی درستگی کی خاطر آگے ہو جائے اور صف درست کرنے والے کے حق میں نرم پڑ جائے تن کر کھڑا نہ ہو اور ضد اور تکبر کا رویہ اختیار نہ کرے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صف میں خلا ہونے کی صورت میں کوئی بیچ میں آ کر کھڑا ہو رہا ہے تو اس کے حق میں نرم ہو جائے، اس کو نہ روکے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ جگہ خالی ہو اور آنے والے کا مقصد صف کا بھرنا ہے، یعنی اس کو کھڑا ہونے دے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ مونڈھے زیادہ نرم رکھنا دراصل سکون وقار اور خشوع سے کنایہ ہے یعنی وہ شخص کہ جو خاطر جمعی حضور دل اور وقار کے ساتھ نماز ادا کرے۔ (التعلیق:۲/۴۶، مرقاۃ:۲/۸۲)

﴿الفصل الثالث﴾

صف کی درستگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

﴿۱۰۳۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۹۳/ ۱، باب کم مرۃ یقول استووا، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر:۶۵۴۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے، کہ صفوں کو درست کرو، صفوں کو درست کرو، صفوں کو درست کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے ایسے ہی دیکھتا ہوں، جیسا کہ میں تم کو اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: استووا: ایک بات کو تین مرتبہ دہرانا یا تو تاکید کے لئے ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمالاً (تمام حضرات کے لئے) اس لفظ کو ارشاد فرمایا ہو اور ''ثانیاً اہل یمین'' اور ''ثالثاً اہل یسار'' کو مخاطب فرمایا ہو۔ (مرقاۃ:۲/۷۲، التعلیق:۲/۴۷)

صف اول کی فضیلت

﴿۱۰۳۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ وَعَلَی الثَّانِیْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ وَحَاذُوْا بَیْنَ مَنَاکِبِکُمْ وَلِیْنُوْا فِیْ اَیْدِیْ اِخْوَانِکُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ فِیْمَا بَیْنَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ یَعْنِیْ اَوْلَادَ الضَّانِ الصِّغَارِ۔ (رواہ أحمد)

حوالہ: مسند أحمد: ۵/۲۶۲.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! اور دوسری صف والوں پر؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دوسری صف والوں پر؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دوسری صف والوں پر؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دوسری صف والوں پر بھی، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی صفوں کو درست رکھو، اپنے کاندھوں کو برابر رکھو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے آگے نرم رہو، شگاف کو پر کرو، اس لئے کہ شیطان تمہارے درمیان ''حذف'' یعنی بھیڑ کے چھوٹے بچوں کی طرح داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح: وعلى الثاني : یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم "وعلى الثاني" اور دوسری صف والوں پر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پھر عرض کیا''وعلى الثاني'' یہ واو عاطفہ ہے اور اس عطف کا نام عطف تلقین والتماس ہے۔(مرقاۃ:۲/۴۷،التعلیق:۲/۴۷)

سوال: سائل صف ثانی کے متعلق سوال کر رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف اول کی فضلیت بیان فرماتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سائل کو ترغیب دینا تھا، کہ آپ کو تو پہلی صف میں ہونا چاہئے دوسری سے کیا مطلب۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صف اول میں صف ثانی سے تین گنی رحمت زائد ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ علی الصف الاول فرمایا۔

ولینو فی ایدی اخوانکم: یعنی اگر تمہیں کوئی آگے پیچھے کر کے صف کو سیدھا کرنا چاہئے تو تم اس کی اطاعت قبول کرلو، اور اس کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ، تا کہ بآسانی صف سیدھی ہو جائے۔

اور صفوں کے درمیان وسعت و کشادگی نہ چھوڑو بلکہ اس کو پُر کو لو اس لئے کہ شیطان تمہارے درمیان اس طرح داخل ہوتا ہے جیسے چھوٹی بکری تھوڑی سی جگہ میں داخل ہو جاتی ہے، تا کہ تمہاری نمازوں میں وسوسہ ڈال کر اور نماز سے توجہ ہٹا کر تم کو دوسری چیزوں کے اندر مشغول کر دے۔ (مرقاۃ: ۲/۷۳)

صفوں میں شگاف پُر کرنے کا حکم

﴿۱۰۳۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِىْ اِخْوَانِكُمْ وَلَاتَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَّصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رواه ابو داؤد وروى النسائى منه قوله ومن وصل صفا الى آخره)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۹۷، باب تسوية الصفوف، كتاب الصلوٰة، حدیث نمبر: ۶۶۶۔ نسائی شریف: ۱/۹۳، باب وصل صفاً، كتاب الاقامة، حدیث نمبر: ۸۱۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "صفوں کو درست رکھو، مونڈھوں کے درمیان برابری قائم کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے آگے نرم رہو، اور شیطان کے لئے کشادگی نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا، اللہ تعالیٰ اس کو ملائیگا، اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اس کو کاٹے گا، اور ابو داؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور نسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "من وصل" سے اخیر تک نقل کیا ہے۔

تشریح: وحاذوا بین المناکب: یعنی مونڈھوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھو، نیز شانے سے شانہ ملالو۔

"لینو بایدی اخوانکم" کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص تم کو صف سے کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کرنا چاہے تو تم اس کی موافقت اختیار کرو، اور اس کے ساتھ پیچھے ہو جاؤ، تا کہ اس سے صف میں انفرادیت کی کمی زائل ہو جائے، جو بعض ائمہ کے نزدیک نماز کو باطل کر دیتی ہے، ابو داؤد کی مرسل روایت میں ہے کہ اگر آنے والا شخص صف کے اندر کھڑے ہونے کی وسعت نہ پائے اور نہ ہی کوئی ایسا فرد ہو جس کے ساتھ ملکر نئی صف بنائے تو اس کو چاہئے کہ صف میں سے ایک شخص کو کھینچ کر اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو صف سے کھینچے گئے شخص کو سب سے زیادہ اجر ہوگا، اور یہ اس لئے کہ اس نے دوسرے کی خاطر اپنی صف کو چھوڑا اور غیر کے لئے تحصیل فضیلت کا سبب بنا۔ (مرقاۃ: ۲/۸۳)

ومن وصل صفا وصله الله ومن قطعه قطعه الله: جس نے صف میں حاضر ہو کر اس کے خلا کو پر کر کے صف کو ملا دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے ملا دیں گے، اور جس نے صف سے غائب رہ کر یا خلا کو پر نہ کر کے یا کسی اور طریقے سے صف کو قطع کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنی رحمت شاملہ اور عنایت کاملہ سے دور رکھیں گے۔

حدیث شریف میں بلیغ طور پر وعید بھی موجود ہے اسی لئے ابن حجرؒ نے قطع صف کو اپنی کتاب الزواجر میں گناہ کبیرہ میں میں شمار کیا ہے۔ مرقاۃ: ۲/۸۳)

امام کو درمیان میں رکھنا

﴿۱۰۳۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ۔ (رواه ابو داؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۹۹/۱، باب مقام الامام من الصف، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''امام کو درمیان میں رکھو، اور خلا کو پر کرو۔

تشریح: توسطوا الامام وسدوا الخلل: امام کو بوقت نماز اپنے بیچوں بیچ کھڑا کرو، بایں طور کہ تم اس کے پیچھے اس طرح صف لگاؤ کہ امام صف کے بیچ والے حصے کے برابر ہو اور جو مرد اسکے دائیں اور بائیں جانب میں کھڑے ہوں وہ بھی دونوں طرف برابر ہوں اور ایک دوسرے سے اسطرح مل جائیں کہ درمیان میں کشادگی نہ رہے ایک قول کے مطابق حدیث شریف کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنا امام اسکو بناؤ جو تم میں سے بہتر ہو چنانچہ کہا جاتا ہے ''فلان وسط القوم'' کہ فلاں آدمی ان لوگوں میں بہتر ہے۔ (بذل المجہود: ۳۶۵/۱، التعلیق: ۲/۴۷، مرقاۃ: ۲/۸۳)

صف اول سے جی چرانا

﴿۱۰۳۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۹۹/۱، باب صف النساء وکراهية التأخر عن الصف الاول، کتاب الصلوٰة،

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کچھ لوگ ہمیشہ صف اول سے پیچھے رہیں گے یہاں تک اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے کرکے جہنم میں ڈالے گا۔

تشریح: آج صف اول سے پچھلی میں پھر اس سے پچھلی میں پھر گھر اور پھر وہاں بھی ختم۔

لایزال قوم یتاخرون عن الصف الاول: مطلب یہ ہے کہ لوگ برابر پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے، یعنی صف اول کی فضیلت کو حاصل کرنے کا اہتمام اور اس کی پرواہ نہیں کریں گے، اسی طرح وہ خیرات کی طرف بڑھنے اور سبقت کرنے میں بھی پیچھے رہیں گے، کہ اولاً صف اول چھوٹی پھر جماعت سے ایک دو رکعات چھوٹنے لگیں پھر جماعت چھوٹنے کی نوبت آنے لگی پھر نماز قضاء ہونے لگی، دوسری طرف معاصی کا ارتکاب ہونے لگا جس کی وجہ سے وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ابن العربی علیہ الرحمۃ نے یہاں چار چیزیں ذکر کی ہیں اول حدیث شریف میں مسارعت الی الخیرات کا حکم ہے، دوسری چیز مسجد کا اگلا حصہ پچھلے حصے سے افضل ہے، تیسری

چیز امام کا قرب مطلوب ہے فرمان نبوی "لیلینی منکم اولو الاحلام و النھیٰ" کی وجہ سے، چوتھی چیز نماز کے لئے جلدی جانا کسی طرح کی تاخیر نہ کرنا۔ بذل المجہود: ۱/۳۶۴)

فائدہ: حدیث پاک سے صف اولیٰ کے اہتمام کی فضیلت اور اس میں سستی و کاہلی کی مذمت بخوبی واضح ہے۔

صف میں تنہا کھڑا ہونا

﴿۱۰۳۷﴾ وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ رَاَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلاَةَ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وقال الترمذی ھذا حدیث حسنٌ)

حوالہ: مسند أحمد: ۳/۲۲۸. ابو داؤد شریف: ۱/۹۹، باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۸۲۔ ترمذی شریف: ۱/۵۴، باب ما جاء فی الصلوٰۃ خلف الصف وحدہ، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۲۳۰۔

ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: رآی رجلا یصلی خلف الصف وحدہ فامرہ ان یعید الصلوٰۃ: ایسا مقتدی جو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس

کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ ابراہیم نخعی، حسن بن صالح، امام احمدؒ اسحاق، حماد، ابن ابی لیلیٰ اور وکیع رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی نماز درست نہیں اور ان حضرات کی دلیل باب کی حدیث اور علی بن شیبان کی حدیث ہے جس کو ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے "رجلا یصلی خلف الصف فوقف حتی انصرف الرجل فقال له استقبل صلوٰتک فلاصلوٰۃ لمنفرد خلف الصف" ایسے ہی طبرانی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "ان النبی صلی اللہ علیه وسلم رآی رجلا یصلی خلف الصف وحده فقال اعد صلوٰتک" لیکن حسن بصری، اوزاعی، مالک وشافعی رحمہم اللہ اور علماء جمہور نے اس کی نماز کو جائز قرار دیا ہے ان حضرات کی دلیل بخاری وغیرہ کی روایت ابو بکرہؓ کی حدیث جیسا کہ آگے باب الموقف میں آرہی ہے "انه انتھیٰ الی النبی صلی اللہ علیه وسلم وھو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف ثم مشیٰ الی الصف فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیه وسلم فقال زادک اللہ حرصاً ولاتعد" کہ حضرت ابو بکرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو انھوں نے صف میں پہونچنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا پھر صف میں جا ملے بعد ازاں اس کا تذکرہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ طاعت وسبقت الی العبادۃ پر تیری حرص کو بڑھائے دوبارہ ایسا مت کرنا اس سے معلوم ہوا کہ رکوع انھوں نے صف سے باہر کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا اگر صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز جائز نہ ہوتی تو جو صف کے پیچھے نماز میں شامل ہوا اس کا نماز میں شمول ہی صحیح نہ ہوتا اور جب ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صف سے باہر نماز میں شامل ہونا صحیح ہوا تو مصلی کی پوری نماز صف سے باہر صحیح اور درست ہوگی۔

جمہور کی طرف سے امام احمدؒ وغیرہ کے مستدل کا جواب

(۱)......وابصہ اور علی بن شیبان وغیرہ کی احادیث ہمارے قول کے خلاف نہیں اس لئے کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادۂ صلوٰۃ کا حکم زجر و تنبیہ کے لئے دیا ہو کراہیت کا ارتکاب کرنے وجہ سے، نہ اس واسطے کہ اس کی نماز ہی نہ ہوئی جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اس کی مثال موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز لوٹانے کا حکم فرمایا اس نے نماز کو لوٹایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر اعادہ کا حکم فرمایا یہاں تک کہ اس نے کئی بار نماز کا اعادہ کیا۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "لاصلوٰۃ لمنفرد خلف الصف" اس بات کا بھی محتمل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لاوضوء لمن لم یسم" اور "لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد" کے مثل ہو جب کہ اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ جس نے بغیر بسم اللہ کے وضو کیا یا مسجد کے پڑوس میں ہوتے ہوئے گھر میں نماز پڑھ لی تو اس کی نماز نہیں ہوگی اور وہ غیر مصلی کی طرح ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے اگرچہ اس نے ارکان وسنن کو کامل طریقہ سے ادا نہیں کیا لیکن اس کی نماز ہوگئی مگر کامل نہیں ہوئی اسی طرح مصلی کے لئے مناسب یہ ہے کہ امام کے پیچھے صف میں داخل ہو کر نماز پڑھے اگر اس سے قاصر رہا تو اس نے برا کیا اور کراہیت کا ارتکاب کیا، لیکن اس کی نماز جائز ہوگی۔

(۳)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک میں اعادہ کا حکم دینا علی الاستحباب ہے نہ کہ علی الوجوب اور وابصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اضطراب ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں اختلاف ہے اور علی بن شیبان کی حدیث کے رجال غیر مشہور ہیں۔ (بذل المجہود: ۳۶۵/۴، التعلیق: ۲/۴۷، مرقاۃ: ۲/۸۳) ✿✿✿

بسم الله الرحمن الرحيم

باب الموقف

رقم الحديث:...... ١٠٣٨/ تا ١٠٤٨/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب الموقف﴾

نماز میں کھڑے ہونے کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ

﴿۱۰۳۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ فِیْ بَیْتِ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِیْ کَذٰلِكَ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهٖ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۹۷/۱، باب من یقوم عن یمین الامام بحذائه الخ، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۹۸۔ مسلم شریف:۲۶۰/۱، باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامه، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، حدیث نمبر:۷۶۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں رات گذاری، چنانچہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور اس طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے سے پھرا کر مجھ کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرلیا۔

تشریح: فعدلنی : یہاں عدلنی کو مشدد اور مخفف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جس کے معنیٰ گھمانے کے ہیں اور دوسرے **"من وراء ظھرہ کذالک"** کا بیان ہے اور **"الی الشق الایمن عدلنی"** کے متعلق ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کذالک کے اندر کاف مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی **"عدلنی عدلا مثل ذلک"** اور **"ذلک"** کا مشار الیہ وہ حالت ہے جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی تھی یعنی جس کو ابن عباسؓ نے بیان کے وقت پہلے ہاتھ سے بتایا تھا۔

مسائل وفوائد

حدیث پاک سے چند مسائل وفوائد معلوم ہوتے ہیں:

(۱)...... جماعت کے ساتھ نفل نماز کا جواز۔

(۲)...... جب مقتدی تنہا ہو تو امام کے دائیں جانب میں کھڑا ہو۔

(۳)...... مقتدی جب صرف ایک نابالغ بچہ ہو اس کے ساتھ بھی جماعت درست ہے۔

(۴)...... مقتدیوں میں جب ایک نابالغ بچہ ہو تو بالغین کی صف میں کھڑا ہوگا، اسلئے کہ جب اس کو امام کے ساتھ کھڑا ہونا درست ہے تو بالغین مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

(۵)...... عمل قلیل ویسیر نماز میں بضرورت جائز ہے۔

(۶)...... مقتدی کے لئے امام کے آگے سے گذرنے کا عدم جواز، اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو اپنے پیچھے سے گذارا جب کہ ان کو سامنے سے گذارنا بہت آسان تھا۔

(۷)...... نماز کا اس شخص کے پیچھے جائز ہونا جو امامت کی نیت نہ کرے اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز انفرادی طور پر شروع فرمائی تھی پھر ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی۔

(۸)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض تھی باقی امت پر فرض نہیں تھی تو یہ اقتداء المتنفل بالمفترض کے قبیل سے ہوا تو اس سے اقتداء المتنفل بالمفترض کا جواز ثابت ہوا۔ (مرقاۃ: ۳/۷۴)

مقتدی دو ہوں تو امام آگے کھڑا ہو

﴿۱۰۳۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَّسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ۔ ......رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۱۵، باب حدیث جابر، کتاب الزھد والرقاق، حدیث نمبر: ۳۰۱۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو میں بھی آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھما کر دائیں جانب کھڑا کرلیا، پھر جبار بن صخرؓ آئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہوگئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ایک ساتھ ہاتھ پکڑے اور ہمیں اپنے پیچھے کرلیا، یہاں تک کہ آپ نے ہم کو اپنے پیچھے کھڑا کرلیا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی اگر ایک ہو تو وہ امام کے داہنی طرف کھڑا ہو اور اگر ایک سے زائد مقتدی ہوں تو پھر امام کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوں۔

(مرقات:۳/۷۵)

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی اصلاح کی خاطر عمل قلیل کی گنجائش ہے۔

عورت صف میں کہاں کھڑی ہو

﴿۱۰۴۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔

(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۰۸، باب المرأة وحدها تكون صفا، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۷۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اور یتیمؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، اور ام سلیم ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔

تشریح: صلیت انا ویتیم: یتیم یا تو انکے بھائی ہیں یا ان کا نام ہی یتیم تھا۔

عورتوں کو مردوں سے پیچھے ہی کھڑا ہونا چاہئے چاہے ان کے سامنے ان کی اولاد اور بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں یتیم سے پہلے انا کا لفظ ذکر کیا گیا تا کہ بقول بصریین یتیم کا ضمیر مرفوع پر عطف کرنا صحیح ہو جائے۔

ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی کنیت ہے اسی کنیت سے وہ مشہور ہیں ان کا نام سہلہ ہے اس کے علاوہ بھی ان کے نام کے بارے میں چند اقوال ہیں:

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن وہ سب سے پیچھے صف لگا کر کھڑی ہوں گی جیسا کہ طبرانی کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" پس عورت کو مردوں سے پیچھے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اگر عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہوگئی، تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"فصففت انا ویتیم الخ" یہ مستدل ہے اس بات کا اگر مقتدی دو افراد ہوں تو ان کو امام کے پیچھے صف لگانا سنت ہے۔

و ام سلیم خلفنا: اسی سے ابن بطال نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ کوئی شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اس لئے کہ جب یہ صحت عورت کے لئے ثابت ہو چکی ہے، تو مرد کے لئے بدرجہ والی ثابت ہوگی یہی مذہب امام اعظم ابوحنیفہؒ مالکؒ شافعیؒ کا ہے جس کی تفصیل ما قبل میں گذر چکی ہے۔

(عمدی القاری: ۴/۳۶۴، فتح الملہم: ۲/۲۲۶)

عورت کو مرد کے پیچھے کھڑا کرنا

﴿١٠٤١﴾ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ٢٣٤/ ١، باب جواز الجماعة في النافلة، كتاب المساجد، حدیث نمبر: ٦٦٠۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان کی اماں یا کہا کہ ان کی خالہ کو نماز پڑھائی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی داہنی جانب کھڑا کیا، اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔

تشریح: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اگر امام کے علاوہ مقتدی ایک مرد ہے تو وہ امام کے داہنی جانب کھڑا ہوگا، اگر عورت بھی ہے تو وہ بہرصورت مردوں سے پیچھے ہی کھڑی ہوگی، عورتوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہی ہوگی، اگرچہ تنہا ہو، عورتوں کو نماز میں پیچھے کرنا واجب ہے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

﴿١٠٤٢﴾ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ

إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى إِلَى الصَّفِّ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً وَلَاتَعُدْ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۱۰۸/۱، باب اذا رکع دون الصف، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، چنانچہ ابو بکرہؓ صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے، پھر چل کر صف میں شامل ہو گئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری (اس نیک کام میں) حرص میں اضافہ کرے، لیکن پھر اس طرح نہ کرنا۔

تشریح: زادک اللہ حرصا و لاتعد: شیخ جزریؒ فرماتے ہیں "و لاتعد" تا کا فتحہ عین کا ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ عود سے مشتق ہے مطلب یہ ہے کہ آئندہ ایسامت کرنا اس کے مطلب میں چند احتمالات ہیں۔

(۱)......نماز کے اندر چلنے کی ممانعت مقصود ہے اگر چہ وہ ایک دوقدم ہی ہو، اور وہ مفسد صلوٰۃ بھی نہیں لیکن پھر بھی اس سے ممانعت فرمادی۔

(۲)......صف میں پہونچنے سے پہلے اقتداء کرنے سے ممانعت فرمائی۔

(۳)......صف میں پہونچنے سے پہلے رکوع کرنے سے ممانعت فرمائی۔

(۴)......ان تمام چیزوں سے ممانعت فرمائی، ظاہر یہی ہے۔

علماء جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا مکروہ غیر مبطل ہے، لیکن ابراہیم نخعی، حماد، ابن ابی لیلیٰ، وکیع اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ مبطل صلوٰۃ ہے،

حدیث الباب ان حضرات کے خلاف حجت ہے، اس لئے کہ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان صحابیؓ کو اعادہ کا حکم نہیں فرمایا اگر یہ مفسد صلوٰۃ ہوتا تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز درست ہی نہ ہوتی اور ان کو اعادہ کا حکم کیا جاتا۔

"ولا تعد" کے ذریعہ مستقبل میں ان کو اس سے بہتر طریقہ کی رہنمائی فرمائی کہ آئندہ ایسا مت کرنا اور یہ نہی تنزیہی ہے، نہ کہ تحریمی اگر نہی تحریمی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وجوباً ان کو اعادہ کا حکم فرماتے کیونکہ نہی تحریمی موجب فساد ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۷۷، التعلیق: ۲/۴۸)

نصیحت کا ادب

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو نصیحت کی جائے تو اولاً اس کی کوئی خوبی ذکر کر کے اس کو سراہا جائے پھر نصیحت کی جائے چونکہ صحابیؓ کے عمل سے رکعت پانے کی حرص ظاہر تھی اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً اس کو ذکر فرمایا اور اس کی زیادتی کی دعا دیکر اس کو سراہا اس کے بعد نصیحت فرمائی کہ آئندہ ایسا مت کرنا۔

﴿الفصل الثانی﴾

جماعت میں تین افراد ہوں تو ایک آگے رہے

﴿۱۰۴۳﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً اَنْ يَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف:۵۵/ ۱، باب ما جاء فی الرجل یصلی مع الرجلین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۲۳۳۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم تین ہوں، تو ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھ جائے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تین آدمی ہوں اور نماز پڑھیں تو جماعت سے نماز پڑھیں ایک آدمی امام بن جائے، اور آگے کھڑا ہو اور باقی دو آدمی مقتدی ہو کر پیچھے صف میں کھڑے ہوں۔

امام کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا

﴿۱۰۴۴﴾ وَعَنْ عَمَّارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ أَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ يُصَلِّيْ وَالنَّاسُ أَسْفَلُ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَأَخَذَ عَلٰى يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهُ عَمَّارٌ حَتّٰى أَنْزَلَهُ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ أَخَذْتَ عَلٰى يَدَيَّ۔ (رواہ أبوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۸۸/ ۱، باب الإمام یقوم مکانا أرفع من مکان القوم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۹۸۔

ترجمہ: حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے مدائن میں لوگوں کو نماز پڑھانے کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ نماز پڑھانے کی غرض سے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہوئے، اور مقتدی نیچے تھے، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے، اور انھوں نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع کی، یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بلند جگہ سے نیچے اتار دیا، جب حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے، تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کہ کیا تم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے تو وہ شخص مقتدیوں کی جگہ سے بلند پر کھڑا نہ ہو، یا اس کے مثل، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے اسی بنا پر تو آپ کی اتباع کی۔

تشریح: معلوم ہوا امام کا مقتدیوں سے ممتاز طریقہ پر بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے، اس کے برعکس امام تنہا نچلی جگہ میں ہو تو اس میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے، امام طحاویؒ کا قول یہ ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ عدم تشبہ کی وجہ سے یہ صورت مکروہ نہیں کیونکہ اپنے امام کو بلند جگہ پر کھڑا کرنا ان کی خصوصیت ہے، لیکن ظاہر روایت سے کراہت معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں امام کی تحقیر ہے، بدائع میں ہے کہ امام کا بلند مقام پر کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ مقتدی تمام کے تمام نیچے ہوں اور یہ صورت دو حال سے خالی نہیں یا تو امام بلند مقام پر ہوگا، اور قوم نیچے ہوگی، یا قوم بلند مقام پر ہو اور امام نیچے ہو، پھر ان کی بھی دو، دو صورتیں ہیں یا تو امام تنہا ہوگا، یا بعض مقتدیوں کے ساتھ ہوگا، ان میں سے بھی ہر ایک کی دو صورتیں ہیں امام یا تو حالت اختیاری میں ہوگا، یا حالت عذر میں، اگر امام حالت اختیاری میں تنہا اوپر ہو اور قوم ساری کی ساری نیچے ہو خواہ وہ جگہ قد آدم کی مقدار بلند ہو، یا اس سے کم،

ظاہر روایت کی رو سے ہر صورت مکروہ ہے، لیکن امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے جب تک قد آدم کی مقدار سے بلندی متجاوز نہ ہو مکروہ نہیں اس لئے کہ زمین کے اندر نشیب وفراز اتار چڑھاؤ ہوتا ہی ہے، اور قلیل مقدار میں ارتفاع وبلندی معاف ہے، لہٰذا ہم نے حد فاصل اس کو قرار دیا جو قد آدم سے متجاوز ہو امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ اگر قدم آدم سے کم ہو تو مکروہ نہیں، لیکن صحیح بات وہی ہے، جو ظاہر روایت سے معلوم ہوئی، بلندی مقام کی وہ مقدار جو مکروہ ہے۔

اس کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) قد آدم۔ (۲) ایک ذراع۔ (۳) وہ مقدار جس سے امتیاز اور فرق محسوس ہو، دوسرا قول معتمد علیہ ہے۔ (بذل المجہود: ۳۳۳/۱، مرقاۃ: ۷۷/۳)

امام کا تعلیماً اونچی جگہ پر تنہا کھڑا ہونا

﴿۱۰۴۵﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ سُئِلَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهُ وَقَالَ فِيْ آخِرِهِ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۲۵، باب الخطبة علی المنبر، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۱۷۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ جنگل کی جھاؤ کی لکڑی کا تھا، اس کو فلاں عورت کے آزاد کردہ فلاں شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا تھا، جس وقت وہ بن گیا اور رکھا گیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کا رخ کیا، اور تکبیر تحریمہ کہی، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت فرمائی اور رکوع کیا، لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رکوع کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کو اٹھایا، اس کے بعد الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا، پھر منبر پر واپس تشریف لائے، پھر قراءت فرمائی پھر رکوع فرمایا پھر رکوع سے سر مبارک اٹھایا پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ فرمایا، یہ بخاری کے الفاظ ہیں، اور بخاری ومسلم دونوں میں جو روایت ہے وہ اسی کے مانند ہے۔ البتہ اس کے اخیر میں ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگوں! میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تم لوگ میری پیروی کرو، اور میری نماز سیکھ لو۔

تشریح: اثل: جھاؤ پیلو۔

الغابة: مدینہ طیبہ کے ایک جنگل کا نام ہے، اور ایک شہر کا بھی نام ہے۔

عمله فلان: اس منبر کو بنانے والے مستری کا نام باقوم تھا۔

القهقری: الٹے پیر لوٹے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوگئے، تا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل وحرکت کو دیکھ لیں، اور چونکہ اس منبر پر سجدہ نہ کر سکتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے اتر کر زمین پر سجدہ فرمایا۔

اشکال: منبر شریف سے نیچے اترنا اوپر چڑھنا بظاہر عمل کثیر ہے جو مفسد صلوٰۃ ہے۔

جوابات: (۱)......اسلئے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح نماز فرض تھی، ایسی ہی نماز کی تعلیم بھی فرض تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس طرح کرنے کی اجازت تھی۔

(۲)......منبر سے اترنا چڑھنا عمل قلیل سے ہوا۔

(۳)......اس وقت تک عمل کثیر کی ممانعت نہ تھی۔

(۴)...... یہاں نماز مقصود نہیں تھی بلکہ صرف نماز کی تعلیم مقصود تھی۔

فائدہ: حضرات ائمہ اور حضرات معلمین کو چاہئے کہ عملی طور پر بھی نماز کی تعلیم دیا کریں۔

حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت

﴿۱۰۴۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجْرَةِ۔ (رواه أبوداؤد)

حوالہ: أبوداؤد شریف: ۱۶۰/۱، باب الرجل یأتم بالامام وبینھا جدار، حدیث نمبر:۱۱۲۶۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ میں نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی۔

تشـــــریـــح: حجرہ سے یا تو اصل حجرہ مبارکہ مراد ہے یا چٹائی کا حجرہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی کو کھڑی کر کے حجرہ کی شکل بنالیا کرتے تھے اسکے اور ایکسوئی کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مبارک کے پیچھے سے ہی اقتداء فرماتے تھے، اور حجرہ مبارکہ کی دیواریں بھی چھوٹی تھیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل حرکت معلوم ہوتی رہتی تھی۔

معلوم ہوا دونوں صورت میں اقتداء درست ہے اور امام اور مقتدیوں کے درمیان کسی دیوار وغیرہ کا حائل ہونا جب کہ امام کی آواز آرہی ہو اور اس کی نقل وحرکت معلوم ہو رہی ہو مانع اقتداء نہیں البتہ درمیان میں بڑا راستہ یا شہر وغیر حائل ہو تو جب تک صفوں کا اتصال نہ ہو اقتداء درست نہیں ہوگی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (بذل المجہود: ۲/۱۹۸)

﴿الفصل الثالث﴾

بچوں کی صف

﴿۱۰۴۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰی بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهُ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰی لَا اَحْسِبُهُ اِلَّا قَالَ اُمَّتِیْ۔ (رواه أبو داؤد)

حـواله: أبـوداؤد شـريف:۹۸، ۹۹/ ۱، بـاب مـقام الصبيان، كتاب الصلاة، حديث نمبر: ۶۷۷۔

ترجمه: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بیان کروں؟ پھر ابو مالکؓ نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قائم فرمائی، پہلے مردوں کی صف قائم کی، پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی صف بنائی، پھر ان کو نماز پڑھائی، پھر ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفصیل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ذکر کی، اور کہا کہ نماز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نماز اس طرح ہے" عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابو مالکؓ نے "هـكذا صـلاة" کے بعد "امتی" کا لفظ نقل کیا (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی نماز اس طرح ہے۔)

تشـريح: حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے اولاً بالغ مردوں کی صفیں ہوں ان کے پیچھے نابالغ بچوں کی صفیں ہونی چاہئیں۔

فـائده: (۱)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو مقتدیوں کی نگرانی نیز صفوں کی ترتیب کی نگرانی بھی کرنی چاہئے۔

(۲)...... حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات ائمہ اور حضرات معلمین کو نماز سکھانے کا اہتمام بھی کرنا چاہئے۔

امام کے قریب کھڑے ہونے کی اہمیت

﴿۱۰۴۸﴾ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي

الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِیْ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِیْ جَبْذَۃً فَنَحَّانِیْ وَقَامَ مَقَامِیْ فَوَاللّٰہِ مَا عَقَلْتُ صَلَاتِیْ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا ھُوَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ فَقَالَ یَا فَتیٰ لَایَسُوْءُکَ اللّٰہُ اِنَّ ھٰذَا عَھْدٌ مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْنَا اَنْ نَلِیَہٗ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ فَقَالَ ھَلَکَ اَھْلُ الْعَقْدِ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰہِ مَا عَلَیْھِمْ اٰسیٰ وَلٰکِنْ اٰسیٰ عَلٰی مَنْ اَضَلُّوْا قُلْتُ یَا اَبَا یَعْقُوْبَ مَاتَعْنِیْ بِاَھْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْاُمَرَآءُ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۹۲/۱، باب من یلی الامام ثم الذی یلیہ، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر: ۸۰۷۔

ترجمہ: حضرت قیس بن عبا درحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا، کہ اچانک ایک شخص نے مجھے پیچھے کھینچ کر ایک کونہ میں کردیا، اور وہ شخص میری جگہ پر کھڑا ہوگیا، اللہ کی قسم اس واقعہ کی بنا پر مجھے اپنی نماز کی سمجھ بھی نہیں رہی، جب نماز سے فراغت ہوگئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے جوان اللہ تعالیٰ تم کو رنج سے دور رکھے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عہد تھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہوں پھر وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے گویا ہوئے، رب کعبہ کی قسم ارباب حل وعقد ہلاک ہوے، آپ نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے، پھر آپ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے ارباب حل وعقد کا غم نہیں ہے، لیکن مجھے ان لوگوں کا غم ہے جن کو ارباب حل وعقد نے گمراہ کیا، میں نے کہا کہ اے ابو یعقوب ارباب حل وعقد سے آپ کن کو مراد لے رہے ہیں، حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا امراء مراد ہیں۔

تشریح: ماعقلت صلوٰتی: غصہ کی وجہ سے نماز کا کچھ پتہ نہ چلا جس

زمانہ کا یہ قصہ ہے، اس وقت نماز میں سلام وکلام کرنا جائز تھا، جو بعد میں ممنوع قرار دیدیا گیا۔

لا یسوءک اللہ: اللہ تجھے کوئی بری بات نہ دکھلائے یعنی تجھکو ناگواری ہوئی یہ نہ ہونی چاہئے۔

هلک اهل العقد: ذمہ دار لوگ (مراد امراء) ہلاک ہو گئے کہ اپنی ذمہ داری کو بھول گئے۔

نماز میں آتے ہیں پر انتظام نہیں کرتے کہ بچے پیچھے کھڑے ہوا کریں، بڑوں نے اپنا مقام (اگلی صفیں) چھوڑ دیا ہے، اور بچوں نے ان کی جگہ سنبھال لی۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا یہ فرمانا کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیں یہ وصیت ہے کہ ہم ان سے قریب رہیں یہ اشارہ ہے فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم "**لیلینی منکم اولو الاحلام والنهی**" کی طرف اس سے معلوم ہوا کہ قیس اہل عقل وشعور حضرات میں سے نہیں تھے، اسی لئے ان کو پیچھے کر دیا گیا۔ (مرقاۃ: ۳/۸۰، الفیض السمائی: ۱/۲۶۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الامامة

رقم الحدیث:...... ۱۰۴۹/ تا ۱۰۶۰/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب الامامة﴾

امامت کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

امامت کا حقدار

﴿۱۰۴۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِکِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ کَانُوْا فِیْ الْقِرَاءَةِ سَوَآءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ کَانُوْا فِیْ السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ کَانُوْا فِیْ الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَّلَایَؤُمَّنَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِهٖ وَلَایَقْعُدُ فِیْ بَیْتِهٖ عَلٰی تَکْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ وَلَا یَؤُمَّنَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ اَهْلِهٖ)

حـواله: مسـلـم شـريف: ۱/۲۳۶، بـاب مـن أحق بالامامة، كتاب المساجد، حديث نمبر: ۶۷۳.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے گا، جو ان میں کتاب اللہ زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر قرآن پڑھنے میں سب برابر ہوں، تو پھر وہ امامت کرے جو سنت سے زیادہ واقف ہو، اور اگر سنت سے واقفیت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر ان میں سے جس نے پہلے ہجرت کی ہو وہ امامت کرے، اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں، تو پھر ان میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کی حکومت (جائے اقتداء) میں امامت نہ کرے اور نہ اس کے گھر میں اس کی مخصوص بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے، الا یہ کہ وہ بیٹھنے کی اجازت دے دے۔ (مسلم) مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی اس کے گھر میں امامت نہ کرے۔

تشریح: اقرأهم لكتاب الله الخ : میں القرأة: سے اصح قول کے مطابق فقہ مراد ہے، گو بعض نے قرأت قرآن بھی مراد لیا ہے، مگر اس سے وہ فقیہ مراد ہے جو قرآن بھی اچھی طرح پڑھنا جانتا ہو۔

فاعلمهم بالسنة: حدیث شریف کو زیادہ جاننے والا۔

هجرة: اس زمانہ میں بہت اونچا عمل سمجھا جاتا تھا۔

في سلطانه: مقام سلطنت میں یعنی جس جگہ اس کا اقتدار و دبدبہ ہو اور عزت واحترام ہو۔

تكرمة: عزت کا مقام، اگر شاگرد کے یہاں بھی جاؤ تو اس کی تکرمۃ پر نہ بیٹھو تا آنکہ وہ خود اصرار کرے، اس کی دل شکنی کا خیال رکھو۔

في اهله: اہل سے مراد حلقہ ہے اور علاقہ۔

اختلاف ائمہ

امامت کا کون زیادہ مستحق ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قاری جو مسائل قراءت سے بخوبی واقف ہو امامت کا زیادہ مستحق ہے، اسی کے قائل امام ابو یوسفؒ، احمدؒ، اسحاقؒ، ابن سیرینؒ اور بعض شافعیہ حضرات ہیں انکا مستدل حدیث الباب ہے، لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ امام مالکؒ، شافعیؒ اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ایسا عالم وفقیہ جو قراءت "**بقدر ماتجوز به الصلاة**" بخوبی جانتا ہو، امامت کا زیادہ مستحق ہے، اور قاری کے بالمقابل اس کو ترجیح دی جائے گی، ان حضرات کا مستدل بخاری شریف میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت مرض میں ارشاد فرمایا "**مروا ابابكر يصلي بالناس**" حالانکہ اس وقت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں اقرأ موجود تھے، جیسے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ لہذا اگر امامت کا مستحق عالم وفقیہ کے مقابلہ میں قاری ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم نہ دے کر کسی بڑے قاری کو حکم دیتے۔

پس معلوم ہوا کہ اقرأ کے مقابلہ میں افقہ واعلم بالسنۃ مقدم ہے۔

جمہور کی جانب سے جواب: حدیث الباب کے علماء جمہور نے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(۱)......**اقرأهم لكتاب الله** : سے مراد "**اكثر كم قرآنا**" ہے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے، "**وليومكم اكثر كم قرآنا**" یعنی تم میں جو زیادہ حافظ قرآن ہو جس کو قرآن پاک زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں "**اقرأ**" کو اس لئے مقدم کیا

کہ اس زمانہ میں ''اقــرأ'' بھی افقہ ہوتا تھا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے بارہ سال میں سورۂ بقرہ کو یاد کیا، تو ''اقــرأ'' اس وقت میں "اعلم بالسنة والاحکام" ہوتا تھا، ہمارے زمانہ کی طرح صرف فن تجوید کو جاننے والا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سورت نازل نہیں ہوتی تھی، مگر ہم اس کے امر و نہی زجر و توبیخ اور حلال وحرام کو جان لیا کرتے تھے، گویا کہ '' اقرأ'' سے ''اعلم'' ہی مراد ہے، لیکن اس جواب پر اشکال ہوتا ہے۔

اشکال: جب اقرأ سے اعلم مراد ہے تو حدیث شریف میں تکرار لازم آئے گا، چنانچہ تقدیر عبارت ہوگی، "یوم القوم اعلمهم فان تساووا فاعلمهم؟

جواب: پہلے اعلم سے مراد صرف اعلم بالکتاب ہے، اور دوسرے سے "اعلم باحکام الکتاب والسنة" دونوں مراد ہیں اس صورت میں فرق واضح ہو جائے گا، اور تکرار لازم نہیں آئے گا۔

(۳)......قاری کو مقدم کرنا یہ ابتداء اسلام میں تھا، جب کہ حفاظ کی قلت تھی، چنانچہ عمرو بن سلمہ کو صغر سنی کے باوجود شیوخ پر مقدم کرنا اسی قلت کی بنیاد پر ہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت کا ہے، لہٰذا معمول بہا اسی کو بنایا جائے گا۔

(۴)......قراءت کی صرف ایک رکن یعنی قیام کے اندر ضرورت ہے، جب کہ علم کی تمام ارکان صلوٰۃ میں ضرورت ہے، حالانکہ کبھی مصلی کو وہ حالت پیش آجاتی ہے جو نماز کو فاسد کر دیتی ہے، اب اگر امام فقیہ اور عالم نہ ہو کر صرف قاری ہوگا، تو اس کو خبر بھی نہ ہوگی، جب کہ اس کی نماز فاسد ہو چکی، لہٰذا اقرأ پر اعلم و افقه ہی مقدم ہوگا، لیکن

امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ" میں مطلقاً اقرأ کومقدم کرنے پر دلیل ہے، علامہ ابن الھمامؒ نے اس کا جواب دیا ہے، کہ حدیث شریف میں اقرأ سے مراد افقہ القرآن ہے، پس جب وہ دونوں قرآن میں برابر ہوں گے، تو وہ فقہ کے اندر بھی برابر ہوں گے، پھر ایک فقہ بالسنۃ کے ذریعہ بڑھ جائے گا، اور جو فقہ بالسنۃ کے ذریعہ بڑھ جائے گا، وہی امامت کا حق دار ہوگا، لہٰذا امام نوویؒ کا یہ کہنا کہ حدیث شریف کے اندر اقرأ کو مطلقاً مقدم کرنے پر دلیل ہے صحیح نہیں، بلکہ اقرأ افقہ کو اپنے سے کم درجہ کے فقیہ قاری پر مقدم کرنے پر دلیل ہے۔

اور جب دونوں کتاب وسنت میں برابر ہوں تو امامت کا مستحق وہ ہوگا، جو ہجرت کے اعتبار سے مقدم ہوگا، یعنی جو فتح مکہ سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کر چکا ہو، پس جس نے پہلے ہجرت کی اس کی فضلیت وبزرگی اس کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی، جس نے بعد میں ہجرت کی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل" علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں آج ہجرت ختم ہو چکی ہے، اس لئے اس کی فضلیت موروثی ہے، لہٰذا مہاجرین کی اولادغیر مہاجرین پر مقدم ہوگی، لیکن ابن الملک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اب ہجرت معنویہ کا اعتبار رہوگا، اور ہجرت معنویہ معاصی سے اجتناب ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے "المھاجر من ھجر الخطایا والذنوب" مہاجر وہ ہے جو برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرلے یعنی ان کو چھوڑ دے، لہٰذا حقیقی ہجرت کے منسوخ ہونے کے بعد ہجرت معنویہ کو اس کی جگہ رکھتے ہوئے، اورع امامت کا زیادہ مستحق ہوگا، ورع نام ہے شبہات سے اجتناب کا اور تقویٰ نام ہے محرمات سے بچنے کا، پھر اگر وہ ورع کے اندر بھی برابر ہوں، تو امامت کا مستحق وہ ہوگا، جو عمر میں زیادہ ہے، ہمارے اصحاب فرماتے ہیں، پھر

اگر وہ عمر کے اندر بھی برابر ہوں، تو اس کو مقدم کیا جائے گا، جس کے عادات واخلاق عمدہ ہوں، پھر اگر اس میں مساوات پائی جائے، تو پھر احسن وجھاً کو پھر صوتاً کو پھر انظف ثوباً کو مقدم کیا جائے گا، پھر اگر ان چیزوں میں مساوات ہو تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی، یا قوم کو اختیار دیا جائے گا، جس کو وہ منتخب کرے وہی مقدم ہوگا، اگر ان میں اختلاف ہو تو اعتبار کثرت کا ہوگا۔(مرقاۃ:۳/۸۱، عمدۃ القاری:۴/۲۸۳، بذل المجہود:۱/۳۳۶، التعلیق:۲/۵۱، فتح الملہم:۲/۲۳۰)

ولایؤمن الرجل الرجل فی سلطانہ: یعنی ایک آدمی دوسرے آدمی کی سلطنت وملکیت اور ایسی جگہ میں امامت نہ کرے جہاں دوسرے کا حکم چلتا ہو، اسلئے کہ اس سے اسکی توہین وتنقیص لازم آئیگی، اور یہ قطع تعلق کا ذریعہ بنے گا، اسی طرح دوسرے کی قوم وخاندان میں امامت کرنے سے تو گویا اجتماع کے اغراض ومقاصد فوت ہو جائیں گے، خصوصاً عید وجمعہ کے موقع پر، ہاں البتہ اگر صاحب سلطنت وملکیت خود اجازت دے تو کوئی حرج نہیں، ایسے ہی کسی کی مسند یعنی خصوصی جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہئے کہ اس سے بھی بہت سے مصالح فوت ہو جاتے ہیں، اس سے بھی حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے، اگر صاحب مسند خود بیٹھائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

(مرقاۃ: ۳/۸۲، التعلیق: ۲/۵۲، فتح الملہم: ۲/۲۳۲)

امامت کا حقدار کون

﴿۱۰۵۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانُوْا ثَلَاثَۃً فَلْیَؤُمُّھُمْ

أَحَدُهُمْ وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَأُهُمْ۔ (رواه مسلم وذكر حديث مالك بن الحويرث في باب بعد باب فضل الاذان)

حواله: مسلم شریف: ۲۳۶/ ۱، باب من أحق بالامامة، كتاب المساجد، حديث نمبر: ۶۷۲.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کہ جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے ایک شخص ان کی امامت کرے، اور امامت کا زیادہ حقدار ان میں وہ شخص ہے جو اچھا قرآن پڑھتا ہو، حضرت مالک بن حویرث کی روایت اس باب میں نقل ہو چکی ہے جو ''باب فضل الاذان'' کے بعد ہے۔

تشریح: اذا کانوا الخ: جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے ایک امامت کرے، تین کا عدد اتفاقی ہے، ورنہ اگر دو لوگ ہوں یا تین سے زائد لوگ ہوں تو بھی ایک امامت کرے گا، بقیہ اقتداء کریں گے۔

احقھم بالامامۃ اقرأھم: اور امامت کا سب سے بڑا حقدار اقرأ ہے، لیکن اقرأ سے مراد ہمارے دور کے قاری نہیں، بلکہ اقرأ سے "اعلم بالکتاب" مراد ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں پہلے لوگ دینی علوم سیکھتے تھے، پھر قراءت قرآن کی طرف متوجہ ہوتے تھے، جو قاری قرآن ہوتا تھا، وہ قرآن کے احکام کا عالم بھی ہوتا تھا، لہٰذا اقرأ سے مراد صرف تجوید سے قرآن پڑھنے والا مراد نہیں ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

امامت کا مستحق

﴿۱۰۵۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاءُكُمْ۔ (رواه أبو داؤد)

حواله: أبو داؤد شريف: ۸۷/۱، باب من أحق بالامامة، كتاب الصلاة، حديث نمبر: ۵۹۰.

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کہ چاہئے کہ تمہارے لئے وہ لوگ اذان دیں جو تم میں بہترین لوگ ہوں، اور تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو پڑھے ہوئے ہوں۔

تشریح: اذان سے بہت اہم چیز وابستہ ہے، لہٰذا اذان دینے والا شخص نیک کردار اور اچھے اوصاف کا ہونا چاہئے۔

لیؤ ذن لکم خیار کم: تم میں جو نیک ہوگا، تو گناہ سے بھی محفوظ رہے گا، اور نیک آدمی وقت کا لحاظ رکھ کر بھی اذان دے گا۔

ولیو مکم قرائکم: اور امامت کا حقدار وہ ہے جو قرآنی علوم سے خوب واقف ہو۔

میزبان امامت کا زیادہ مستحق ہے

﴿۱۰۵۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ عَطِيَّةَ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ

اَلْحُوَيْرِثِ يَأْتِيْنَا اِلٰى مُصَلَّانَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا قَالَ اَبُوْ عَطِيَّةَ فَقُلْنَا لَهُ تَقَدَّمْ فَصَلِّهْ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلًا مِنْكُمْ يُصَلِّيْ بِكُمْ وَسَأُحَدِّثُكُمْ لِمَ لَا اُصَلِّيْ بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمُّهُمْ وَلْيَؤُمُّهُمْ رَجُلٌ مِّنْهُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُ اِقْتَصَرَ عَلٰى لَفْظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

حوالہ: أبوداؤد شریف:۸۸/ ۱، باب امامة الزائر، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۵۹۶۔ ترمذی شریف: ۸۲/ ۱، باب ما جاء فیمن زار قوماً، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۳۵۶۔نسائی شریف: ۹۰/ ۱، باب امامة الزائر، کتاب الامامة، حدیث نمبر:۷۸۶۔

ترجمہ: حضرت ابوعطیہ عقیلیؒ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث ہماری مسجد میں ہمارے پاس آکر حدیث بیان کرتے تھے، ایک دن نماز کا وقت ہوگیا حضرت ابو عطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے عرض کیا کہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے، حضرت مالک بن حویرثؓ نے فرمایا کہ اپنے میں سے کسی آدمی کو بڑھاؤ وہ تم کو نماز پڑھائے، اور میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ میں کیوں نماز نہیں پڑھا رہا ہوں، میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ’’جو شخص کسی قوم کے پاس ملاقات کے لئے جاوے، تو وہ ان کی امامت نہ کرے، بلکہ اس قوم میں سے ہی کوئی شخص اپنی قوم کی امامت کرے۔ (ابوداؤد) ترمذی، نسائی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے، لیکن انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر اکتفا کیا ہے۔

تشریح: بعض لوگ ایسے ہیں جن کو ہر حال میں حق تقدم حاصل ہے، خواہ وہ

اعلم واقرا ہوں یا نہ ہوں، جن لوگوں کو حق تقدم حاصل ہے، ان ہی میں سے ایک صاحب خانہ ہے، صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر مہمان خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کا کیوں نہ ہو امامت کا حقدار نہیں، البتہ اگر صاحب خانہ اجازت دیدے تو مہمان امامت کرسکتا ہے۔

اختلاف ائمہ: حضرت امام اسحٰق کے نزدیک اگر کوئی شخص دوسری مسجد یا دوسری قوم کے پاس جائے، اور ان کی امامت کرے تو یہ صحیح نہیں ہے، اگر چہ وہ لوگ اجازت دیدیں، جمہور کے نزدیک اگر اجازت دیدیں تو بلا کراہت صحیح ہے، اگر اجازت نہ دیدیں تب بھی صحیح ہوگی، البتہ خلاف اولی ہوگی۔

دلائل: حضرت امام اسحٰق دلیل پیش کرتے ہیں حدیث مذکور سے کہ حضرت مالک بن الحویرث نے اجازت کے باوجود امامت نہیں کی، اور حدیث مرفوع پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق منع فرمایا ہے۔

جمہور کی دلیل: جمہور دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابومسعودؓ کی حدیث سے کہ اس میں اذن قوم وصاحب بیت کی صورت میں اجازت دی گئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ شرائط امامت جب موجود ہیں تو پھر امامت صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

جواب: امام اسحٰق نے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں مالک بن الحویرث نے احتیاطاً امامت نہیں کی، نیز سد ذرائع کے لئے نہیں کی تاکہ دوسرا کوئی بغیر اجازت کے امامت نہ کرے، اور حدیث کے اطلاق کو دوسری حدیث سے عدم اذن کے ساتھ مقید کیا جائے گا، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔ (درس مشکوٰۃ:۲/۱۰۵)

نابینا کی امامت

﴿١٠٥٣﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ اُمِّ مَکْتُوْمٍ یَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ اَعْمٰی (رواه ابوداؤد)

حواله: أبو داؤد شريف: ٨٨/ ١، باب امامة الاعمىٰ، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ٥٢٥۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی امامت کے لئے مقرر فرمایا، حالانکہ وہ نابینا تھے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا تھے اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امام مقرر کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نابینا کی امامت درست ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ نابینا کی امامت پر تو اتفاق ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ نابینا کی امامت اولیٰ ہے یا بینا کی، شافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں دونوں برابر ہیں بعض لوگ جن میں حضرت امام غزالیؒ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ امامت اعمیٰ افضل ہے، اس لئے کہ اس کی نماز خشوع کے زیادہ قریب ہے، بینا کی بہ نسبت۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے ابن الملکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ نابینا کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب کہ جماعت میں ایسے شخص موجود ہوں جو کہ علم کے اعتبار سے نابینا پر فائق ہوں۔ (مرقاۃ، بذل)

ناپسندیدہ افراد کی نماز

﴿۱۰۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَاتُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰی یَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَیْهَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ کَارِهُوْنَ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

حواله: ترمذی شریف: ۸۲، ۸۳ / ۱، باب ماجاء فیمن أم قوماً وهم له کارهون، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۳۶۰۔

ترجمه: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تین لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی ہے۔

(۱)...... بھاگا ہوا غلام جب تک واپس نہ آجائے۔

(۲)......وہ عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔

(۳)......کسی قوم کا ایسا امام کہ قوم اس کو ناپسند کرتی ہو۔

تشریح: ثلاثة لاتجاوز صلوتهم: تین طرح کے لوگوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ لاتجاوز: کنایہ ہے عدم قبولت سے۔

العبد الآبق: غلام کے حکم میں باندی بھی شامل ہے، غلام یا باندی فرار ہو گئے ہوں تو ان کی نماز بارگاہ رب العزت میں اسی وقت شرف قبولت سے نوازی جائے گی، جب کہ وہ آقا کے پاس لوٹ آئیں۔

غلام کا آقا کے گھر سے بھاگنا بہت بڑا جرم ہے، لہٰذا شریعت کی نگاہ میں یہ شخص اس لائق بھی نہیں کہ اس کی نماز قبول کی جائے۔

وامرأة بانت الخ: کسی عورت کا شوہر ناراض ہے عورت کی بدخلقی وغیرہ کی بناء پر، اور رات گذارنے سے پہلے پہلے عورت شوہر کو راضی نہیں کر لیتی تو عورت کی بھی نماز قبول نہیں ہوتی۔

عورت اس وقت گنہگار ہوگی جب شوہر کی ناراضگی کا سبب جائز ہو، اگر ناراضگی بلا سبب ہے، یا کسی ناحق بات پر ہے تو گنہگار نہ ہوگی۔

وامام قوم الخ: امام کی نماز نامقبول اس وقت ہوگی جب قوم امام کو اس کی بدعت، جہالت، یا فسق و فجور کی بناء پر ناپسند کرتی ہو، اگر دنیوی عداوت کی بناء پر ناپسند کرتی ہو تو خود قوم گناہ گار ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۹۱، التعلیق: ۲/۵۲)

ناپسندیدہ امام کی نماز

﴿۱۰۵۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَاتُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْماً وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَی الصَّلَاةَ دِبَاراً وَالدِّبَارُ اَنْ يَأْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهٗ وَرَجُلٌ اِعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجة)

حواله: ابوداؤد شریف: ۸۸/ ۱، باب الرجل یؤم القوم وهم له كارهون، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۵۹۳۔ ابن ماجة: ۶۸، باب من ام قوماً وهم له كارهون، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۹۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”تین طرح کے لوگوں کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔

(۱)......وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے، اور قوم اس کو ناپسند کرے۔

(۲)......وہ شخص جو نماز کو مؤخر کر کے پڑھے، اور مؤخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وقت گذر جانے کے بعد پڑھے۔

(۳)......وہ شخص جو کسی آزاد شخص کو غلام بنالے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایسے لوگوں کی نشاندہی فرمائی ہے جن کے گناہ کے وبال کی بناء پر ان کی سب سے افضل عبادت نماز اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں۔

(۱) پہلا تو وہ امام ہے جس کی امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہیں، لیکن ناپسندید کی وجہ دنیوی عداوت نہ ہو، بلکہ دینی وجہ ہو، جیسا کہ گذرا۔

(۲)......جو شخص نماز کو بہت دیر سے پڑھے حتیٰ کہ اس کو قضاء کر دے یا جماعت فوت کر دے یا وقت مستحب نکال دے اس کی نماز بھی غیر مقبول ہے۔

(۳)......کسی آزاد آدمی کو زبردستی غلام بنالے یا اپنے آزاد کردہ غلام کو بھی غلام سمجھے حاکمانہ تصرف کرے، اس کی بھی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (التعلیق: ۲/۵۴، مرقاۃ: ۲/۹۲)

امامت سے بچنا

﴿۱۰۵۶﴾ وَعَنْ سُلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ

السَّاعَةِ اَنْ يَتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَايَجِدُوْنَ اِمَاماً يُصَلِّيْ بِهِمْ۔ (رواه احمد وابو داؤد وابن ماجة)

حواله: مسند أحمد: ٦/٣٨١ ـ أبوداؤد شريف: ١/٨٦، باب في كراهية التدافع على الامامة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ٥٨١ ـ ابن ماجة: ٦٩، باب مايجب على الامام، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ٩٨٢ ـ

ترجمه: حضرت سلامہ بن حر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد کے لوگ امامت سے گریز کریں'' وہ امام نہیں پائیں گے جو ان کو نماز پڑھائے۔

تشریح: اخیر زمانہ میں قیامت سے قبل نا اہلی اور جہالت اتنی عام ہوگی، کہ ہر کوئی نا اہل ہوگا، ہر طرف جہالت وظلمت کا دور دورہ ہوگا، مساجد میں لائق امام میسر نہ آئیں گے، ہر کوئی اپنی جہالت کی بناء پر اس ذمہ داری کو اپنے سر لینے سے گریز کرے گا، اور اپنے سر سے امامت کا بوجھ ہٹا کر دوسرے پر ڈالنا چاہے گا، اگر چند لوگ ہیں اور سب امامت کے لائق ہیں تو ان میں سے ایک کا دوسرے کو بڑھانا اور خود آگے بڑھنے سے سستی وکاہلی کی بناء پر پیچھے ہٹنا مکروہ ہے، لیکن کوئی کسی کو اس لئے آگے بڑھا رہا ہے کہ وہ اس سے افضل ہے تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے اور وہ اس حدیث میں داخل نہیں ہے کیونکہ وہ تو دوسرے کو افضل جان کر اپنے کو امامت سے پیچھے ہٹا رہا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو نماز کے احکام سیکھ کر امامت کا اہل بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (اعلاء السنن: ٤/٣٦٠، مرقاة: ١/٩٢)

فاسق کی امامت

﴿١٠٥٧﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِراً وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِراً وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِراً وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: أبو داؤد شريف: ٢/٣٤٣، باب في الغز ومع ائمة الجور، كتاب الجهاد، حدیث نمبر: ٢٥٣٣۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے اوپر جہاد واجب ہے، ہر امیر کے ساتھ خواہ وہ نیک ہو یا بد، اگر چہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو، اور تمہارے اوپر نماز واجب ہے ہر مسلمان کے پیچھے خواہ وہ نیک ہو یا بد اگر چہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو، اور مسلمان پر نماز جنازہ (فرض کفایہ کے طور پر) واجب ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اگر چہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: الجهاد واجب الخ: جہاد کسی حالت میں فرض عین ہوتا ہے اور کسی حالت میں فرض کفایہ، یہاں واجب سے مراد فرض عین ہے ہر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہئے، اگر چہ وہ کبائر کا مرتکب کیوں نہ ہو۔

و الصلاة الخ: اسی طرح ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا واجب ہے، یہاں واجب سے مراد جواز ہے، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا جائز مع الکراہت ہے بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچا ہو، البتہ نیک بخت آدمی کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہ کرنی چاہئے۔

و الصلاة الخ: جنازہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے، خواہ نیک ہو یا بد، اس

سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا اور نہ وہ اسلام سے نکلتا ہے، جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ مرقات:۳/۸۶، التعلیق:۲/۵۴)

﴿الفصل الثالث﴾

نابالغ کی امامت

﴿۱۰۵۸﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ سَلْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرِّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَالِلنَّاسِ مَالِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُوْنَ يَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهُ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَوْحىٰ اِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَاَنَّمَا يُغْرٰى فِيْ صَدْرِيْ وَكَانَتْ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اُتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهُ فَاِنَّهُ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ اَبِيْ قَوْمِيْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتْ اِمْرَاَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ

بِشَيْءٍ فَرَجِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔ رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۶۱۵، ۲/۶۱۶، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۳۰۲۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ پانی کے کنارے لوگوں کی گذرگاہ پر رہتے تھے، جو قافلہ ہمارے پاس سے گذرتا تھا، ہم اس سے دریافت کرتے تھے کہ لوگوں کے لئے جوئی بات ظاہر ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ اور لوگوں کے لئے جوئی بات ظاہر ہوئی ہے وہ کیا ہے اس آدمی کا کیا حال ہے لوگ بتاتے تھے وہ شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی بھیجتے ہیں، قرآن سنا کر بتاتے ہیں کہ اس طرح کی اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس کلام کو اس طرح یاد کرلیتا تھا گویا وہ کلام میرے سینے میں جم جاتا تھا، عرب اسلام لانے کے لئے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ اس شخص کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دو، اگر وہ اپنی قوم پر غالب آجاتا ہے تو سچا نبی ہے، چنانچہ مکہ کے فتح کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں سبقت کی، میری قوم میں اسلام لانے میں میرے والد نے قوم پر سبقت کی، چنانچہ جب مدینہ سے واپس تشریف لائے تو انھوں نے کہا کہ میں بخدا سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں فلاں نماز پڑھو، اور فلاں وقت میں فلاں نماز پڑھو، اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے، اور تم میں سے جو قرآن زیادہ جاننے والا ہو، وہ امامت کرے، چنانچہ لوگوں نے غور کیا تو مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قافلہ والوں سے قرآن سیکھا کرتا تھا، چنانچہ لوگوں نے مجھے اپنے آگے کردیا، حالانکہ میں اس وقت چھ یا سات سال کا بچہ تھا، میرے جسم پر صرف ایک چادر تھی، جب میں سجدہ میں جاتا تو وہ چادر سرک جاتی تھی، قوم کی ایک

عورت نے کہا کہ تم لوگ اپنے امام کی سرین ہمارے سامنے کیوں نہیں ڈھانکتے ہو، لہٰذا لوگوں نے ایک کپڑا خریدا اور میرے لئے کرتا بنوایا، مجھے جتنی خوشی اس سے ہوئی کسی اور چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

تشریح: حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھ سات سال کے بچے تھے، لیکن چونکہ قرآن سب سے زیادہ یاد تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''کہ تم میں جس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ'' کے مطابق عمل کرتے ہوئے لوگوں نے عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا حدیث کے اس جزء سے نابالغ کی امامت کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔

فرائض میں نابالغ کی امامت

حضرت امام شافعیؒ و حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک نابالغ بچہ کی امامت صحیح ہے، بشرطیکہ وہ ممیز ہو۔

دلیل: حدیث باب ان کی دلیل ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ سات سال کی عمر میں امامت فرمائی۔

جمہور کا مذہب: جمہور علماء و ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بلوغ سے پہلے کسی کی امامت صحیح نہیں ہے، اگر چہ وہ صبی ممیز کیوں نہ ہو۔

دلیل: (۱)......حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے **''لایؤم الغلام حتی یحتلم''** بلوغت سے پہلے لڑکا امامت نہیں کر سکتا۔

(۲)......حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے **''لایؤم الغلام الذی لاتجب علیه الحدود''** وہ لڑکا امامت نہ کرے جس پر حدود واجب نہیں۔

(۳)......صبی پر نماز فرض نہیں ہے، لہٰذا اس کی نماز نفل ہوگی، ایسی صورت میں فرض نماز پڑھنے والوں کی نماز نفل پڑھانے والے کے پیچھے درست ہو جائے؟ ممکن نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''الامام ضامن'' اور شئی اپنے سے مافوق چیز کو متضمن ہو نہیں سکتی، لہٰذا ''اقتداء المفترض خلف المتنفل'' صحیح نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کے استدل کا جواب: (۱)......جواب یہ ہے کہ حضرت امام احمدؒ وحسن بصریؒ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

(۲)......دوسری بات یہ ہے کہ یہ حضرات نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ابتدائی نماز پڑھ رہے تھے، ان کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو اس کو امام بنایا جائے احکام نماز وامامت سے ناواقف تھے، بنابریں ان کو امام بنانا یہ ان کا اجتہاد تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی تقریر نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کا ستر کھل جانے کے باوجو نماز پڑھاتے رہے، اگر اس سے صبی کی امامت پر استدلال کیا جائے تو کاشف عورت کی امامت ونماز کی صحت پر استدل صحیح ہونا چاہئے، حالانکہ وہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔ (درس مشکوۃ: ۱۰۶/۲، مرقاۃ: ۲/۹۵)

نوافل میں نابالغ کی امامت

نابالغ نوافل میں امامت کرسکتا ہے کہ نہیں؟ جو لوگ فرائض میں نابالغ کی امامت کے عدم جواز پر متفق تھے، نوافل میں صبی ممیز کے امامت کے سلسلہ میں ان میں اختلاف ہو رہا ہے، امام ابو حنیفہؒ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: (۱) جواز کی۔ (۲) عدم جواز کی۔

مشائخ بلخ نے تراویح اور نوافل میں نابالغ کی امامت کو جائز قرار دیا ہے، امام محمدؒ کی رائے بھی یہی ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ اور علماء بخاری وغیرہ کے نزدیک نابالغ کی امامت نوافل میں بھی درست نہیں اسی کو ترجیح حاصل ہے، اس لئے کہ نفل نماز شروع کرنے سے بالغین پر واجب ہو جاتی ہے۔ (درس مشکوۃ، تاتارخانیہ، شامی)

آزادی پانے والے شخص کی امامت

﴿۱۰۵۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِیْنَةَ کَانَ یَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ وَفِیْهِمْ عُمَرُ وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الْاَسَدِ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۹۶، باب امامة العبد والمولی، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۹۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جو پہلے مہاجرین مدینہ آئے ان کی امامت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ شخص حضرت سالمؓ کیا کرتے تھے، حالانکہ ان میں حضرت عمرؓ اور ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ بھی تھے۔

تشریح: سالم مولی ابی حذیفه: یہ حضرت سالم بن معقلؓ ہیں ابو حذیفہ کے آزاد کردہ شخص فارسی النسل تھے جلیل القدر صحابی اور گنے چنے قراء میں ان کا شمار ہے، ان کو قرآن کریم بہت حفظ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قرآن کا پڑھنا چار لوگوں سے سیکھو وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ ہیں، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں حضرت

سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ کا امامت کرنا ان لوگوں کے مذہب کی بہت مضبوط دلیل ہے، جو اقرأ کو افقہ پر مقدم رکھتے ہیں۔

حدیث باب کا جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا یعنی اعلم کو امام بنایا یہ اس سے بھی مضبوط دلیل ہے، اعلم کے اقراء پر مقدم ہونے کی، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنانے میں کچھ اور مصلحت رہی ہو، علاوہ ازیں حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں اعلم نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود فضل وکمال اور علم وعمل میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان ممتاز مقام کے حامل تھے۔ (مرقاۃ:۲/۹۵)

فائدہ: حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام ہے، جس کو مولیٰ کہا جاتا ہے تو اس کی امامت بالاتفاق درست ہے۔

ناپسندیدہ امام کی امامت

﴿۱۰۶۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَاتُرْفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَّاِخْوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجة: ٦٩، باب من ام قوما وهم له كارهون، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر: ٩٧١.

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" تین لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی ہے۔(۱) وہ آدمی جو کسی قوم کی امامت کرے اور قوم اس کو ناپسند کرتی ہو۔(۲) وہ عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ (۳) وہ دو بھائی جو آپس میں تعلقات منقطع کرنے والے ہوں۔

تشریح: اس حدیث میں بھی تین طرح کے لوگوں کے بارے میں یہ بیان ہے کہ ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی اول الذکر دونوں کا گذشتہ حدیث میں ذکر آچکا ہے، حدیث باب میں تیسرے طبقے کے ذکر میں ان دو بھائیوں کا ذکر ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات ترک کرنے والے ہوں اتنی ناراضگی ہو کہ سلام دعاء بند ہو جائے، اور تین دن سے زائد اسی عالم میں گذر جائے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوتا ہے، اس ناراضگی کی بناء پر انکی نمازیں بھی قبول نہیں کرتا، لیکن اگر کسی کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی رضاء کی بناپر ہے تب یہ حکم نہیں، بلکہ کمال ایمان کی دلیل ہے۔ (مرقاۃ:۲/۹۵، التعلیق:۲/۵۵)

بسم الله الرحمن الرحيم

باب ما على الامام

رقم الحدیث:...... ۱۰۶۱ تا ۱۰۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب ما علی الامام﴾

امام پر لازم چیزوں کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

امامت میں مقتدیوں کی رعایت

﴿۱۰۶۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَا صَلَّیْتُ وَرَآءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلَاۃٍ وَلَا اَتَمَّ صَلَاۃٍ مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَانَ لَیَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَیُخَفِّفُ مَخَافَۃَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّہٗ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۹۸/۱، باب من أخف الصلاۃ عند بکاء الصبی، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۰۸. مسلم شریف:۱۸۸/۱، باب امر الأئمۃ بتخفیف الصلوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۴۶۹۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی کسی امام

کے پیچھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز نہیں پڑھی، اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچے کی رونے کی آواز سن لیتے تو اس اندیشہ سے نماز ہلکی کردیتے کہ کہیں اس کی ماں تشویش میں نہ پڑ جاوے۔

تشـــریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پوری طرح مکمل اورتام ہونے کے باوجود ہلکی ہوتی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حد سے زیادہ نہ قراءت فرماتے تھے، اور نہ زیادہ تسبیحات پڑھتے تھے، اور قراءت میں بے محل مد و شد نہیں کرتے تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت بے تکلف اور ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہلکی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قراءت ہلکی بقدر مسنون ہوتی تھی، اور رکوع وسجود اور تعدیل ارکان میں کمی نہ آتی۔

بہرحال حنفی مسلک میں یہ ہے کہ امام کے لئے مناسب نہیں ہے کہ قراءت وتسبیحات اور دعاؤں میں ایسی طوالت کرے جس سے مقتدی اکتا جائیں، اور محض لوگوں کی اکتاہٹ کے خوف سے امام کو یہ بھی نہیں چاہئے کہ قراءت اور تسبیحات میں اس تعداد سے کمی کرے جو اقل سنت ہے۔(التعلیق:۲/۵۵، مرقاۃ:۲/۹۴)

وان کان لیسمع بکاء الصبی: جماعت میں عورت شریک ہوتی اور اس کا بچہ رونے لگتا تو بچہ کا رونا ماں پر شاق گذرے گا، اور بے چینی کی بناء پر نماز کا ذوق ختم ہوجائے گا، لہٰذا ماں کی رعایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قراءت ہلکی کردیتے تھے۔(التعلیق:۲/۵۶، مرقاۃ:۲/۹۶)

آنے والے کے انتظار میں امام کا رکوع لمبا کرنا

یہاں سے ایک مسئلہ نکلتا ہے وہ تطویل الرکوع للجائی: وہ یہ ہے کہ امام رکوع

میں ہے اور وہ نماز میں شرکت کی غرض سے آنے والے کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہے تو کیا اس غرض سے کہ یہ آنے والا رکوع میں شریک ہوکر رکعت پالے امام رکوع کو لمبا کرسکتا یا نہیں؟۔ علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض شوافع کے نزدیک کسی کے ادراک رکوع کی خاطر امام کو اپنے معمول سے رکوع لمبا کرنا جائز ہے، کیونکہ ماں کی پریشانی کی خاطر نماز کو مختصر کرنا جائز ہے، تو عبادت کی خاطر نماز کو دراز کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، اور یہی امام شعبیؒ اور حسنؒ بصری کی رائے ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہؒ اور اکثر شوافع کے نزدیک یہ صورت ناجائز ہے، بلکہ امام صاحب سے مروی ہے "انی اخشیٰ علیه امراً عظیماً ای شرکاً"۔

جواب: باقی فریق اول نے بکاءِ صبی کی بناء پر اختصار پر جو قیاس کیا وہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ اختصار میں قوم پر مشقت نہیں اور تطویل میں مشقت ہے، نیز اختصار میں غیر صلوٰۃ کو صلاۃ میں داخل کرنے کا شبہ نہیں، اور تطویل میں غیر صلوٰۃ کو صلوٰۃ میں داخل کرنے کا شبہ ہے، بناء بریں پہلی صورت جائز ہے، دوسری صورت جائز نہیں۔

(درس مشکوٰۃ:۲/۱۰۷، مرقاۃ:۲/۹۶، التعلیق:۲/۵۶)

مقتدیوں کی رعایت میں نماز میں تخفیف

﴿۱۰۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَدْخُلُ فِی الصَّلَاۃِ وَاَنَا اُرِیْدُ اِطَالَتَھَا فَاَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلَاتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّۃِ وَجْدِ اُمِّہٖ مِنْ بُکَائِہٖ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف :۹۸/ ۱ ، باب من أخف الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر :۷۰۷.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں نماز شروع کرتا ہوں، اور اس کو طول دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، کیوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کتنا شدید رنج لاحق ہوتا ہے، اس کو میں بخوبی جانتا ہوں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی خوب رعایت فرماتے تھے، لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا لیکن اگر جماعت میں شریک عورت کا بچہ رونے لگتا تو عورت کی پریشانی کے خیال سے نماز مختصر کر دیتے تھے۔

فاتجوز فی صلوتی: نماز میں تخفیف کی دو صورت ہیں:

(۱)...... وہ تخفیف جو ہر امام سے مقتدیوں کے احوال کے پیش نظر مطلوب ہے، یہ تخفیف امام کا وظیفہ ہے، اسی کے مطابق نماز پڑھانا چاہئے۔

(۲)...... کسی خصوصی احوال اور عارض کی بناء پر تخفیف کرنا۔

حدیث باب سے اسی دوسری قسم کی تخفیف کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً اصول تخفیف کے ساتھ نماز ہو رہی تھی کہ درمیان میں کوئی ایسی بات پیش آ گئی جو خصوصی تخفیف کی طالب ہے، مثلاً صحن مسجد میں نماز ہو رہی تھی اور درمیان نماز بارش آ گئی وغیرہ۔

امام کو تخفیف کا حکم

﴿۱۰۶۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْہِمُ السَّقِیْمَ وَالضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَاشَاءَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۹۷، باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۰۳۔ مسلم شریف: ۱/۱۸۸، باب أمر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں جب کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو چاہئے کہ نماز ہلکی پڑھائے، اس وجہ سے کہ مقتدیوں میں بیمار، کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی مقتدیوں کی رعایت کے پیش نظر امام کو تخفیف کی ہدایت دی گئی ہے، کہ نماز ہلکی پڑھائے اس وجہ سے کہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جو شخص اکیلا اپنی نماز پڑھ رہا ہے، اس پر چونکہ دوسروں کا خیال رکھنے کی ذمہ داری نہیں اس لئے وہ اپنی نماز کو جس قدر طویل پڑھنا چاہے پڑھے۔

اور اسی طرح جب مقتدی نماز کا گہرا شغف اور حضور قلب رکھنے والے ہوں کہ لمبی نماز سے گھبراتے نہ ہوں اور ان میں کوئی بیمار یا ناتواں یا بوڑھا نہ ہو تو بھی امام جتنی چاہے لمبی نماز پڑھائے۔ (مرقاۃ: ۲/۹۷)

ایضاً

{۱۰۶۴} وَعَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَجلًا قَالَ واللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَاصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۹۷/ ۱، باب تخفيف الامام فی القيام، كتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۰۳۔ مسلم شریف: ۱۸۸/ ۱، باب أمر الائمة بتخفيف الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۶۶۔

ترجمه: حضرت قیس بن حازم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضرت ابو مسعودؓ نے بتایا کہ ایک شخص نے عرض کیا خدا کی قسم اے اللہ کے رسول! میں فجر کی نماز میں فلاں شخص کی طویل قرأت کی بنا پر پیچھے رہ جاتا ہوں، ابو مسعودؓ نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نصیحت کے موقعہ پر اس دن سے زیادہ غصے میں نہیں دیکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے لوگو! بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے، تو اس کو چاہئے کہ نماز میں تخفیف کرے، کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، عمر رسیدہ اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امام کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، مسنون مقدار سے زیادہ لمبی لمبی قراءت نہ کرے۔

ان منكم منفرين: جماعت سے نماز پڑھنے کی غرض لوگوں کا جمع کرنا ہے، اب اگر کوئی اتنی لمبی قراءت کر رہا ہے کہ لوگ جماعت میں شرکت سے عاجز ہیں، اور جماعت ٹوٹ رہی ہے تو یہ عمل نہایت غیر مناسب ہے، اور جماعت کے مقصد کے خلاف ہے،

اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، اتنی طویل قراءت کرتے ہیں کہ لوگ جماعت سے بیزار ہو رہے ہیں، ان کو اپنے عمل کی اصلاح کرنا چاہئے، اور ہلکی نماز پڑھانا چاہئے، کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۹۷، التعلیق: ۲/۵۶)

خطا کار امام کا وبال

﴿۱۰۶۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَكُمْ وَاِنْ اَخْطَأُوْا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ ۔ (رواہ البخاری وھذا الباب خال عن الفصل الثانی)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۶/۱، باب اذا لم یتم الامام واتم من خلفه، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ائمہ تم کو نماز پڑھائیں گے، پس اگر وہ ٹھیک طور پر نماز پڑھتے ہیں تو تمہارے حق میں نفع کی بات ہے، اور اگر وہ غلطی کرتے ہیں، تو اس میں تمہارا نفع ہے، اور ان کا نقصان ہے۔

تشریح: امام اگر درست نماز پڑھا رہا ہے تو امام اور مقتدی دونوں کے حق میں یہ چیز نافع ہے، لیکن اگر امام کی نماز میں کمی کوتاہی ہے تب اس کی خطاء کا وبال امام پر ہوگا، مقتدی پر نہ ہوگا، جس کا حاصل یہ ہے جب ظالم جابر حکمراں پیدا ہوں اور وہ نماز کو مکمل آداب کی

رعایت کے ساتھ نہ پڑھیں، تو تم اپنے طور پر درست نماز ادا کرتے رہو، اور مقتدی ہونے کی حیثیت سے اپنی نماز میں کوتاہی نہ کرنا ان کے وبال کا اثر تمہارے اوپر نہ آئے گا، تمہاری نماز عنداللہ مقبول ہوگی۔ (مرقاۃ:۲/۹۷، التعلیق:۲/۵۶)

﴿الفصل الثالث﴾

نماز میں مختصر قرأت کا حکم

﴿۱۰۶۶﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ آخِرُ مَا عَہِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْماً فَاَخِفَّ بِہِمُ الصَّلَاۃَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اُمَّ قَوْمَکَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَیْئاً قَالَ اُدْنُہْ فَاَجْلَسَنِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ وَضَعَ کَفَّہٗ فِیْ صَدْرِیْ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَہَا فِیْ ظَہْرِیْ بَیْنَ کَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَکَ فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْہِمُ الْکَبِیْرَ وَاِنَّ فِیْہِمُ الْمَرِیْضَ وَاِنَّ فِیْہِمُ الضَّعِیْفَ وَاِنَّ فِیْہِمْ ذَا الْحَاجَۃِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ وَحْدَہٗ فَلْیُصَلِّ کَیْفَ شَاءَ)

حوالہ: مسلم شریف:۱۸۸/۱، باب أمر الائمة بتخفيف الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۴۶۸۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نصیحت فرمائی تھی، وہ یہ تھی کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو ان کو ہلکی نماز پڑھاؤ۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دل میں کچھ پاتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ قریب ہو جاؤ، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنے سامنے بٹھالیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر دونوں چھاتیوں کے درمیان رکھا، پھر فرمایا کہ گھوم جاؤ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو میری پیٹھ پر میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو، جو شخص کسی قوم کی امامت کرے تو اس کو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے، اس وجہ سے کہ ان میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اوران میں مریض بھی ہوتے ہیں، اوران میں کمزور بھی ہوتے ہیں، اوران میں ضرورت مند بھی ہوتے ہیں، جب تم میں سے کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو وہ جیسے چاہے نماز پڑھے۔

تشریح: اس حدیث کا بھی ماحصل یہی ہے کہ امام کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، چونکہ مقتدیوں میں کمزور بوڑھے ضرورت مند ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

انی اجد فی نفسی شیئا: اپنے دل میں ایک چیز پاتا ہوں، یعنی یا تو یہ خلجان محسوس کرتا ہوں کہ امامت کے فرائض ٹھیک طرح ادا کر پاؤں گا یا نہیں یا یہ کہ کسی اور طرح کا وسوسہ اپنے اندر پا رہا ہوں، اور یا یہ کہ اس بات کا خوف محسوس کر رہا ہوں کہ امامت کے وقت عجب وکبر میرے اندر نہ آجائے، بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اندر

جس علت کو بھی محسوس کیا ہو اس کے دفعیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سینہ اور ان کی پیٹھ پر پھیرا، اور دست مبارک کی برکت سے وہ علت دفع ہوئی۔

فاذا صلی احدکم وحده: جب آدمی تنہا نماز پڑھے تو اس کو اختیار ہے کہ لمبی نماز پڑھے یا مختصر پڑھے۔

لیکن علماء نے لکھا کہ تنہا نماز پڑھنے والے کا لمبی نماز پڑھنا افضل ہے، اور جب امام بن کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے ہلکی نماز پڑھانا افضل ہے۔

لیکن آج کل اماموں کا جو حال ہے، وہ تو اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے، وہ جب امامت کرتے ہیں، تو بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں، اور جب تنہا نماز پڑھتے ہیں تو بس اتنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جس سے نماز درست ہو جائے۔

تخفیف کا حکم

﴿۱۰۶۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ۔ (رواه النسائی)

حوالہ: نسائی: ۹۴/۱، باب الرخصة للامام فی التطویل، کتاب الامامة، حدیث نمبر: ۸۲۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تخفیف کا حکم فرماتے تھے، اور خود ہماری امامت فرماتے تھے تو سورہ "الصافات" پڑھاتے تھے۔

تشــریح: اس حدیث میں دو باتیں ہیں، ایک تو ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دینا، اور دوسرے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کی نماز میں سورۂ صافات کی قراءت کرنا جو ایک بڑی سورت ہے، دونوں میں بظاہر منافات ہے۔

جــواب: تخفیف کے حکم کے باوجود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لمبی قراءت فرماتے تھے، اس کی چند وجوہات ہیں:

(۱)..... حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی خصوصیت کو بیان کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے سے وقت میں بہت سی آیتوں کی قرات کر لیتے تھے، اور یہ خصوصیت دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۲)..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی کبھی بیان جواز کے لئے کیا ہے۔

(۳)..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل قراءت سے قوم کو اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے لوگوں کو لذت ملتی تھی، اور کمزور سے کمزور شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے اپنے کو توانا محسوس کرتا تھا، اور ہر ایک اس بات کا آرزومند ہوتا تھا کہ پوری عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے ہوئے گذر جائے، ایسے حالات میں طویل قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور آج بھی یہی حکم ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۹۸، التعلیق: ۲/۵۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ما علی المأموم من المتابعۃ وحکم المسبوق

رقم الحدیث:...... ۱۰۶۸؍ تا ۱۰۸۱؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب ما علی الماموم من المتابعة وحكم المسبوق﴾

مقتدی کو امام کی پیروی کرنے اور مسبوق کے حکم کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

مقتدی کے لئے امام کی متابعت

﴿١٠٦٨﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ اَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ١١٢/١، باب السجود علی سبعة، کتاب

الاذان، حدیث نمبر:۸۱۱۔مسلم شریف: ۱/۱۸۹، باب متابعۃ الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۷۴۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب "سمع اللہ لمن حمیدہ" کہتے، تو جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی زمین پر نہیں رکھتے تھے، اس وقت تک کہ ہم میں سے کوئی اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا۔

تشریح: مقتدی کے لئے امام کی اتباع لازم ہے امام کے کسی رکن کے ادا کرنے سے پہلے مقتدی کیلئے اس رکن کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہونا درست نہیں ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی رکن کی ادائیگی کے لئے متوجہ ہوتے تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس رکن کو ادا کرتے۔

لم یحن احدمنا ظهره: کوئی ہم میں پیٹھ نہیں جھکاتا تھا، مطلب یہ ہے کہ ہم رکوع سے جب قومہ میں کھڑے ہوتے تو اس وقت تک قومہ میں ہی رہتے جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں چلے نہ جاتے۔

اتباع کی قسمیں

مقتدی کے لئے امام کی متابعت کی دو صورتیں ہیں:

(۱)......متابعت بطریق مقارنت، اسکا مطلب یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ نماز کے ارکان ادا کرے کہ امام رکوع میں جانا شروع کرے تو مقتدی بھی شروع کرے اسی طرح دیگر ارکان۔

(۲)......متابعت بطریق معاقبت: اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی امام کے فعل کے بعد متصلا اس فعل کو ادا کرے یعنی مقتدی امام کی پیروی اس کے ساتھ نہ کرے بلکہ قدرے تاخیر کے ساتھ کرے۔ حدیث باب میں جس متابعت کا ذکر ہے یہ وہی دوسری والی متابعت ہے۔

البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقارنت افضل ہے "انما جعل الامام لیوتم به" حدیث کیوجہ سے جیسا کہ آگے آرہی ہے، اور چونکہ مقارنت کی صورت میں اتباع کامل و مکمل ہوتی ہے، لہذا متابعت بطریق مقارنت افضل ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک متابعت بطریق معاقبت افضل ہے۔ (التعلیق: ۵۷، ۲/۵۸، مرقاۃ: ۲/۹۸)

امام پر سبقت کی ممانعت

﴿۱۰۶۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰی صَلَاتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ اِمَامُکُمْ فَلَاتَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّکُوْعِ وَلَابِالسُّجُوْدِ وَلَابِالْقِیَامِ وَلَابِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۹، باب تحریم سبق الامام بالرکوع والسجود اونحوھا، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۲۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے

فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا! بلا شبہ میں تمہارا امام ہوں، تم مجھ سے رکوع میں سبقت نہ کرو، اور نہ سجدہ مجھ سے پہلے کرو، نہ مجھ سے پہلے کھڑے ہو، اور نہ مجھ سے پہلے سلام پھیرو، بے شک میں تم کو سامنے سے بھی دیکھتا ہوں، اور میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشـــریح: مقتدی کے لئے امام کی متابعت لازم ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً متابعت کا حکم دیا اور فرمایا دیکھو نماز کے کسی عمل میں امام سے آگے نہ بڑھو، جو عمل امام کرے تو تم اس عمل کو امام کے بعد انجام دو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع، سجدہ، قیام، اور سلام میں وضاحت کے ساتھ امام سے سبقت کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ سبقت کرنا حدیث "انما جعل الامام لیؤتم به" کے خلاف ہے۔ اور مقصد کو فوت کرتا ہے۔

ایضاً

﴿١٠٧٠﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتُبَادِرُوْا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَاالضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِیَّ لَمْ یَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَاالضَّآلِّیْنَ)

حــوالــه: بـخـاری شـریف: ١٠٩/١، بـاب فـضـل الـلهـم ربنا لک الـحـمـد، کتـاب الاذان، حدیث نمبر: ٧٩٦. مسلم شریف: ١٧٧/١، باب

استخلاف الامام اذا عرض له عذر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۱۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''امام سے سبقت مت کرو، جب امام تکبیر تحریمہ کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب امام "و لاالضالین" کہے تو تم لوگ آمین کہو، اور جب امام رکوع کرے تو تم لوگ رکوع میں جاؤ، اور جب امام "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم لوگ "اللھم ربنا لک الحمد" کہو۔ (بخاری ومسلم) بخاریؒ نے "اذا قال و لاالضالین" کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔

تشریح: مقتدی کے لئے امام کی متابعت لازم ہے اور امام پر سبقت کرنا ممنوع ہے مقتدی کو امام کی نماز کے افعال میں بھی اقتداء کرنا ہے اور اقوال میں بھی اقتداء کرنا ہے، لیکن افعال واقوال میں تھوڑا سا فرق ہے اس حدیث سے اس کی وضاحت کی جارہی ہے، افعال میں تو حکم یہ ہے رکوع، سجدہ وغیرہ میں امام کے ساتھ رہو، اس سے آگے مت بڑھو، اقوال کے بارے میں حکم یہ ہے کہ امام قراءت کرے تو خاموش رہو یعنی امام کی اقتداء کا قراءت میں یہی طریقہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے اور جب امام "و لاالضآلین" کہے تو اب اقتداء یہ ہے کہ مقتدی آمین کہے۔ اسی طرح امام جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو اب مقتدی اقتداء یوں کرے کہ وہ "اللھم ربنا لک الحمد" کہے۔ (مرقاۃ:۲/۹۹)

معلوم ہوا کہ امام رکوع سے اٹھتے ہوئے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے اور مقتدی "ربنالک الحمد" کہے، یہی امام اعظمؒ کا مسلک ہے۔

معذور شخص کی اقتداء

﴿۱۰۷۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَساً فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلَاةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوداً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰى قَآئِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهُ اَذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلَى اَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا

حواله: بخاری شریف: ۹۶/۱، باب انما جعل الامام لیؤتم به، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۸۹۔مسلم شریف: ۱۷۷/۱، باب ائتمام المأموم بالامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۱۱۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی کروٹ چھل گئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں میں سے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی، ہم نے بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ کھڑا ہو کر

نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم بھی رکوع سے اٹھو، جب وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم "ربنا لک الحمد" کہو اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "اذا صلی جالسا الخ" (امام جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیماری کے موقع پر تھا، اس کے بعد (مرض الوفات میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فعل پر عمل کیا جاتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہے، یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم نے بخاری کے ساتھ لفظ "اجمعون" تک اتفاق کیا ہے، اور ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے "فلا تختلفوا الخ" امام کی مخالفت نہ کرو، امام جب سجدہ کرے تم لوگ بھی کرو۔

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی تاکید ہے کہ امام کی مکمل طور پر اقتدا کی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں تو اس بات کی تاکید فرمائی تھی، کہ قاعد امام کے پیچھے مقتدی حضرات بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ اب یہی حکم ہے کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے تو جو لوگ قیام پر قادر ہیں وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہی ہے۔ (التعلیق: ۲/۵۸، مرقاۃ: ۲/۹۹)

اقتداء القائم خلف القاعد

مسئلہ: ایک شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے، تو یہ بالاتفاق درست ہے، اسی طرح فرض نماز بلا عذر کے بیٹھ کر پڑھنا نہ امام کے لئے جائز ہے اور نہ مقتدی کے لئے، یہ بھی متفقہ مسئلہ ہے۔

اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے تو وہ شخص جو قیام پر قادر ہے اس کی اقتداء کرے یا نہ کرے اور اگر کرے تو بیٹھ کر نماز پڑھے یا کھڑے ہوکر یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: ان کے نزدیک غیر معذور شخص کے لئے قاعد امام کی اقتداء درست نہیں ہے، اگر قائم ملے تو ٹھیک ہے، ورنہ منفرداً پڑھے۔

دلیل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "**لایؤمن رجل بعدی جالساً**"، جس سے معلوم ہوتا ہے قاعد امام کی امامت ہی درست نہیں ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک قاعد امام کے پیچھے مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر پڑھنا ضروری ہے، البتہ اگر جلوس امام اثناء صلوٰۃ میں ہو تو پھر مقتدیوں کو بیٹھنا ضروری نہیں ہے۔

دلیل: حدیث باب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ وشافعیؒ کا مذہب: ان کے نزدیک قاعد امام کی اقتداء درست ہے لیکن مقتدیوں کو عذر نہ ہونے کے صورت میں کھڑا ہوکر اقتداء کرنا ضروری ہے۔

دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کی نماز کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، یہ بالکل آخری واقعہ ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: جواب یہ ہے وہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں راوی جابر جعفی ہیں اور وہ متروک ہیں، نیز یہ حدیث مرسل بھی ہے اس لئے قابل حجت نہیں۔

امام احمدؒ کی دلیل کا جواب: ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ ابتداء کا واقعہ ہے مرض الموت کے واقعہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ (التعلیق: ۲/۵۸، مرقاۃ: ۲/۱۰۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر امامت فرمانا

﴿۱۰۷۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْ بَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمَأَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا يَتَاَخَّرَ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُصَلِّيْ قَاعِداً يَقْتَدِيْ اَبُوْ بَكْرٍ بِصَلاَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلاَةِ اَبِيْ بَكْرٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا يُسْمِعُ اَبُوْ بَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۹۵، باب انما جعل الامام لیؤتم به، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ٦٨٧۔ مسلم شریف: ۱۷۷، ۱۷۸/۱، باب استخلاف الامام الخ، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۴۱۸۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار تھے، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ان دنوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازیں پڑھائیں، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کچھ ہلکا محسوس کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا لیکر اس حال میں چلے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر زمین میں گھٹتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی آہٹ محسوس کرلی، چنانچہ وہ پیچھے ہٹنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا کر رہے تھے۔ (بخاری ومسلم) ان دونوں کی ایک روایت میں ہے "**یسمع ابو بکر الخ**"

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔

تشریح: مروا ابابکر ان یصلی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا امام بنائیں جو کہ امامت صغریٰ ہے اس سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ ہی امامت کبریٰ یعنی خلافت کے بھی مستحق ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دنوں میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

ثم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد فی نفسہ خفۃ: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مرض میں خفت اور ہلکاپن محسوس فرماتے تو مسجد میں تشریف لاتے اور پھر خود امامت فرماتے اس مدت کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار مرتبہ مسجد میں تشریف لائے ہیں۔

(۱)......حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سہارے سے تشریف لائے ہیں اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز شروع کر چکے تھے، یہی وہ موقع ہے جس کا حدیث باب میں ذکر ہے۔

(۲)......نماز مغرب میں تشریف لائے۔سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

(۳)......حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔

(۴)......آخری مرتبہ وفات کے دن حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر جماعت کا حال ملاحظہ فرمایا۔

اشکال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے۔

جواب: واقعات کا تعدد ہے، حدیث باب اس واقعہ سے متعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدی، اور دوسرے موقع

پر مرض الوفات ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء فرمائی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۰۱، التعلیق: ۲/۵۹)

فائدہ: (۱)...... یسمع ابو بکرؓ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر بڑا مجمع ہو امام کی آواز لوگوں تک نہ پہونچ رہی ہو تو مؤذن ومکبر کو چاہئے کہ وہ لوگوں تک امام کی آواز پہونچائے۔

(۲)...... جماعت کی اہمیت وتاکید کا علم ہوا۔

(۳)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت کا علم ہوا۔

امام پر سبقت کرنے والے کے حق میں سخت وعید

﴿۱۰۷۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا يَخْشٰی الَّذِیْ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۹۶، باب أثم من رفع رأسه قبل الامام، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۹۱۔ مسلم شریف: ۱/۱۸۱، باب تحریم سبق الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۲۷۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے، اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے جیسا کر دیں۔

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لئے سخت وعید ہے جو نماز میں عجلت سے

کام لیتا ہے اور امام سے پہلے ہی ارکان سے فراغت کی کوشش کرتا ہے ابھی امام نے رکوع سے سر نہیں اٹھایا کہ اس نے سر اٹھالیا اسی طرح امام ابھی سجدہ سے فارغ بھی نہ ہوا کہ یہ سر اٹھا چکا ایسے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اس بات سے ڈرنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر کی طرح کردے۔

مسخ سے مراد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعید ذکر فرمائی ہے حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟
بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ امت محمدیہ پر مسخ کا عذاب نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے، لہٰذا مسخ سے مجازی مسخ مراد ہے۔
اور مطلب ہے کہ جس طرح گدھا حماقت و بے قوفی میں مشہور ہے، اسی طرح اس کو احمق و بے وقوف بنا دیا جائے گا۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں مسخ سے حقیقی مراد ہے، جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ "ان یحول صورته صورة حمار"۔
حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مسخ حقیقی ہی مراد ہے اور جہاں تک اس امت سے مسخ کے عذاب کا موقوف ہونا ہے تو اس کا تعلق عمومی مسخ سے ہے، خصوصی مسخ اس امت کے افراد کے لئے بھی ممکن ہے۔ (التعلیق: ۲/۶۰، مرقاۃ: ۲/۱۰۲)

مقتدی امام کو جس حالت میں پائے اسی حالت میں شریک ہو جائے

﴿۱۰۷۴﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ وَّمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳۰ / ۱، باب ماذکر فی الرجل یدرک الامام الخ، ابواب السفر، حدیث نمبر:۵۹۱۔

ترجمہ: حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے اس حال میں آئے کہ امام کسی رکن میں ہو، تو اس آنے والے کو چاہئے کہ وہی کرے جو امام کررہا ہے۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان واجزاء میں امام کی پوری متابعت وموافقت کی جائے اور جس طرح امام کرے اسی طرح مقتدی کو کرنا چاہئے۔

اور ابن الملک ؒ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص جماعت میں شریک ہونے کے لئے آئے، تو وہ امام کو جس حالت میں پائے اسی حالت میں شریک ہوجائے، عام طور پر لوگ جب امام کو قیام یا رکوع میں پاتے ہیں تو رکعت میں شامل ہوتے ہیں لیکن اگر امام سجدے میں ہے تو کھڑے رہتے ہیں، کہ اب رکعت تو چھوٹ گئی، امام کے ساتھ سجدہ کرنے سے کیا فائدہ۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آنے والے کو امام کا دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرنا چاہئے، بلکہ امام کو جس رکن میں پائے، اسی رکن میں شریک ہوجائے، اور یہ شریک ہونا فائدہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ سجدہ میں جو لوگ ہیں ان کی مغفرت کردی جائے اور یہ شخص انتظار ہی کرتا رہ جائے، علاوہ ازیں جس رکن میں شریک ہوگا وہیں سے ثواب بھی شروع ہوجائے گا، گو سجدہ میں شریک ہونے سے وہ رکعت نہیں ملے گی۔

مقتدی کا امام کو سجدہ میں پانا

﴿۱۰۷۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَاتَعُدُّوْهُ شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱۲۹/ ۱، باب فی الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۸۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب تم لوگ مسجد میں آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم لوگ بھی سجدہ میں چلے جاؤ، اور اس سجدہ کو کچھ نہ شمار کرو، جس شخص نے ایک رکعت پالی اس نے درحقیقت نماز پالی۔

تشریح: و لاتعدوہ شیئا: اس کو رکعت شمار نہ کرو۔

قولہ: اذا جئتم الخ: مطلب یہ ہے کہ جب تم امام کو نماز کے اندر سجدہ میں پاؤ تو امام کے ساتھ سجدہ میں تم بھی شریک ہوجاؤ لیکن اس سجدہ کو دنیوی حکم کے اعتبار سے رکعت کا سجدہ شمار مت کرو اور اس کو رکعت شمار مت کرنا البتہ اخروی اعتبار سے آخرت میں اس سجدہ کا ثواب ملے گا۔

شیخ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ”من ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ“ میں رکعت سے رکوع اور صلوٰۃ سے رکعت مراد ہے۔

یعنی جس نے امام کے ساتھ رکوع کو پالیا تو اس نے رکعت کو حاصل کرلیا، اور ایک قول

کے مطابق اس سے جماعت کی نماز کا ثواب مراد ہے کہ جس نے جماعت سے ایک رکعت پائی تو اس نے جماعت کا ثواب حاصل کرلیا، اور ایک قول یہ ہے کہ حکم صرف جمعہ کے اندر ہے، لیکن امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ جماعت کی فضلیت صرف اسی صورت میں حاصل ہوگی جب کہ پوری رکعت کو حاصل کرلے خواہ جمعہ میں ہو یا اس کے علاوہ کسی اور نماز میں۔

(مرقات:۳/۹۹،طیبی:۳/۷۴،بذل:۲/۸۲،التعلیق:۲/۶۰)

چالیس دن تکبیر اولیٰ کیساتھ نماز پڑھنے والے کو بشارت

﴿۱۰۷۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۵۶، باب ماجاء فی فضل التکبیرة الاولی، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۲۴۱۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس طور پر نماز پڑھی کہ اس کو تکبیر اولیٰ بھی ملتی رہی تو اس کے لئے دو نجاتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ (۱) جہنم کی آگ سے نجات۔ (۲) نفاق سے نجات۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور تکبیر اولیٰ ہی سے شریک رہتا ہے، اور چالیس دن تک اس پر مواظبت اور پابندی

کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو نجاتیں مقدر کر دیتے ہیں:

(۱)......نفاق سے یہ شخص محفوظ رہتا ہے یعنی منافقوں کے کام مثلاً جھوٹ، خیانت، وغیرہ سے من جانب اللہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

(۲)......اس عذاب سے محفوظ رہے گا جو منافقوں کیلئے ہے، کیونکہ اس کے حق میں گواہی دی جائے گی، کہ یہ منافق نہیں لہٰذا وہ آخرت میں جہنم کے آگ سے محفوظ رہے گا۔ (التعلیق: ۲/۶۰، مرقاۃ: ۲/۱۰۳)

جماعت کی نیت سے مسجد آنے والا

﴿۱۰۷۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَایَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۸۳، باب فیمن خرج یرید الصلاۃ الخ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۶۴۔ نسائی: ۱/۹۸، باب حد ادراک الجماعة، کتاب الامامة، حدیث نمبر: ۸۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر وہ مسجد پہنچا تو لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس شخص کے مانند اجر عطا فرماتے ہیں جس نے جماعت کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھی ہو، اور اللہ تعالیٰ جماعت

میں شامل ہوکرنماز پڑھنے والوں کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں فرماتے ہیں۔

تشریح: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے کے برابر اس کو اجر دیا جاتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے نماز باجماعت ادا کی ان سب کے برابر اس کو اجر دیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ بعید نہیں۔

شیخ مظہرؒ فرماتے ہیں یہ اجر اس وقت ہے جب نماز میں تاخیر اپنی کوتاہی اور جان بوجھ کر نہ ہوئی ہو۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ اجر وثواب شاید اس کو دو وجہ سے دیتے ہیں:

(۱) نیت کی وجہ سے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

اس کی نیت تو نماز باجماعت ادا کرنے کی تھی اس وجہ سے جماعت کی نیت ہی سے مسجد کی طرف چلا اسلئے اس کی نیت کیوجہ سے اس کو جماعت کا ثواب دیا جائے گا۔

(۲) نماز کے فوت ہونے پر حسرت وافسوس ہونے کی وجہ سے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کی نیت کی وجہ سے اصل جماعت کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے، اور جماعت کے فوت ہونے پر افسوس کی وجہ سے اس کو دو چند کر دیا جاتا ہے۔

اور جتنے لوگوں نے نماز باجماعت ادا کی ان سب کے مقابلہ میں اس کو افسوس ہوا، اسلئے ان سب کے برابر اس کو ثواب عطا کردیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۰۳، التعلیق: ۲/۶۰)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دل کی شکستگی کی بڑی قیمت ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اسے بچا بچا کے نہ رکھ کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ

کہ شکستہ تر ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

مسجد میں جماعت ثانیہ

﴿۱۰۷۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلاَ رَجُلٌ یَّتَصَدَّقُ عَلٰی ھٰذا فَیُصَلِّی مَعَہٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَہٗ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۸۵/ ۱، باب فی الجمع فی المسجد مرتین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۷۴۔ ترمذی شریف: ۵۳/ ۱، باب ما جاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی (مسجد میں) اس حال میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے نماز پڑھ چکے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس شخص کو صدقہ دے، کہ یہ شخص اسکے ساتھ نماز پڑھے، پس ایک آدمی کھڑا ہوا، چنانچہ اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث سے تین مختلف فیہ مسائل نکلتے ہیں:

(۱)...... ان سے ایک اقتداء المفترض بالمتنفل کا مسئلہ ہے جو شوافع کے یہاں درست ہے حنفیہ کے یہاں درست نہیں،

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جو جماعت سے نماز پڑھ چکا ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دوبارہ جماعت کے ساتھ امام یا مقتدی بن کر نماز پڑھے، اور وہ جب امام بنے گا حالانکہ اپنی نماز پڑھ چکا ہے تو وہ متنفل ہوگا اور وہ دوسرا مفترض پس اقتداء المفترض بالمتنفل کا جواز ثابت ہوا، حنفیہ کے نزدیک اقتداء المفترض بالمتنفل ناجائز ہے اسلئے

وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص جس کی جماعت نکل گئی وہ امام بنے اور یہ شخص مقتدی بنے یہ صورت متفق علیہ ہے اسلئے اس عمل کو متفق علیہ صورت پر محمول کرنا بہتر ہے پس یہ اقتداء المتفل بالمفترض کی ہوگی نہ کہ اقتداء المفترض بالمتفل کی، پس حضرات شوافع کا اس حدیث سے اپنے مسلک پر استدلال کرنا درست نہیں۔ فقط

(۲)...... دوسرا مسئلہ عصر بعد نفل نماز کے جواز اور عدم جواز کا ہے شوافع کے یہاں جائز، حنفیہ کے نزدیک ناجائز۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ عصر کی نماز کا واقعہ ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ واقعہ عصر مغرب اور فجر کے علاوہ کسی اور نماز کا ہے اس لئے کہ فجر اور عصر کے بعد نفل نماز مکروہ ہے، اور مغرب پر اس کو اس لئے محمول نہیں کیا جا سکتا ہے کہ نفل نماز تین رکعت ہوتی ہی نہیں، لہٰذا مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ظہر کی نماز کا ہے اور وہ صحابیؓ جنہوں نے اقتداء کی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

فائدہ: اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ خیر و بھلائی پر کسی کی رہنمائی کرنا، اور اس کو ترغیب دینا صدقہ ہے شیخ مظہرؒ فرماتے ہیں اس کو صدقہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کیونکہ اقتداء کرنے والے نے اس پر چھبیس درجہ ثواب صدقہ کیا اسلئے اگر وہ تنہا نماز پڑھتا تو اسے صرف ایک ہی نماز کا ثواب ملتا اور جماعت سے نماز پڑھنے میں ستائیس گنا ثواب ملا۔

(۳)...... تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ درست ہے اسلئے کہ ان دونوں صحابیؓ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد ہی میں جماعت سے نماز ادا کی اس سے جماعت ثانیہ کا ثبوت ہوا۔

چنانچہ امام احمدؒ اور اسحاق ابن راہویہؒ کا قول یہ ہے کہ ایسی مسجد میں جہاں نماز ہو چکی ہو، اگر لوگ جماعت سے نماز ادا کریں تو کوئی حرج نہیں، حنفیہ کا مذہب درمختار میں مذکور ہے کہ

محلہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مکروہ ہے، ایسی مسجد جوراستہ پر ہو یا جس کا امام ومؤذن ہی متعین نہ ہو اس میں مکروہ نہیں ہاں البتہ جب محلہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ اولاً اس کے غیر اہل یعنی دوسرے محلے والے نماز پڑھ لیں یا اس کے اہل محلہ ہی اولاً بغیر اذان کے پڑھ لیں تو ثانیاً محلے والوں کے لئے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں، حنفیہ کا مستدل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے تشریف لے گئے جب واپس آئے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر اپنے اہل کو جمع فرما کر نماز پڑھی اگر جماعت کا تکرار جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد چھوڑ کر گھر میں جماعت کرنا پسند نہ فرماتے۔

نیز اگر جماعت ثانیہ کو مطلقاً جائز کہا جائے تو اس سے تقلیل جماعت لازم آئیگی اس لئے کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ جماعت ان سے کسی حال میں فوت نہیں ہوگی تو وہ جماعت کا اہتمام ہی نہیں کریں گے کہ جب بھی مسجد میں جائیں گے جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے جماعت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

بہر حال حنابلہ وغیرہ کا باب کی حدیث سے تکرار جماعت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث شریف صرف صورۃً تکرار جماعت پر دلالت کرتی ہے، حقیقۃً تکرار جماعت پر دلالت نہیں کرتی اس لئے کہ جو شخص اپنی نماز سے فارغ ہو چکا ہے جب وہ ایسے شخص کے ساتھ نماز پڑھے گا، جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ہے، تو یقیناً وہ نفل پڑھنے والا ہوگا، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ صورۃً جماعت کا تکرار ہے حقیقۃً نہیں، حقیقۃً جماعت کا تکرار کہ ایسے امام ومقتدی جمع ہوں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تو یہ حدیث شریف اس کے جواز پر دلالت نہیں کرتی، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں نے مسجد نبوی میں خارج مسجد نماز ادا کی ہو، تفصیل کیلئے ملاحظہ (مرقاۃ: ۱۰۰/۳، بذل المجہود: ۳۲۳/۱، التعلیق: ۲/۶۱)

﴿الفصل الثالث﴾

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت

﴿۱۰۷۹﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ اَلَاتُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَآءِ الْآخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِیْ نَفْسِہٖ خِفَّۃً وَخَرَجَ بَیْنَ رَجُلَیْنِ اَحَدُھُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاۃِ الظُّھْرِ وَاَبُوْ بَکْرٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَآہُ اَبُوْبَکْرٍ ذَھَبَ لِیَتَأَخَّرَ فَاَوْمَأَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَایَتَأَخَّرَ قَالَ اَجْلِسَانِیْ اِلٰی جَنْبِہٖ فَاَجْلَسَاہُ اِلٰی جَنْبِ اَبِیْ بَکْرٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَہٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَیْکَ مَاحَدَّثَتْنِیْ عَائِشَۃُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ھَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَیْہِ حَدِیْثَھَا فَمَا اَنْکَرَ مِنْہُ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّہٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَکَ الرَّجُلَ الَّذِیْ کَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَاقَالَ ھُوَ عَلِیٌّ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۹۵، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۸۷۔ مسلم شریف: ۱۷۷، ۱۷۸/۱، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۱۸۔

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی تفصیلات نہیں بیان فرمائیں گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زیادہ بیمار ہوئے تو فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ تو ہم نے کہا کہ نہیں، اے اللہ کے رسول! لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کررہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، پھر بمشقت اٹھنے کی کوشش فرمائی تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے، پھر جب ہوش میں آئے تو پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، پھر بمشقت اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر بے ہوش ہو گئے، پھر جب ہوش آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی، ہم نے کہا کہ نہیں، اے اللہ کے رسول! لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں، لوگوں کا حال یہ تھا کہ لوگ مسجد میں جمے بیٹھے تھے، اور عشاء کی نماز کے لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ نرم دل انسان تھے، انہوں نے کہا کہ اے عمر رضی تعالیٰ اللہ عنہ! آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ ان دنوں حضرت ابو بکر صدیق رضی تعالیٰ اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ پھر ایک دن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی، تو ظہر کی نماز کے لئے اس حال میں تشریف لائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے تھے، ان میں ایک حضرت عباس رضی تعالیٰ اللہ عنہ تھے، اس وقت حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، جب ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دو، چنانچہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر رضی تعالیٰ اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

حضرت عبید اللہ راوی کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا، اور کہا کہ کیا میں آپ کے سامنے وہ حدیث پیش کروں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے متعلق مجھ سے بیان کی ہے، حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ پیش کرو، عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ان سے بیان کی، تو حضرت ابن عباس رضی تعالیٰ اللہ عنہما نے اس میں کسی چیز سے اختلاف نہیں کیا، مگر یہ بات کہی کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آدمی کا نام ذکر کیا جو حضرت عباس رضی تعالیٰ اللہ عنہ کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا نہیں، تو حضرت ابن عباس رضی تعالیٰ اللہ عنہما نے کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

تشریح: احدهما العباس: دوسرے بعضوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان سے خلش تھی، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام نہیں لیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال سراسر غلط و بے بنیاد ہے، بلکہ ادھر تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کو کوئی ہٹا نہ سکے، اور دوسری طرف لوگ ادلتے بدلتے رہے، تنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے اسلئے ان کا نام نہیں لیا۔

والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قاعد: آگے اور قصہ ذکر نہیں فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو امامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل امام ہو گئے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ مکبر ہونے کی حیثیت سے تکبریں بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں اصل امام تھے اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے بہر حال اس میں شدید اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں امام تھے یا مقتدی، بعض نے اس میں ترجیح کو پسند کیا ہے، اور بعض نے تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے، علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں ترمذی کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آخری نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی ایسے ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آخری نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے لوگوں کے ساتھ اس حال میں پڑھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔

اولاً تو یہ دونوں روایت **ما فی الصحیحین** کے مخالف نہیں ثانیاً امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے، وہ ہفتہ یا اتوار کے دن ظہر کی نماز تھی اور جس نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی بنے وہ پیر کے دن فجر کی نماز تھی یہی وہ آخری نماز تھی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ادا فرمایا اس کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے دار البقا کی طرف رحلت فرما گئے، اور یہ اس کے مخالف نہیں جس کو زہریؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن اثناء نماز میں پردہ اٹھایا اور پھر اس کو نیچے گرا دیا اور یہ پہلی رکعت تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر خفت و ہلکا پن محسوس کیا تو نماز کے لئے نکلے اور دوسری رکعت میں جا کر شامل ہو گئے، بہر حال یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قائم کی نماز قاعد کے پیچھے جائز ہے

یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ ابو یوسفؒ شافعیؒ اوزاعیؒ کا مذہب اور امام مالکؒ کی ایک روایت ہے، ان حضرات کا مستدل یہی باب کی حدیث ہے، لیکن امام مالکؒ کی مشہور روایت اور محمد بن حسن کا قول یہ ہے کہ قائم کی نماز قاعد کے پیچھے صحیح نہیں، ان کا مستدل دار قطنی کی روایت "لایؤمن احد بعدی جالسا" ہے ایسے ہی بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "سقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فرس الخ" اس میں ہے "اذا صلی قاعداً فصلوا قعودا" نیز صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے "اشتکیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل علیہ ناس من اصحابہ الخ" اس میں ہے "اذا صلی جالساً فصلوا جلوساً" ان روایت سے معلوم ہوا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، لہٰذا ان روایات کی رو سے قاعد کے پیچھے قائم کی نماز درست نہیں۔

جمہور کا جواب: پہلی روایت "لایؤمن احد بعدی جالساً" کو امام شعبی سے جابر جعفی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور جابر جعفی متروک الحدیث ہیں اور حدیث مرسل ہے، لہٰذا قابل حجت نہیں، اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت دونوں منسوخ ہیں حضرت عائشہؓ کی باب کی حدیث "انہ آخر صلوٰتہ قاعداً والناس خلفہ قیام" سے، نیز حضرت انسؓ اور عائشہؓ کی روایت میں جس نماز کا تذکرہ ہے وہ نفل نماز تھی، اور نوافل میں ان چیزوں کا تحمل کرلیا جاتا ہے جن کا تحمل فرائض میں نہیں کیا جاسکتا۔

فوائد: اس حدیث شریف سے بہت فائدے معلوم ہوئے:

(۱)......نماز با لجماعت کی تعظیم واہمیت کا علم ہوا۔

(۲)......اس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیم وترجیح اور تفضیل تمام

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر معلوم ہوئی۔

(۳)...... اپنے بڑے کا ادب ملحوظ رکھنے کا ہر حال میں علم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔

(۴)...... نیز اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر گریہ نماز کو باطل نہیں کرتا، اگر چہ کثیر ہو اسلئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رقت قلب اور کثرت بکاء کا علم تھا، اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔

اس لئے احناف کے نزدیک جب نماز کے اندر گریہ بلند ہو جائے پس اگر یہ گریہ جنت یا جہنم کے ذکر سے ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر بدن میں درد یا اپنے مال وعیال پر مصیبت کی وجہ سے ہو تو نماز باطل ہو جائے گی، اسی کے قائل امام مالکؒ اور احمدؒ ہیں لیکن امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ گریہ اور کراہنا یا اف کرنا وغیرہ نماز کو ہر صورت میں باطل کر دیتا ہے، اگر چہ دو ہی حرفوں کے ذریعہ کیوں نہ ہو خواہ گریہ دنیا کے واسطے ہو یا آخرت کے واسطے۔

(۵)...... ایماء نطق کے قائم مقام ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعف صوت کی وجہ سے اشارہ پر اکتفاء فرمایا ہو۔

(۶)...... مکبر کی آواز کی اتباع سے سامع اور مستمع کی نماز پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۷)...... امام کی آواز کمزور ہو یا مجمع زیادہ ہو جس کی وجہ سے امام کی آواز سب مقتدیوں کو نہ پہونچ سکتی ہو، تو مکبرین کا انتظام کرنا چاہئے۔

(۸)...... جب امام بیمار ہو تو اسے خلیفہ بنا دینا چاہئے، جو قیام پر قدرت رکھتا ہو یہ اس کے بیٹھ کر امامت کرنے سے بہتر ہے اسلئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ایک مرتبہ سے زیادہ بیٹھ کر امامت نہیں فرمائی۔

(۹)...... حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تواضع کا علم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کونماز کیلئے فرمایا۔

(۱۰)......حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہوا۔

(۱۱)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت علی الامت کا علم ہوا کہ اس درجہ بیماری اور بار بار کی بیہوشی کے باوجود امت کی خاطر اتنی مشقت اٹھا کر تشریف لائے۔

(۱۲)......افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے۔

(۱۳)......افضل اپنے مفضول کی اقتداء کرسکتا ہے۔

(۱۴)......نائب امام کے نماز شروع کرنے کے بعد اصل امام اگر آجائے تو یہ بھی درست ہے کہ نائب امام پیچھے آجائے اور اصل امام امامت کرے اور نائب امام اس کی اقتداء کرے۔

(۱۵)......اور یہ بھی درست ہے کہ اصل امام آنے کے بعد اصل امام نائب امام کی اقتداء کرے۔فقط تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو (عمدۃ القاری:۲۶۵، ۴/۳۰۱، فتح الملہم:۵۷، ۲/۵۵، مرقاۃ:۳/۱۰۲)

رکوع پانے والا رکعت پانے والا ہے

﴿۱۰۸۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَيْرٌ كَثِيْرٌ۔ رواه مالك۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۱۸، باب من ادرک رکعۃ من الصلاۃ، کتاب وقوت الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی، اور جس کی سورۂ فاتحہ پڑھنے سے رہ گئی اس سے خیر کثیر فوت ہوگیا۔

تشریح: من ادرک الرکعۃ فقد ادرک السجدۃ:
سجدہ سے مراد یا تو رکعت ہے یا پھر اس سے صلوٰۃ مراد ہے، بصورت اول معنی ہوں گے جس نے رکوع پالیا تو اس نے رکعت کو حاصل کرلیا، بصورت دیگر مطلب یہ ہوگا، کہ جس نے رکوع کو پالیا، تو اس نے جماعت کی کامل فضلیت کو حاصل کرلیا، اور جس سے سورۂ فاتحہ کی قراءت فوت ہوگئی، اس طور پر کہ اس نے اپنی نماز میں فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کے علاوہ کسی اور سورت کو پڑھ لیا، تو گویا اس کے ہاتھ سے بہت بڑی خیر چھوٹ گئی، اور بہت بڑی خیر سے محروم ہوگیا، کیونکہ فاتحہ اصل القرآن ہے لہٰذا اس کی نماز کا ثواب ناقص رہا یہی معنٰی ہیں حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان "من صلیٰ صلاۃ لم یقرء فیھا ام القرآن فھی خداج" کے، کہ جس نے نماز پڑھی لیکن اس میں سورۂ فاتحہ کو نہیں پڑھا تو وہ نماز ناقص ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے رکوع کو پالیا، لیکن فاتحہ کی قراءت اس سے فوت ہوگئی، تو اس صورت میں اگر چہ رکعت کو تو اس نے حاصل کرلیا، لیکن بہت بڑے ثواب سے محرومی ہوگئی، یہ اسی صورت میں ہے، جب کہ تاخیر اپنی کوتاہی سے ہو ورنہ قراءت فاتحہ کے فوت کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ حکم عام ہے، ہر اس شئی کے بارے میں جو بھی مقتدی سے چھوٹ جائے۔ (مرقاۃ:۲/۱۰۶، التعلیق:۲/۶۲)

فائدہ: معلوم ہوا سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں اس کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

امام سے پہلے سر اٹھانے والے کی مذمت

﴿۱۰۸۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ الَّذِیْ یَرْفَعُ وَیَخْفِضُهُ قَبْلَ الْاِمَامَ فَاِنَّمَا نَاصِیَتُهُ بِیَدِ الشَّیْطَانِ۔ (رواہ مالک)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ: ۳۲/، باب مایفعل من رفع راسہ قبل الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے، تو بلا شبہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لئے سخت وعید ہے، جو امام کی اقتداء کرنے کے باوجود نماز کے افعال رکوع، سجود وغیرہ میں امام پر سبقت کرنے کی جسارت اور جرأت کرتا ہے، امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے یا سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے خود اپنا سر اٹھالیتا ہے، یا اسی طرح امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں چلا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے شخص کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے، یا تو حقیقتاً شیطان کے ہاتھ میں ہے، یا پھر مجازاً ہے، مطلب یہ ہوگا، کہ اس کے تصرف اور اس کا حکم قبول کرنے میں ہے۔

(مرقاۃ:۲/۱۰۶)

بسم الله الرحمن الرحيم

باب من صلى صلاة مرتين

رقم الحديث:...... ١٠٨٢ تا ١٠٩٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب من صلی صلاۃ مرتین﴾

ایک نماز دومرتبہ پڑھنے کا بیان

﴿الفصل الاول﴾

ایک نماز دومرتبہ پڑھنا

﴿۱۰۸۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهُ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۹۷/ ۱، باب اذا طول الامام، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۰۰۔ مسلم شریف: ۱۸۸/ ۱، باب القراءۃ فی العشاء، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۶۵۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کے

پاس آکران کونماز پڑھاتے تھے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث شریف سے استدلال کیا کہ مفترض کا متنفل کی اقتداء کرنا صحیح ہے اس لئے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظاہر پہلی نماز سے فرض کی نیت کرتے تھے، اور دوسری سے نفل کی۔

یہی ایک روایت حضرت امام احمدؒ کی ہے۔

احناف کے نزدیک مفترض کا متنفل کا متنفل کی اقتداء کرنا صحیح نہیں۔

یہی ایک روایت حضرت امام مالکؒ اور احمدؒ کی ہے ابن قدامہؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کو ہمارے اکثر اصحاب نے اختیار فرمایا ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سنت یا نفل نماز کی نیت سے پڑھتے تھے، تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو سکے، اور پھر اپنی قوم کو فرض کی نیت سے نماز پڑھاتے تھے ابن بطالؒ نے کہا ہے اگر مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے صحیح ہوتی تو صلوٰۃ الخوف میں ہر جماعت کے ساتھ بعض نماز پڑھنا مشروع نہ ہوتا، اوران اعمال کا ارتکاب ہی مشروع نہ ہوتا، جن کے ساتھ غیر خوف میں نماز صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جماعت کے ساتھ پوری نماز پڑھتے اور دوسری جماعت کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نفل ہو جاتی اور قوم کے لئے فرض ہو جاتی، حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام اتنا مقدم ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوٰۃ الخوف پڑھنا ہجرت کے کئی سال بعد متعدد بار ہوا ہے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں اگر ہم جانب مخالف کی تمام باتوں کو تسلیم کرلیں تب بھی اس میں ان کے واسطے حجت نہیں، کیونکہ اس بات کا احتمال باقی رہتا ہے کہ یہ اس وقت میں ہو جب فرض نماز دو مرتبہ پڑھنا

مشروع تھا اس صورت میں یہ حدیث منسوخ ہوگی، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "لاتصلوا الصلوٰة في اليوم مرتين" کہ ایک دن میں ایک ہی نماز کو دومرتبہ نہ پڑھو، دوسرے طریق سے مرسل روایت ہے کہ اطراف مدینہ کے لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہوجاتے تھے، جب یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور نہی اباحت کے بعد ہوا کرتی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۴/۳۳۳، فتح الملہم: ۲/۸۳، مرقاۃ: ۲/۱۰۶)

دومرتبہ نماز پڑھنا

﴿۱۰۸۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَآءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَآءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ۔ (رواه)

حواله: بخاری شریف: ۹۷/۱، باب اذا طول الامام الخ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۰۰۔ مسلم شریف: ۱۸۷/۱، باب القراءة فی العشآء، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۶۵۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے قوم میں آکر ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے، اور وہ نماز ان کے لئے نفل ہوتی تھی۔

تشریح: یہ حدیث شریف بھی حضرت امام شافعیؒ کا مستدل ہے، چنانچہ فرماتے

ہیں کہ عشاء ثانی جو قوم کو جا کر پڑھاتے تھے، وہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نفل اور قوم کے حق میں فرض ہوتی تھی، لیکن علماء احناف نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

جواب: (۱)......نیت ایک امر باطنی ہے اس پر کوئی مطلع نہیں ہوسکتا الا یہ کہ نیت کرنے والا ہی مطلع کردے، لہٰذا جو نماز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے، وہ اس نماز کے علاوہ ہوتی تھی، جو قوم کو پڑھاتے تھے، اور "**وھی له نافلة**" کا مطلب یہ ہے کہ پہلی نماز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے، وہ نفل ہوتی تھی۔

(۲)......یا پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ النہار پڑھتے تھے، اور قوم کو جا کر صلوٰۃ اللیل پڑھاتے تھے۔

(۳)...... یا پھر راوی نے اپنے قول "**فھی لھم فریضة وله نافلة**" میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو وقتوں کی حالت کو بیان کیا ہے، نہ کہ ایک وقت کی حالت کو۔

(۴)...... نیز "**وھی له نافلة**" کی زیادتی کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

(۱)...... چنانچہ ابو البرکات ابن تیمیہؒ کا بیان یہ ہے کہ امام احمدؒ ابن حنبل نے اس زیادتی کی تضعیف کی ہے، اور فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ یہ زیادتی محفوظ نہیں ہے۔

(۲)......ابن قدامہؒ نے مغنی میں کہا ہے کہ منصور ابن زاذان اور شعبہ نے حدیث شریف کو روایت کیا ہے لیکن دونوں نے اس زیادتی کو بیان نہیں کیا۔

(۳)......ابن الجوزیؒ کا قول یہ ہے کہ یہ زیادتی صحیح نہیں، اگر صحیح ہے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظن ہے۔

(۴)......اسی جیسا تذکرہ شیخ ابن العربیؒ نے بھی کیا ہے۔

(۵)......علامہ تو ریشتی فرماتے ہیں، یہ حدیث مصابیح میں دوطریق سے مروی ہے اول تو وہ ہے کہ جس کو شیخین نے ذکر کیا ہے، اور اس میں ”**وهي له نافلة**“ کی زیادتی نہیں دوسرا طریق وہ ہے جس میں یہ زیادتی ہے تو مؤلف نے اس زیادتی کو یا تو پہلی حدیث کے بیان کے لئے ذکر کیا ہے، یا یہ مؤلف سے سہو واقع ہوا ہے۔

(۶)......نیز یہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ صحاح ستہ میں سے کسی میں بھی نہیں، صرف بیہقی نے الفاظ کو نقل کیا ہے، اور دارقطنی کے الفاظ یہ ہیں ”**وهي له تطوع ولهم مكتوبة العشاء**“۔

(۷)...... امام طحاویؒ فرماتے ہیں عمرو بن دینارؒ سے ابن جریجؒ نے جیسے اس روایت کو نقل کیا ایسے ہی ابن عیینہؒ نے بھی عمرو بن دینارؒ سے اس روایت کو ابن جریجؒ سے زیادہ اچھے طریقے سے بیان کیا ہے، لیکن اس میں اس زیادتی کو بیان نہیں کیا ہے، جس کو ابن جریجؒ نے بیان کیا، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ قول ابن جریجؒ ہی کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو بن دینارؒ کا قول ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ حضرت جابرؓ کا قول ہو، بہر حال تینوں میں سے کسی کا بھی قول ہو یہ فعل معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دلیل نہیں بن سکتا۔

(۸)......اور اگر یہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ثابت ہو تب بھی اس میں دلیل نہیں کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔

(۹)......اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی احتمال باقی رہتا ہے، کہ یہ اس وقت میں کرتے تھے جب فرض نماز دومرتبہ پڑھنے کی اجازت تھی، اور ابتداء اسلام میں ایسا تھا یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کی تائید مسند احمد کی روایت سے ہوتی ہے، کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے

پاس سونے کے بعد پہنچتے ہیں، حالانکہ ہم لوگ دن بھر اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہے، پھر یہ اذان دیتے ہیں، اور جب ہم نماز کے لئے نکلتے ہیں تو یہ قراءت طویل کردیتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**یا معاذ لاتکن فتانا اما ان تصلی معی و اما ان تخفف علی قومک**" اے معاذ فتین نہ بنو یا تو میرے ہی ساتھ نماز پڑھو، اور اگر قوم کے ساتھ پڑھو، تو نماز کو ہلکا رکھو یعنی قراءت طویل نہ کرو، بہرحال اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے، یہ حدیث قابل حجت نہیں۔ (عمدۃ القاری: ۴/۳۳۳، مرقاۃ: ۳/۱۰۵)

﴿الفصل الثانی﴾

گھر میں نماز پڑھنے کے بعد جماعت میں شرکت

﴿۱۰۸۴﴾ وَعَنْ يَزِيْدِ بْنِ الْاَسْوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ آخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْئَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: أبوداؤد شریف: ۸۵/ ۱، باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۷۵۔ ترمذی شریف: ۵۲، ۵۳/ ۱، باب ما جاء فی الرجل یصلی وحدہ ثم یدرک الجماعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۱۹۔ نسائی: ۹۸، ۹۹/ ۱، باب إعادۃ الفجر مع الجماعۃ لمن صلی وحدہ، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر: ۸۵۷۔

ترجمہ: حضرت یزید بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں حاضر ہوا، پس میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل فرمائی، تو پیچھے کی طرف متوجہ ہوئے، تو دیکھا کہ دو آدمی لوگوں میں سب سے پیچھے ہیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ ان دونوں کو لایا گیا اور ان کے شانے کا گوشت کپکپا رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انھوں نے نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر کبھی ایسا مت کرنا جب تم دونوں اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ لو، پھر ایسی مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہے، تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہوگی۔

تشریح: نیل الاوتار کے اندر علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز کو دو مرتبہ پڑھا جائے اس میں کونسی فرض اور کونسی نفل ہوگی، اس بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام اوزاعیؒ اور بعض شافعیہ حضرات کا مذہب یہ ہے، اگر دوسری نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہے، اور اول بغیر جماعت کے تو دوسری والی نماز فرض ہوگی، لیکن امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ

ہے کہ پہلی ہی نماز فرض ہوگی، مالکیہ حضرات کا مذہب مختار اور بعض شافعیہ حضرات کا قول یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک لاعلی التعیین فرض ہوگی، یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کونسی فرض ہوگی، اور کونسی نفل ہوگی، مذہب اول کا مستدل ابو داؤد میں یزید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے "**فاذا جئت الصلوٰۃ فوجدت الناس یصلون فصل معھم وان کنت صلیت ولیکن لک نافلۃ وھذہ مکتوبۃ**" نیز دارقطنی کے الفاظ یہ ہے "**ولیجعل التی صلی فی بیتھا نافلۃ**" اس سے معلوم ہوا کہ پہلی نماز نفل ہوگی، اور دوسری نماز فرض ہوگی، مذہب ثانی جنہوں نے پہلی نماز کو فرض کہا ہے خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا تنہا ان کا مستدل باب کی حدیث یزید ابن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، لیکن حنفیہؒ کے نزدیک یہ شرکت فجر، عصر اور مغرب کے علاوہ کسی اور نماز میں ہوگی، لہٰذا باب کی حدیث ظہر یا عشاء پر محمول ہوگی، نیز ظالم حکام کے ساتھ نماز کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**صلی الصلوٰۃ لوقتھا فان ادرکتھا معھم فصل فانھا لک نافلۃ**" ابو داؤد میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اودی کے طریق سے مروی ہے "**اجعل صلوتک معھم سبحۃ**" نیز ابن ماجہ میں عبادۃ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے "**اجعلوا صلوتکم معھم سبحۃ**" یہ تمام روایات اس بات کے اندر صریح ہیں کہ نماز ثانی ہی نفل ہوگی، اور اگر پہلی کو نفل قرار دیا جائے، تو اس سے ایک دن میں ایک نماز کو دوبار پڑھنا لازم آئے گا، جب کہ اس کی ممانعت موجود ہے "**لاتصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین**" ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے۔

امام مالکؒ اور بعض شافعیہ حضرات کا مستدل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے "**ان رجلا ساله ایتھما اجعل صلوتی قال ابن عمر ذلک الیک وانما ذلک الی اللہ عزوجل یجعل ایتھما شاء**" یعنی یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپ دو وہ جس کو چاہئے فرض

قرار دے جس کو چاہے نفل تمہارے ذمہ تو صرف اس کی ادائیگی ہے۔

مذہب اول کا جواب: یزید ابن عامر کی روایت شاذ ہے حفاظ اور ثقہ حضرات کی روایت کے مخالف ہے، جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے کہ امام نووی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، نیز دار قطنی نے بھی اس کو شاذ اور ضعیف کہا ہے، لہٰذا یہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

مالکیہ وشافعیہ کے مستدل کا جواب: اکثر صریح اور مرفوع احادیث دوسری نماز کے نفل اور پہلی کے فرض ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے جو صریح اور مرفوع روایات کے بالمقابل قابل استدلال نہیں، لہٰذا ترجیح صریح اور مرفوع روایات ہی کو ہوگی، نیز ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک دوسرے اثر سے صراحتاً پتہ چلتا ہے، کہ پہلی ہی نماز فرض ہوگی **"انہ سئل عن الرجل یصلی الظھر فی بیتہ ثم یاتی المسجد والناس یصلون فیصلی معھم فایتھما صلوتہ قال الاولیٰ منھما"**۔

علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں کہ اوقات مکروہہ سے متعلق احادیث نہی اور یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے درمیان تعارض ہے، اس تعارض کو دفع کرنے کے لئے انھوں نے اپنی عادت کے مطابق محرم کو مبیح پر ترجیح دی ہے، یا پھر تمام ادلہ کو جمع کرتے ہوئے یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ما قبل النہی پر محمول کیا جائے گا، اور جس نے احادیث نہی کے لئے یزید ابن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ناسخ کہا ہے، بایں طور کہ یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مؤخر ہے، اس کا وقوع حجۃ الوداع میں ہے، لہٰذا یہ ناسخ ہے یہ بات تسلیم نہیں، اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نہی کی احادیث پر حجۃ الوداع کے بعد بھی عمل پیرا رہے ہیں، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے، کہ وہ

بعد العصر نفل نماز پڑھنے والے کو مارتے تھے، حتی کہ پڑھنے والا اپنی نماز سے رک جاتا تھا، بقول علامہ ابن الھمامؒ یہ عمل دیگر صحابہ کی موجودگی میں بغیر کسی نکیر کے ہوتا تھا، تو اس سے اجماع سکوتی ثابت ہوا، اب نسخ کا دعویٰ کرنا ہی باطل ہوگا۔(بذل المجھود: ۳۲۴/ ۱، فتح الملھم: ۲۱۵/ ۲، اوجز المسالک: ۲۱/ ۳)

﴿الفصل الثالث﴾

ایضاً

﴿۱۰۸۵﴾ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ۔

(رواه مالك والنسائى)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۴۶، باب إعادة الصلاة مع الامام، کتاب صلاة الجماعة، حدیث نمبر ۸۔ نسائی: ۹۸/ ۱، باب إعادة الصلاة مع الجماعة،

کتاب الامامۃ، حدیث نمبر:۸۵۶۔

ترجمہ: حضرت بسر بن مجحن رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت مجحن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (مجحن) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں تھے، نماز کے لئے اذان دی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت مجحن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا تم مسلمان شخص نہیں ہو؟ حضرت مجحن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بلاشبہ میں مسلمان ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ لی تھی، تو ان سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں کہیں سے نماز پڑھ کر آؤ، پھر مسجد میں نماز کھڑی ہو، تو تم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو، اگرچہ تم وہ نماز پڑھ چکے ہو۔

تشریح: فقہ حنفی کے مطابق آدمی کے لئے ایسی مسجد سے نکلنا مکروہ ہے، جس میں اذان ہو چکی ہو جب تک کہ نماز نہ پڑھ لے، اور اگر نماز پڑھ چکا ہے تو یہ نکلنا ظہر اور عشاء کے علاوہ میں مکروہ نہیں، ظہر اور عشاء میں اگر اقامت شروع ہو چکی ہے، تو اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے، کیونکہ ان دونوں نمازوں کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں، اسلئے وہ امام کے ساتھ نفل نماز کی نیت سے شریک ہو جائے، البتہ فجر اور عصر میں اس وجہ سے نکلنا مکروہ نہیں اسلئے کہ ان نمازوں کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب میں اس وجہ سے کہ نفل نماز تین رکعت نہیں ہوتی اور اگر چوتھی رکعت کو ملا کر شفع بنائے گا، تو اس سے امام کی مخالفت لازم آئے گی، لہٰذا دونوں صورتیں مکروہ ہیں۔

تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے، کہ جب آدمی تنہا نماز پڑھ لے، پھر جماعت کو پائے تو اس کیلئے جماعت میں شریک ہونا مستحب ہے، البتہ امام شافعیؒ اور احمدؒ تمام نمازوں میں استحباب کے قائل ہیں، اور امام مالکؒ مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں استحباب کے قائل ہیں، لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ صرف ظہر اور عشاء میں استحباب کے قائل ہیں۔ (الفیض السمائی: ۱/۲۷۸)

تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

دوبارہ نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۱۰۸۶﴾ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ سَأَلَ اَبَا اَيُّوبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَأْتِيْ الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهُ سَهْمُ جَمْعٍ۔ (رواه مالك وابوداؤد)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۴۷، باب اعادۃ الصلاۃ مع الامام، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر: ۲. ابوداؤد: ۱/۸۵، باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۷۸.

ترجمہ: اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے، پھر مسجد آتا ہے اور مسجد میں نماز کھڑی ہوتی ہے، تو کیا میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھوں، میں اپنے دل میں اس سلسلہ میں کچھ پاتا ہوں، ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے جواب دیا کہ ہم نے اس چیز کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ تو جماعت میں سے اس کا حصہ ہے۔

تشریح: جو شخص اپنی نماز پڑھ چکا تھا پھر جماعت میں شریک ہو گیا اس کو جماعت کا ثواب ملے گا، مگر کن نمازوں میں شریک ہو سکتا ہے کن نمازوں میں نہیں اس کی تفصیل اوپر گذر چکی (مرقاۃ:۳/۱۰۶)

دربارہ نماز پڑھنے کی ہدایت

﴿۱۰۸۷﴾ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَانِيْ جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِيْ صَلَاتِهِمْ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ مَنْزِلِيْ اَحْسِبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ۔ (رواه أبوداؤد)

حواله: أبوداؤد شريف: ١/٨٥، باب فيمن صلى في منزله ثم أدرك الجماعة يصلي معهم، كتاب الصلاة، حديث نمبر: ٥٧٧.

ترجمه: حضرت یزید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت میں حاضر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز

پڑھا رہے تھے، میں بیٹھ گیا، اور لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوا، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! میں بے بیشک مسلمان ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم کو لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہونے سے کس چیز نے روکا؟ حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بے شک میں نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تھی، اور میرا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز پڑھ چکے ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو نماز میں پاؤ، تو ان کے ساتھ نماز پڑھو، اگر چہ تم نماز پڑھ چکے ہو، یہ تمہارے لئے نفل نماز ہوگی، اور وہ تمہارے لئے فرض ہوگی۔

تشریح: تفصیل اوپر گذر چکی۔ (مرقاۃ: ۳/۱۰۷، بذل المجہود: ۱/۲۲۵)

دو مرتبہ نماز پڑھی تو فرض پہلی ہوگی یا دوسری؟

﴿۱۰۸۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ اِنِّيْ اُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْاِمَامِ اَفَاُصَلِّيْ مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ اَيَّتَهُمَا اَجْعَلُ صَلَاتِيْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذٰلِكَ اِلَيْكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَجْعَلُ اَيَّتَهُمَا شَاءَ۔

(رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۴۶، باب اعادة الصلاة مع الامام، کتاب صلاة الجماعة، حدیث نمبر: ۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا ہوں، اور پھر وہی نماز مسجد میں امام کے ساتھ پاؤں تو کیا امام کے ساتھ وہ نماز دوبارہ پڑھوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے فرمایا کہ ہاں! تو اس آدمی نے سوال کیا کہ ان دونوں نمازوں میں سے کس نماز کو میں اپنی فرض نماز قرار دوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا کیا تم کو اس کا اختیار ہے یعنی نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان دونوں نمازوں میں سے جس کو چاہے گا فرض قرار دے گا۔

تشریح: تفصیل اوپر گذر چکی۔

ایک نماز دو مرتبہ پڑھنے کی ممانعت

﴿۱۰۸۹﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ قَالَ اَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ اَلَا تُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتُصَلُّوْا صَلَاةً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔ (رواه أحمد وأبوداؤد والنسائی)

حوالہ: مسند أحمد: ۱۹/۲، ابو داؤد شریف: ۸۵،۸۶/۱، باب اذا صلی فی جماعة الخ، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۵۷۹۔ نسائی شریف: ۹۹/۱، باب سقوط الصلاة عن من صلی مع الامام الخ، کتاب الامامة، حدیث نمبر: ۸۵۹۔

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمانؒ سے روایت ہے کہ ہم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس اس وقت آئے جب کہ وہ چبوترہ پر بیٹھے

ہوئے تھے، اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے کہا کہ آپؓ لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں، بلاشبہ میں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ایک ہی نماز ایک دن میں دو مرتبہ مت پڑھو۔

تشریح: لاتصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین: یعنی ایک نماز کو ایک ہی وقت میں بطور فرض کے دو مرتبہ نہ پڑھو خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا بغیر جماعت کے الّا یہ کہ پہلی نماز میں کوئی ایسا نقصان واقع ہو گیا ہو جس کی وجہ سے اعادہ کرنا ضروری ہو، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف مالکیہ کے مذہب پر محمول ہے کہ اگر جماعت سے نماز پڑھی ہے تو اعادہ نہیں اور اگر انفراداً پڑھی ہے تو مغرب کے علاوہ تمام نمازوں کا جماعت کے ساتھ اعادہ کرے لیکن میرک شاہ علیہ الرحمہ کا قول یہ ہے کہ اگر اس کو مالکیہ کے مذہب پر محمول کریں گے تو یہ حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہوگی، اس لئے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر وہی نماز اپنی قوم کو جا کر پڑھاتے تھے، لیکن ملا علی قاریؒ نے علامہ میرک شاہ کے اس قول کی تردید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ فعل معاذؓ تو عدم اعادہ پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ وہ اولاً نفل کی نیت کرتے تھے، اور ثانیاً فرض کی جیسا کہ ہمارا مذہب ہے یا اس کے برعکس اولاً فرض کی نیت کرتے تھے، اور ثانیاً نفل کی جیسا کہ یہ شافعیہ کا مذہب ہے میرک شاہؒ فرماتے ہیں اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ حدیث شریف کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ فرض نماز کا انفراداً اعادہ کرنا ممنوع ہے تمام احادیث کو جمع کرتے ہوئے اس لئے کہ اصل تو اعادہ کی ممانعت ہے الّا یہ کہ اعادہ بالدلیل ہو اور اعادہ بالدلیل صرف جماعت کی صورت میں ہے، لیکن صاحب مرقاۃ ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں اعادۂ حقیقیہ کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ جہاں

جہاں اعادہ کا تذکرہ آیا ہے وہ اعادہ صوری ہے نہ کہ حقیقی، لہٰذا یہ نہی اعادۂ حقیقی پر محمول ہوگی، تمام احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کے اقوال کو جمع کرتے ہوئے یہی صورت اولیٰ وافضل اور اختیار کے زیادہ لائق ہے۔(مرقاۃ:۳/۱۰۸، التعلیق:۲/۶۴)

فجر اور مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنے کی ممانعت

﴿۱۰۹۰﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا۔

(رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک:۴۷، باب اعادة الصلاة مع الامام، كتاب صلاة الجماعة، حدیث نمبر:۱۲۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا فجر کی نماز پڑھ لی ہو پھر وہ ان دونوں کو امام کے ساتھ پائے تو ان کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی، یعنی ان نمازوں کو اگر کوئی شخص منفرداً پڑھ چکا ہے، تو پھر نفل کی نیت سے امام کے ساتھ شرکت کی گنجائش نہیں ہے، اور جو حکم فجر کا ہے وہی حکم عصر کا ہے، لہٰذا عصر کی نماز اگر کسی نے منفرداً پڑھ لی ہے، تو وہ بھی نفل کی نیت سے امام کے ساتھ عصر میں شرکت نہیں کرے گا۔ (مرقاۃ:۲/۱۱۰)

یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی مؤید ہے۔

❁❁❁

بسم الله الرحمن الرحيم

باب السنن وفضائلها

رقم الحديث:...... ١٠٩١، تا ١١١٩،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب السنن وفضائلها﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو سنت کہتے ہیں۔

پھر جاننا چاہئے کہ سنت، نفل، تطوع، مندوب، مستحب، مرغوب فیہ، حسن یہ مترادف الفاظ ہیں ان کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں اور یہ وہ عمل ہے کہ جس کے کرنے کو شارع نے اس کے ترک پر ترجیح دی ہے، حالانکہ اس کا ترک جائز ہے، اگرچہ بعض سنتیں بعض سے زیادہ مؤکد ہیں چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے اس کے اعمال میں سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب ہوگا وہ نماز ہے پس اگر نماز درست نکلی تو وہ کامیاب اور بامراد ہوگا، اور اگر نماز خراب نکلی تو وہ بندہ ٹوٹے و خسارے میں رہے گا، پھر اگر اس کے فرائض کے اندر کمی پائی گئی تو ارشاد خداوندی ہوگا، دیکھو میرے بندے کے پاس کچھ نوافل بھی ہیں اگر ہوئیں تو ان سے فرائض کی کمی پوری کر دی جائے گی، پھر دیگر تمام اعمال کو بھی اسی طرح پورا کیا جائے گا، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ نوافل صحیح و مقبول ہوتی ہیں، اگرچہ فرائض ناقص ہوں، چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے "**فان انتقص من فریضة شیئاً قال الرب تعالیٰ انظرو هل لعبدی من تطوع فیکمل به**" اس سے ثابت ہوا کہ نوافل مطلقاً صحیح و مقبول ہیں اب دوسری حدیث میں جو آیا ہے "**لاتقبل نافلة المصلی حتی یؤدی الفریضة**" یہ حدیث بظاہر سابق حدیث کے معارض ہے لیکن حقیقۃً دیکھا جائے تو کوئی تعارض نہیں کیونکہ

"لاتقبل نافلة المصلي" والی حدیث ضعیف ہے لہٰذا یہ صحیح حدیث کے معارض نہیں ہوسکتی، یا "لاتقبل نافلة المصلي" والی حدیث کا حکم ان نوافل کے متعلق ہے جو فرائض کے بعد ہیں، چونکہ ان کی صحت فرائض کی صحت پر موقوف، اس لئے کہ وہ فرائض کے لئے مکملات ومتممات ہیں ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں سنتوں کو فرائض پر مقدم ومؤخر کرنے میں ایک لطیف مناسبت ہے کیونکہ انسان کے دنیوی امور کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے نفس میں ایک ایسی کیفیت وحالت پیدا ہوتی ہے، جو حضور قلبی اور خضوع وخشوع سے بعد پیدا کرنے والی ہے، حالانکہ یہی خشوع وخضوع نماز کی روح ہے، پس جب سنتوں کو فرائض سے قبل ادا کیا جائے گا تو نفس عبادت کے ساتھ مانوس ہوگا، اور نفس میں ایسی کیفیت پیدا ہوگی جو خشوع سے قریب کرنے والی ہوگی، اب وہ فرائض کے اندر ایسی اچھی حالت میں داخل ہوگا، جو حالت اس کو سنتوں کے مقدم کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مشروعات کی چار قسمیں ہیں فرض، واجب، سنت، نفل، پس جس کا کرنا ضروری ہو ترک کی ممانعت کے ساتھ اگر اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو تو فرض ہے، اور اگر دلیل ظنی سے ہو تو واجب ہے اور جس کا کرنا اس کے ترک سے اولیٰ ہو ترک کی ممانعت کے بغیر اگر اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مداومت کی ہو تو وہ سنت ہے ورنہ مندوب ونفل ہے، پھر سنت کی دو قسمیں ہیں اول: سنت ہدیٰ جس کا ترک اساءت وکراہیت کو واجب کرتا ہے جیسے جماعت اور اذان واقامت وغیرہ۔ دوم: سنت زوائد ایسی سنت جس کے ترک سے اساءت وکراہیت لازم نہیں آتی جیسے قیام وقعود اور لباس وغیرہ کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق کو اختیار کرنا۔

نفل کا اختیار کرنے والا اجر کا مستحق ہوتا ہے، لیکن اس کا تارک گنہگار اور مجرم نہیں ہوتا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو (التعلیق الصبیح: ۲/۶۴، مرقاۃ: ۲/۱۱۰، بذل المجہود: ۲/۲۵۷)

﴿الفصل الاول﴾

سنن پڑھنے کا ثواب

﴿۱۰۹۱﴾ وَعَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ اِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ)

حواله: ترمذی شریف: ۹۴/ ۱، باب ما جاء فیمن صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۱۵۔ مسلم شریف: ۲۵۱/ ۱، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض الخ، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۸۔

ترجمه: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے ایک دن ورات میں بارہ رکعت پڑھی تو اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے، چار رکعت ظہر سے پہلے اور چار رکعت ظہر کے بعد،

دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے (ترمذی) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت ام حبیبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ جو مسلمان بندہ بھی ہر دن میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے بارہ رکعت نماز فرض کے علاوہ نفل کے طور پر پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں، یا یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیا جاتا ہے۔

تشریح: حدیث پاک کے دو مطلب ہیں:

اول: مطلب یہ ہے کہ ہر دن بارہ رکعت کے حساب سے عمر بھر کی جتنی رکعتیں ہوئیں ان تمام کے بدلہ اس کے لئے جنت میں ایک مکان بنا دیا جائے گا۔

دوم: مطلب یہ ہے کہ فی یوم ہر بارہ رکعت کے بدلہ جنت میں محل تیار ہوگا، یعنی روزانہ ایک محل۔

اس حدیث میں جو بارہ رکعتیں ذکر کی گئی ہیں یہ سنت مؤکدہ کہلاتی ہیں، جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قول وفعل سے تاکید فرمائی ہے، اور جن کا تارک لائق ملامت ہوتا ہے۔

اربعا قبل الظهر: ظہر سے قبل چار رکعتیں امام اعظمؒ کے نزدیک ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قبل الظہر صرف دو رکعتیں ہیں۔

یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے اپنے قول پر استدلال کرتے ہیں، جس میں ظہر سے پہلے دو رکعت کا تذکرہ ہے۔

امام اعظمؒ کی طرف سے ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ وہ تحیۃ الوضوء وغیرہ کی ہوتی تھیں۔

جب دو اور چار کے متعلق ارشاد پاک ہے تو احتیاط بھی یہی ہے کہ چار ادا کی جائیں۔

البتہ ان سنن مؤکدہ کی تاکید میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ سب سے مؤکدہ فجر کی سنتیں

ہیں اس کے بعد مغرب کی اور پھر ظہر کی۔

تطوعا: کالفظ بڑا وسیع ہے، اس کا اطلاق غیر فرض پر ہوتا ہے۔ (فتح الملہم: ۲/۲۸۳،
عمدۃ القاری: ۵/۵۳۶، التعلیق: ۲/۶۵، مرقاۃ: ۲/۱۱۰)

فائدہ: کچھ سنتیں نماز سے پہلے کی ہیں اور کچھ نماز کے بعد کی ہیں جو سنتیں نماز سے پہلے کی ہیں ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ فرائض میں لگنے سے پہلے سنن کے ذریعہ سے بندہ اپنی توجہ اللہ کی طرف مبذول کرلے اور جب مکمل طور پر توجہ الی اللہ حاصل ہو جائے تو فرائض میں لگے اگر فوری طور پر فرائض میں لگے تو دنیا کے خیالات اس کو ستاتے رہیں گے۔ اور جو سنتیں فرائض کے بعد ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ فرائض میں جو نقص اور کمی رہ گئی ہے وہ ان سے دور ہو جائے۔ (التعلیق: ۲/۶۴)

سنتوں کی تعداد

﴿۱۰۹۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۷، باب الرکعتان قبل الظهر، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۱۸۱۔ مسلم شریف: ۱/۲۵۱، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے پڑھی، اور دو رکعت ظہر کے بعد پڑھی، اور دو رکعت مغرب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھی، اور دو رکعت عشاء کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھی، اور مجھ سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہلکی رکعت طلوع فجر کے وقت پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا ذکر ہے، اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث بالا میں قول مبارک منقول ہے، اور اس میں قبل الظہر چار رکعت کی تصریح بھی موجود ہے۔

اس حدیث میں تو یہ بھی احتمال ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت گھر پڑھ کر تشریف لاتے ہوں اور مسجد میں تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد کی نیت سے ادا فرماتے ہوں، معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث محکم نہیں، ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث محکم ہے۔

كان يصلي ركعتين خفيفتين حين يطلع الفجر : امام طحاویؒ فرماتے ہیں اس حدیث شریف کی بنا پر ایک جماعت کا مذہب یہ ہے۔ کہ فجر کی سنتوں میں قراءت نہیں کی جائے گی۔

جب کہ ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ کو پڑھا جائے گا، اس لئے کہ حدیث شریف میں دو خفیف رکعتوں کا ذکر ہے یہی امام مالکؒ کا مشہور مذہب ہے،

تیسرا مذہب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور کسی چھوٹی سورت کے ذریعہ سے رکعتوں کو ہلکا کرے یہی امام شافعیؒ کا قول اور علماء جمہورؒ کا مذہب ہے۔

چوتھا مذہب یہ ہے کہ طویل قراءت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن جبیرؒ سے مرسل روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی طویل قراءت فرمایا کرتے تھے، یہی قول ہمارے اصحاب حنفیہ حضرات کا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے والے دونوں مذہبوں کی تردید کی ہے، اور ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن سے دونوں مذہبوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اور دونوں رکعتوں میں فاتحہ کے بعد قرأت کا ثبوت ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "انه ثبت انه علیه السلام کان یقرأ فیهما بعد الفاتحة قل یاایها الکفرون و الاخلاص" ایک روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں "قولوا آمنا بالله وما انزل الینا" اور دوسری میں "قولوا آمنا بالله" سے "ونحن له مسلمون" تک پڑھا کرتے تھے، نیز ایک روایت کے مطابق دوسری رکعت میں "ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاهدین" پڑھا کرتے تھے، اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت میں "قل یا اهل الکتاب" پڑھا کرتے تھے، اور ان کو ہلکا رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات بیداری کے اندر گذارتے تھے، لہٰذا مقصود یہاں فرض کے واسطے پورے طور پر نشاط اور مستعدی کو باقی رکھنا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کلام کو مبالغہ پر محمول کیا جائے گا، اس بارے میں امام مالکؒ کا مستدل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مسلم شریف کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت پڑھتے تو ان کو ہلکا کرتے تھے حتی کہ میں کہنے لگی "هل قرأ فیهما بام القرآن" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے؟۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول "هل قرأ فیهما بام القرآن" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ قراءت کے بارے میں شک میں پڑ گئیں کہ حضرت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت فرمائی ہے یا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوافل کے اندر طویل قراءت فرمایا کرتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں میں تخفیف فرمائی تو وہ تخفیف دوسری نمازوں کی بنسبت اس درجہ کی تھی گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت ہی نہیں فرمائی، یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل قرأت ہی نہیں فرمائی۔

حدیث شریف میں معیت سے معیت فی المشارکت مراد ہے نہ کہ معیت فی الجماعۃ اس کی نظیر کلام پاک میں "واسلمت مع سلیمان للہ رب العلمین۔ عمدۃ القاری: ۵/۵۴۳، فتح الملہم: ۲/۲۸۱، مرقاۃ: ۳/۱۰۹)

جمعہ کی سنتوں کا بیان

﴿١٠٩٣﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ١/١٢٨، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، كتاب الجمعة، حديث نمبر: ٩٣٧. مسلم شريف: ١/٢٨٨، كتاب صلاة المسافرين، باب في استحباب اربع ركعات وركعتين قبل الجمعة الخ.

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے پھر دو رکعت پڑھتے تھے۔

تشریح: فیصلی رکعتین فی بیته: اس سے بعض حضرات نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جمعہ کے بعد میں دو رکعت ہیں، یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ اور دوسری روایتوں سے چار معلوم ہوتی ہیں جمع بین الروایتین کی بناء پر امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بعد الجمعہ چھ رکعتیں ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۱)

فائدہ: اس سے بعض حضرات نے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ سنن ونوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے اسلئے کہ یہ ریا سے بھی دور ہے گھر میں برکت کا بھی ذریعہ ہے اہل خانہ کو بھی نماز کی ترغیب ہوتی ہے۔

سنن کی تفصیل

﴿۱۰۹۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِه فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكْعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَكَانَ اِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَكَانَ اِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ اَبُوْ دَاؤُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ)

حواله: مسلم شريف: ۱/۲۵۲، باب جواز النافلة الخ، كتاب

الصلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۱۷۳۰۔ابوداؤد شریف:۱/۱۷۸، باب تفریع ابواب التطوع، کتاب التطوع، حدیث نمبر:۱۲۵۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نمازوں کے بارے میں دریافت کیا،تو آپ نے فرمایا کہ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے، پھر آپؐ تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے اور پھر تشریف لاتے تو دورکعت پڑھتے اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر تشریف لاتے تو دورکعت نماز پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے پھر تشریف لاتے تو دورکعت نماز پڑھتے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نورکعت نماز پڑھتے تھے،ان میں وتر بھی شامل ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دیر تک کھڑے ہوکر اور دیر تک بیٹھ کر پڑھتے تھے، جب کھڑے ہوکر قراءت کرتے تو کھڑے ہوکر ہی رکوع وسجدہ کرتے اور جب بیٹھ کر قراءت کرتے تو بیٹھ کر ہی رکوع وسجدہ کرتے، اور جب فجر طلوع ہوتا تو دورکعت نماز پڑھتے (مسلم) ابوداؤد نے مزید یہ بات نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے۔

تشریح: قبل الظهر اربعا: یہ حدیث بھی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے موافق ہے اور اس کی تائید کرتی ہے۔

نماز وتر اور تہجد

تسع رکعات فیهن الوتر: حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز نورکعت پڑھتے اور کبھی گیارہ تو کبھی نو سے بھی کم پڑھتے

حالانکہ ان میں وتر نماز بھی ہوتی تھی اب آیا وتر اور تہجد ایک ہی نماز ہے یا تہجد وتر کے علاوہ ہے، تو ابن الملکؒ فرماتے ہیں اس بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ وتر اور تہجد ایک ہی نماز ہے دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں اب آیا اگر کوئی تیرہ رکعت سے زائد پڑھے تو اس کی پوری نماز وتر ہوگی، یا صرف ایک رکعت وتر ہوگی، اور باقی صلوٰۃ اللیل شمار ہوگی، تو اس بارے میں جو احادیث مبارکہ وتر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ تمام ہی وتر ہے، اور صلوٰۃ اللیل وتر کے علاوہ نہیں الا یہ کہ اس شخص کے حق میں جو سونے سے قبل وتر پڑھ لے اور پھر سو جائے اور بیدار ہونے پر نماز پڑھے تو یہ اس کے حق میں صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کی نماز کہلائے گی، حالانکہ یہ احناف کے خلاف ہے اس لئے کہ وتر کی نماز تہجد کے علاوہ ہے، اور وتر احناف کے نزدیک واجب ہے جو ایک سلام کے ساتھ تین رکعت پر منحصر ہے، حنفیہ کے نزدیک اول لیل یا آخر لیل کی بھی قید نہیں بشرطیکہ اس کا وقوع عشاء کے بعد ہو خواہ قبل النوم ہو یا بعد النوم، لیکن آخر لیل تک اس کو مؤخر کرنا اس شخص کے لئے افضل ہے جس کو بیدار ہونے پر پورا اعتماد ہو، فرمان رسالت "اجعلوا آخر صلوتکم بالليل وترا" کی وجہ سے، البتہ تہجد کی نماز تو یہ بالاتفاق سنت ہے، اور یہ آخر لیل کے ساتھ مطلقاً مقید ہے، یا اس نوم کے ساتھ جو آخر لیل سے قبل ہو۔ (مرقاۃ: ۳/۱۱۰، بذل المجہود: ۲/۲۵۷)

نفل نماز میں قرأت قائماً وقاعداً

فاذا قرأ وهو قائم ركع وسجد وهو قائم واذا قرأ وهو قاعد ركع وسجد وهو قاعد: یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کھڑے ہوکر فرماتے تو رکوع سجدہ بھی کھڑے کھڑے ہی فرماتے اور اگر بیٹھ کر قراءت فرماتے تو بیٹھے بیٹھے ہی رکوع سجدہ فرماتے، ایسا نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قراءت تو بیٹھ کر فرماتے اور پھر رکوع سجدہ

کیلئے مستقل کھڑے ہوکر رکوع سجدہ فرماتے تھے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ رکوع سجدہ کیلئے کھڑے ہونا اس شخص کیلئے مکروہ ہے جس نے بیٹھ کر نماز شروع کی ہو، لیکن دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہاں انتقال افضل کی طرف ہے، فریق ثانی کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، چنانچہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ اللیل بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا حتی کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر کو پہنچ گئے، پس آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم قراءت بیٹھ کر کرتے تھے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوکر تیس یا چالیس آیات کی قراءت فرما کر پھر رکوع کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر رکوع فرمایا باوجودیکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو بیٹھ کر شروع فرمایا ہے، اور یہی اولیٰ وافضل ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ ابویوسفؒ اور محمدؒ کا ہے بہرحال تمام احادیث مبارکہ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا درست ہوگا، کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز تین طرح پڑھتے تھے، جیسا کہ مواہب میں ہے کہ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی ہیئت تین قسم کی ہوتی تھی۔

(۱)......قراءت کھڑے ہوکر فرماتے اور کھڑے کھڑے ہی رکوع سجدہ میں چلے جاتے۔

(۲)......بیٹھ کر قراءت فرماتے اور بیٹھے بیٹھے ہی رکوع سجدہ میں چلے جاتے۔

(۳)......بیٹھ کر قراءت فرماتے اور جب قراءت کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ جاتا تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے اور اس بقیہ قراءت کو پورا کرکے کھڑے کھڑے ہی رکوع سجدہ میں چلے جاتے۔ (بذل المجہود: ۲۵۷، فتح الملہم: ۲/۲۸۴، مرقاۃ: ۳/۱۱۱)

فجر کی سنتوں پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت

﴿۱۰۹۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ

يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۵٦/۱، باب تعاهد رکعتی الفجر، کتاب التهجد، حدیث نمبر:۱۱٦۹۔مسلم شریف: ۲۵۱/۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر:۷۲۴۔

حل لغات: تعاهدا: نگرانی کرنا۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نمازوں میں کسی نماز کی اتنی زیادہ مواظبت نہیں فرماتے تھے جتنی فجر کی دو رکعت سنت کی مواظبت فرماتے تھے۔

فجر کی سنتوں کی تفصیل

تشریح: علی شئ من النوافل: اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ فجر کی سنتوں کی فضیلت سب سے زیادہ ہے نیز ان کی حیثیت سنت ہی کی ہے وجوب کی نہیں، یہی جمہور کا قول ہے، لیکن حسن بصریؒ کا قول یہ ہے کہ ان دو رکعتوں کی حیثیت وجوب کی ہے ان کا مستدل بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعت کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے باب کی حدیث سے بعض شافعیہ حضرات نے استدلال کیا ہے کہ امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے کہ فجر کی سنتیں نوافل میں سب سے افضل ہیں، لیکن امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ افضل تطوعات وتر ہیں، حالانکہ ہمارے نزدیک وتر واجب اور فجر کی دو رکعت نماز سنن میں سب سے زیادہ مؤکد ہیں فجر کی سنتوں کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ابو داؤد شریف

میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لاتدعوا رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل" کہ فجر کی دو رکعت نہ چھوڑنا چاہئے اگرچہ تمہیں گھوڑے کیوں نہ روند ڈالیں، اس سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ جب آدمی فجر کی نماز میں اس حال میں پہونچے کہ اس نے سنت نہ پڑھی ہوں تو اگر ایک رکعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور دوسری کے ملنے کی امید ہو ہو تو سنتیں مسجد کے دروازے پر ادا کرلے پھر مسجد میں داخل ہو اور سنتوں کو ہرگز نہ چھوڑے البتہ جب فرض کے بالکل فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور سنتیں نہ پڑھے، پھر اگر یہ سنتیں فوت ہو جائیں تو ان کی قضا کرے یا نہیں؟ اگر کرے تو کس وقت، اس میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا قول اظہر یہ ہے کہ ان کی ہمیشہ قضا کی جائے گی، اگرچہ صبح کے بعد ہی کیوں نہ ہو یہی قول عطاء اور طاؤس کا ہے ایک جماعت کے رائے یہ ہے کہ طلوع شمس کے بعد ان کی قضا کرے یہ قول امام احمدؒ اسحاقؒ اوزاعیؒ ابو داؤد وغیرہ کا ہے، امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک فجر کی سنتوں کی قضا نہیں۔ (مرقاۃ:۲/۱۱۲)

فجر کی سنن کی اہمیت

﴿۱۰۹۶﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر:۷۲۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''فجر کی دو رکعت (سنت) دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔

تشریح: خیر من الدنیا و ما فیها: کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں فنا ہونیوالی ہیں، اور ان میں زحمت کا شائبہ بھی رہتا ہے بخلاف اخروی نعمتوں کے کہ ان میں زوال وفنا کا احتمال وشائبہ تک نہیں، اور نہ کسی قسم کی زحمت وکلفت ہے، اس لئے ان کو افضل ہونا ہی چاہئے۔

مطلب یہ ہے کہ مال وجاہ اور ہر ایسی چیز جس کا تعلق دنیا سے ہو تو ان سب سے بہتر اور افضل فجر کی دو رکعت ہیں یہاں وہ اعمال صالحہ مراد نہیں ہیں جن کا صدور بندوں سے ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ۳/۱۱۲)

قبل المغرب دو رکعت

﴿۱۰۹۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ فِيْ الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۷/۱، باب الصلاۃ قبل المرب، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۱۸۳۔ مسلم شریف: ۲۷۸/۱، باب استحباب رکعتین قبل المغرب، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۸۳۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھو،

تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے پڑھے، اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا کہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں۔

تشــریح: مغرب سے پہلے سنت پڑھنا جائز ہے مگر بعض جمہور کے نزدیک مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے۔

لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة: یعنی یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو ان کو پڑھنا چاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ناگوار سمجھی کہ کہیں لوگ ان دو رکعتوں کو سنت سمجھ کر مداومت اختیار نہ کرلیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار میں حکم نہ فرما کر ''لمن شاء'' فرمادیا، مغرب سے قبل دو رکعت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ صحابہؓ کی ایک جماعت اور امام احمدؒ واسحاقؒ وغیرہ کی رائے یہ کہ غروب اور مغرب کی نماز کے درمیان دو رکعت مستحب ہیں، ان حضرات کا مستدل باب کی حدیث ہے، لیکن خلفاء راشدین ائمہ ثلاثہ اور اکثر فقہا کرام کا مذہب یہ ہے کہ یہ دو رکعت مستحب نہیں، کیونکہ اس سے مغرب کی نماز میں حقیقی یا وقت مختار سے تاخیر لازم آئے گی، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مغرب سے قبل دو رکعت کے بارے میں معلوم کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو یہ دو رکعت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، البتہ جو صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ نے ان کو پڑھا ہے تو اس کو اول اسلام پر محمول کرنا ممکن ہے، یا پھر بیان جواز پر، یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی اور صحیحین کی حدیث میں جو ''عند کل اذان صلوٰۃ'' آیا ہے یہ مطلق ہے اور مقید ہے، مغرب کے علاوہ کے ساتھ، اسی طرح مسلم کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ ان دو رکعت کے لئے اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے تھے، تو اس میں حق یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے اس لئے کہ اثبات ابتداء پر محمول ہے اور نفی انتہا پر محمول ہے جس کو مزید

تفصیل درکار ہو وہ علامہ ابن الہمام کی کتاب فتح القدیر ملاحظہ فرمائے۔(التعلیق:۲/۶۷، مرقاۃ:۳/۱۱۲)

سنت بعد الجمعہ

﴿۱۰۹۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا)

حوالہ: مسلم شریف :۱/۲۸۸، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر:۸۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص تم میں سے جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعت نماز پڑھے“ (مسلم) مسلم شریف کی ایک دوسری روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ جمعہ کے بعد چار رکعات نماز پڑھے۔

تشریح: اس حدیث میں جمعہ کے بعد چار رکعت کا تذکرہ ہے، جب کہ پہلی حدیث میں دو کا ذکر تھا، اس لئے جمع بین الروایتین کی صورت یہی ہے کہ چھ پڑھ لے، تا کہ دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے۔

من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل اربعاً: ابن الملک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہیں

یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا اور امام محمدؒ کا ہے، اور یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھنا سنت ہے، اور ابن عمرؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد گھر جا کر دو رکعت پڑھتے تھے، بہر حال بعد الجمعہ سنن کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے آیا وہ دو رکعت ہیں یا چار یا چھ تو اس بارے میں امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ اور احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے بعد دو رکعت ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چار رکعت ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چھ رکعت ہیں، امام ابو یوسف کے قول کے اندر تمام روایات جمع ہو جاتی ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی روایت کے اندر چار رکعت پڑھنے کا حکم ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھی ہیں، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو جمع کرتے ہوئے چھ رکعت ہوئیں، یہی قول حضرت علیؓ سے مروی ہے، چنانچہ فرماتے "من کان منکم مصلیا بعد الجمعة فلیصل ستاً" تم سے جو کوئی جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چھ رکعت پڑھے یہی امام طحاویؒ کا مذہب مختار ہے، اور یہی ایک روایت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بھی ہے، لیکن امام صاحب کا مشہور مذہب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، اور باب کی حدیث ان کا مستدل ہے اور امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جمعہ کے بعد مسجد میں نماز ہی نہ پڑھے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جمعہ کے بعد نماز ہی نہیں پڑھتے تھے، ان کا مستدل حضرت ابن عمرؓ کی ہی روایت ہے، پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ چار رکعت کو دو رکعت سے پہلے پڑھے کیونکہ چار رکعت سے مماثلت لازم نہیں آئے گی، اور دو رکعت کو مقدم کرنا مکروہ ہے، اور اس سے جمعہ کی دو رکعت سے مماثلت لازم آئے گی، جو کہ منہی عنہ ہے۔ (بذل المجہود: ۲/۲۵۸، مرقاۃ: ۳/۱۱۲، فتح الملہم: ۲/۴۲۲)

﴿الفصل الثانی﴾

ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتیں

﴿۱۰۹۹﴾ وَعَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰى أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة)

حوالہ: مسند أحمد: ۱/۳۲۶. ابو داؤد شریف: ۱/۱۸۰، باب اربع قبل الظهر وبعدها، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۲۶۹۔ ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب منه، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۲۷۔ نسائی: ۲۱۰، باب ثواب من صلى اثنى عشر ركعة الخ، کتاب قيام الليل، حدیث نمبر: ۱۸۱۵۔ ابن ماجة: ۸۱، باب فيمن صلى قبل الظهر اربعاً، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۱۱۶۰۔

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار رکعات نماز پڑھنے پر مواظبت کی، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ اس پر حرام کردیں گے۔

تشریح: و اربع بعدھا: تجزیہ! دو سنت دو نفل۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ سنتوں پر عمل کرے گا مواظبت کے ساتھ اس کے لئے

اس حدیث میں بشارت عظمیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام کردیں گے، یا تو مراد یہ ہے کہ اس کو جہنم میں ڈالیں گے ہی نہیں یا پھر خلود فی النار کی نفی ہے۔(بذل:۲/۲۵۶، مرقاۃ:۲/۱۱۳)

ظہر سے قبل چار رکعات کی فضیلت

﴿۱۱۰۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاِنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّھْرِ لَیْسَ فِیْھِنَّ تَسْلِیْمٌ تُفْتَحُ لَھُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۰، باب الاربع قبل الظھر وبعدھا، کتاب التطوع، حدیث نمبر:۱۲۷۰۔ ابن ماجہ: ۸۰، باب فی اربع الرکعات قبل الظھر، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۱۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’چار رکعات ظہر سے پہلے کہ ان میں سلام نہ پھیرا جائے‘‘ اس نماز کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث شریف بھی اربعا قبل الظھر پر دلالت کرتی ہے۔

تفتح لھن ابواب السماء: نماز کے واسطے یا اس عمل کے واسطے دروازے کھل جاتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ جب تم آ ؤ گے تو ہم دروازے کھول دیں گے۔

لیس فیھن تسلیم: یعنی چار رکعت ایک ہی تحریمہ اور ایک ہی سلام سے پڑھے شرح السنہ میں ہے کہ سنن نہار کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ صلوۃ النہار بھی صلوۃ اللیل کی طرح دو دو ہی رکعت ہے، لیکن اس کے برعکس

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ رات میں دو دو رکعت اور دن میں چار چار رکعت نفل پڑھنا افضل ہے یہی قول صاحبین رحمہما اللہ کا ہے، لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ دن ورات میں چار چار رکعت ہی پڑھنا افضل ہے، ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہ اختلاف اس صورت میں جس میں ایک یا دو سلام ایسے ہی دو یا چار رکعت کی تعین وارد نہ ہوئی ہو۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۳)

سنت زوال

﴿۱۱۰۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔ رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۰۸، باب ما جاء فی الصلاۃ عند الزوال، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۷۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے، اور فرمایا کہ یہ ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، چنانچہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی نیک عمل چڑھے۔

تشریح: یہ حدیث بھی اربعا قبل الظهر پر دلالت کرتی ہے، گو بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ تو زوال کے بعد علاحدہ سے مستقل ایک نماز ہوتی تھی اس کا ظہر کی سنتوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

انها ساعة تفتح فيها: یہ آسمانوں کے دروازے کھلنے کا وقت ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب بھی آسمان کا کوئی دروازہ کھلے تو میرا اچھا عمل اوپر چڑھے۔

یہ چار رکعت ہمارے نزدیک ظہر کی سنتیں ہیں لیکن شافعیہ حضرات کا قول یہ ہے کہ یہ سنت ظہر نہیں بلکہ یہ صلوٰۃ زوال ہے یہی قول علامہ عراقی کا ہے کہ یہ چار رکعت سنت ظہر کے علاوہ ہیں اور انہیں کا نام سنت زوال ہے۔(عرف الشذی: ۱۰۸/۱،مرقاۃ: ۲/۱۱۳)

قبل عصر چار رکعات کی فضیلت

﴿۱۱۰۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ إِمْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔ (رواه احمد والترمذی وابو داؤد)

حواله: مسند أحمد: ۱/۱۱۷، ترمذی شريف: ۱/۹۸، باب ما جاء في الاربع قبل العصر، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۳۰۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے۔

تشريح: رحم الله الخ: اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے۔

یہ جملہ خبریہ بھی ہوسکتا ہے اور دعائیہ بھی ہوسکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس نماز کا

اہتمام کرے گا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو جائے گا، یہ نماز سنن مؤکدہ میں سے نہیں اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا

﴿۱۱۰۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب ما جاء فی الاربع قبل العصر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۲۹۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور جن مسلمین اور مؤمنین نے ان کی پیروی کی ہے ان پر سلام بھیجنے کے ذریعہ فصل کرتے تھے۔

تشریح: بالتسلیم: دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ دو سلاموں سے چار رکعت پڑھے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ قعدہ تشہد سے فصل کرے اور تسلیم سے مراد "وعلی عباد اللہ الصالحین" ہے جو تشہد میں ہے۔

نیز علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں تسلیم سے تشہد ہی مراد ہے سلام مراد نہیں ہے لفظ

تسلیم کے ساتھ اس کو اس لئے ذکر کیا گیا کہ سلام تشہد کے اندر موجود ہے، بقول علامہ طیبیؒ کے اس کی تائید حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نماز پڑھتے تھے تو عباد اللہ سے پہلے السلام علیٰ اللہ السلام علی جبریل کہتے تھے، اور یہ سب کچھ تشہد کے اندر موجود ہے، ابن حجرؒ نے علامہ بغوی کے قول کی تردید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ الفاظ حدیث اس کی اجازت نہیں دیتے اور تسلیم سے یہاں نماز سے حلال ہونا مراد ہے، پس سلام پھیرنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ السلام علیکم کے اندر اپنے دائیں بائیں اور پیچھے کی جانب ملائکہ مومن انس وجن سب کی نیت کرے لیکن قول اول یعنی علامہ بغوی کا قول ہی انسب الیٰ المذهب ہے یہاں اختلاف جواز وغیر جواز کا نہیں بلکہ صرف اولویت اور غیر اولویت کا ہے اثار وسنن کے مختلف ہونے کی وجہ سے، امام محمدؒ اور امام قدوریؒ نے مصلی کو اختیار دیا ہے کہ چاہے عصر سے قبل دو رکعت پڑھے یا چار رکعت پڑھے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۴، التعلیق: ۲/۶۸)

عصر سے قبل دو رکعت

﴿۱۱۰۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۰، باب الصلاة قبل العصر، كتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۲۷۲۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عصر سے پہلے صرف دو رکعت ہیں، جب کہ اس سے ماقبل دو روایتیں گذریں جن میں عصر کی فرض سے پہلے چار رکعت کا تذکرہ ہے اسی اختلاف روایات کی بناء پر احناف کہتے ہیں کہ عصر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن چار رکعت پڑھنا افضل ہے، حسب موقع جس طرح چاہئے پڑھے۔ (مرقات: ۲/۱۱۴، مطبوعہ بمبئی، التعلیق: ۲/۶۸)

مغرب کے بعد چھ رکعت نماز

﴿۱۱۰۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَکْعَاتٍ لَمْ یَتَکَلَّمْ فِیْمَا بَیْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ سَنَةً۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَانَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِیْلَ یَقُوْلُ هُوَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ وَضَعَّفَهُ جِدًّا

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب ما جاء فی فضل التطوع، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان کے درمیان زبان سے کوئی بری بات نہیں نکالی تو یہ چھ رکعتیں اس کے حق میں بارہ سال کی عبادت قرار دی جائیں گی۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کو

ہم نہیں جانتے مگر عمر بن ابی خثعم کی سند سے اور میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے ہوئے سنا کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور اس کو امام بخاریؒ نے بہت ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھنے کا جو ثواب ہے اس کو بیان کیا گیا ہے، اس نماز کا نام اوابین مشہور ہے، ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الاوابین کا نام حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، اصل میں اواب کے معنی ہیں رجوع کرنے والا اور صلوٰۃ الاوابین کا مطلب ہوا رجوع کرنے والوں کی نماز یعنی اس نماز کا اہتمام وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔

مذکورہ نماز کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، چنانچہ حدیث مذکور بھی ضعیف ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے بیان کیا ہے، لیکن فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر اور قابل عمل ہیں، لہٰذا اس ضعیف حدیث سے بعد مغرب اوابین کی نماز کا استحباب ثابت ہو جائے گا۔ (مرقات: ۲/۱۱۴، مطبوعہ بمبئی)

مغرب کے بعد بیس رکعتوں کا ذکر

﴿۱۱۰۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب ما جاء فی فضل التطوع کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۳۵۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جس نے مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعات نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

تشریح: گذشتہ حدیث میں جس نماز کا ذکر تھا اسی نماز کا اس حدیث میں بھی ذکر ہے پس فرق یہ ہے کہ وہاں چھ رکعتوں پر بشارت تھی، اور یہاں بیس رکعتوں پر، اس لئے علماء نے لکھا ہے صلوٰۃ الاوابین کی کم سے کم تعداد دو رکعت ہے، اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہے۔ (مرقات: ۱۱۵/۲، مطبوعہ بمبئی)

عشاء کی نماز کے بعد سنتیں

﴿۱۱۰۷﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّى أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ أَوْ سِتَّ رَكْعَاتٍ۔ (رواه ابو داؤد)

حواله: ابو داؤد شريف: ۱۸۵/۱، باب الصلاة بعد العشاء، كتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۳۰۳۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار رکعات یا چھ رکعات نماز پڑھتے۔

تشریح: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آتے اور گھر میں آکر چار یا چھ رکعات نماز پڑھتے حرف ”او“ یا شک کے لئے ہے یا تنویع کے لئے ہے دونوں احتمال ہے۔

اکثر روایات میں چار رکعات کا ذکر ہے اس حدیث میں چھ کا ذکر بھی ہے بہر حال چھ پڑھتے ہوں یا چار، ان میں دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں باقی نفل ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۱۱۵)

فجر سے پہلے اور مغرب کے بعد کی سنتیں

﴿۱۱۰۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَإِدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف:۱/۱۶۳، باب ومن سورة الطور، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر:۳۲۷۵۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ادبار النجوم" سے مراد فجر سے پہلے کی دو رکعت سنت ہیں اور "ادبار السجود" سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت ہیں۔

تشریح: قرآن شریف میں جو ادبار النجوم آیا ہے اس سے مراد رکعتان قبل الفجر ہیں، اور ادبار السجود جو قرآن شریف میں ہے اس سے مراد رکعتان بعد المغرب ہیں۔

ادبار النجوم الرکعتان قبل الفجر: ادبار کو اعراب حکائی کی بنا پر منصوب پڑھا جائے گا، نیز مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع پڑھنا بھی صحیح ہے، مبتدا ہونے کی حالت میں اس کی خبر "الرکعتان قبل الفجر" ہوگی، ادبار و دبور کے معنٰی ذھاب یعنی چلے جانا اور گذرنے کے ہیں، مطلب یہ ہوگا ستاروں کے چلے جانے کے بعد دو رکعتیں ہیں

اور یہی فجر کی سنتیں ہیں اور "ادبار السجود" میں سجود سے مغرب کے فرض مراد ہیں یعنی مغرب کے فرائض کے بعد دو رکعتیں ہیں اور یہی مغرب کی سنتیں ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۱۱۵، التعلیق:۲/۶۹)

﴿الفصل الثالث﴾

ظہر سے پہلے کی چار رکعات کی فضیلت

﴿۱۱۰۹﴾ وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِيْ صَلَاةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَأَ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ۔ (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان)

حواله: ترمذی شریف:۱/۱۴۵، باب ومن سورة النحل ، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر:۳۱۲۸۔ البیهقی فی شعب الایمان: ۱۲۲، ۱۲۳/۴، باب فی الصلوات، حدیث نمبر:۳۰۷۲۔

ترجمه: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد کی سنتیں تہجد کی نماز کی طرح شمار ہوتی ہیں، اس وقت ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت "یتفیؤا ظللٰه الخ" پڑھی، ہر چیز کے سائے ڈھلتے

ہیں ان کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے عاجز ہونے کی حالت میں۔

تشریح: یعنی جتنی فضیلت رات کو نماز پڑھنے کی ہے اتنی ہی فضیلت قبل الظہر بعد الزوال چار رکعت پڑھنے کی ہے۔

بعض حضرات نے اس کو بھی سنت کہا ہے، اور بعض نے اس کو الگ سے صلوۃ زوال کہا ہے۔

وما من شئ الا یسبح: اس وقت ہر شئی جلال خداوندی کی وجہ سے تسبیح پڑھتی ہے، مگر بعض خارجی اوقات میں اس کا ظہور ہوتا ہے، ہم تو ان کی آواز نہیں سنتے، زوال کے وقت سب چیز تسبیح پڑھتی ہیں، چونکہ اس وقت بڑے عروج والی شئی یعنی سورج جو اس سے پہلے تپ رہا تھا، روشنی پھیلا رہا تھا، جوانی اور شباب پر تھا، اس کو زوال آجاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے "سبحان اللہ" اللہ پاک ہے زوال سے اور ہر نقص سے۔ (مرقات: ۲/۱۱۵، التعلیق: ۲/۶۹، ۷۰)

عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ذکر

﴿۱۱۱۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ۔ (متفق علیه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَاتَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۸۳، باب ما یصلی بعد العصر فی الفوائت، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۹۱۔ مسلم شریف: ۱/۲۷۷،

باب معرفة الرکعتین کان یصلیها النبی صلی اللہ علیه وسلم بعد العصر، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۸۳۵۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس عصر بعد دو رکعت کبھی نہیں چھوڑیں۔ (بخاری ومسلم) ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں کا پڑھنا کبھی نہیں ترک کیا، یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ سے جا ملے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت التزام کے ساتھ پڑھتے تھے اس کے بالمقابل بہت سی احادیث میں عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے اور امت کو اس نماز سے منع کیا گیا ہے اس لئے "رکعتین بعد العصر" کا سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے، اور دلیل خصوصیت "لاصلوۃ بعد العصر" ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے واسطے بھی جائز سمجھتی تھیں، اسوجہ سے خود بھی پڑھتی تھیں، شاید انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی ہو، یہ گھر کا قانون تھا، یا پھر یہ ان کی بھی خصوصیت تھی، کیونکہ سب کے گھر والوں کی کچھ خصوصیتیں ہوتی ہیں۔ (مرقات:۱۱۶/۲، مطبوعہ بمبئی)

نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کا مسئلہ

﴿۱۱۱۱﴾ وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْاَيْدِيَ عَلٰى

صَلاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهُ أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۷۸/۱، باب استحباب رکعتین قبل الصلاۃ المغرب، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۸۳۷۔

ترجمہ: حضرت مختار بن فُلفُلؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عصر کے بعد نفل نماز کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر کے بعد نماز پڑھنے والوں کے ہاتھوں پر ضرب لگاتے تھے، اور ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج غروب ہونے کے بعد مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت مختارؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو پڑھتے تھے؟ اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اس نماز کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہم کو اس نماز کا حکم کرتے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روکتے تھے۔

تشریح: فلفل بعض نے فِلفِل اور بعض نے فُلفُل کہا ہے۔

بعد الغروب قبل المغرب: اس سے نماز کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس کے سب قائل ہیں مگر امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ ناپسندیدہ ہے۔

علامہ ابن الھمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ مغرب سے قبل دو رکعت مستحب ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے میں ائمہ کی ایک جماعت کی رائے یہی ہے، کہ مغرب سے پہلے دو رکعت

مستحب ہیں یہی قول امام احمد ابن حنبلؒ کا ہے، لیکن سلف میں اکثر حضرات نے اس کا انکار کیا ہے یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے، گروہ اول کی دلیل بخاری شریف کی روایت "صلوا قبل الغروب" اور ابوداؤد میں "صلوا قبل المغرب رکعتین" نیز ابن حبان کی روایت "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی قبل المغرب رکعتین" ایسے ہی صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت "کان المؤذن اذااذن المغرب قام ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبتدرون السواری" وغیرہ ہیں، لیکن ائمہ ثلاثہ وغیرہ کا مستدل ابو داؤد میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، چنانچہ ان سے مغرب سے قبل دو رکعت کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا "ما رأیت احداً علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیهما" جب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح حدیث معارض ہے، بخاری کی روایت کے پھر اکابر صحابہ جیسے خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل بھی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ہے، حتی کہ ابراہیم نخعی کی مرسل روایت جس کو امام ابو حنیفہؒ نے حماد بن سلیمان سے روایت کیا ہے اس میں منع فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمرؓ لم یکونوا یصلونهما" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو رکعتوں کو نہیں پڑھتے تھے، رہی ابن حبان وغیرہ کی روایت جو صحیحین کے مطابق ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں کو پڑھا ہے تو یہ روایت ابراہیم نخعیؒ کی مرسل روایت کے معارض نہیں، کیونکہ اس بات کا جواز وامکان موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فائتہ کی قضاء کی ہو، چنانچہ اس کا ثبوت موجود ہے، طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا، کہ کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب سے قبل دو

رکعت پڑھا کرتے تھے، تو ان کا جواب نفی میں تھا، حالانکہ یہ ایسی چیز ہے جس کو ان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، نیز حضرت کریب مولیٰ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے، ان میں مشغولی کی وجہ سے ظہر کے بعد دو رکعت نہ پڑھ سکا یہ وہ دو رکعت ہیں، اور یہی مطلب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول **"ما ترک رسول الله صلی الله علیه وسلم رکعتین بعد العصر عندی قط"** کا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں مشغولی کی وجہ سے دو رکعت نہیں پڑھ سکتے تھے، تو ان کی قضا عصر کے بعد فرماتے تھے، پھر ان پر مداومت اختیار کی چونکہ روایت میں دوام کی خبر دی گئی ہے، یا پھر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی جیسا کہ ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، چنانچہ فرماتی ہیں **"ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان من خصوصیاته یواصل وینهیٰ عن الوصال ویصلی بعد العصر وینهیٰ عنها"** یہ نص صریح وجلی ہے، اس بارے میں کہ یہ دو رکعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھیں، پس مناسب نہیں ہے کسی کے لئے کہ وہ ان اوقات میں نفل نماز پڑھے، نیز بقول علامہ ابن الہمامؒ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھنے میں مندرجہ ذیل خرابیاں لازم آئیں گی، چنانچہ فرماتے ہیں میرے نزدیک وجہ کراہیت یہ ہے کہ لوگ جب مغرب سے قبل دو رکعت پڑھیں گے، تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک دفعہ میں ہی متفق ہو کر ایک ہی وقت میں تحریمہ کہیں بلکہ مقدم ومؤخر ضرور ہوں گے اور پھر اس کو جلدی یا دیر سے پورا کرنا لازم آئے گا، اب اگر امام سب کا انتظار کرے گا تو اس سے مغرب میں تاخیر لازم آئے گی، اور اگر انتظار کئے بغیر شروع کرے گا، تو پھر لوگوں کا اقامت کے وقت نفل پڑھنا لازم آئے گا، حالانکہ یہ بھی مکروہ ہے، نیز تکبیر اولیٰ ان سے فوت ہو جائے گی، اور اگر لوگ اذان کے وقت ہی تحریمہ کہتے ہوئے نماز شروع کر دیں

گے، تو اس سے اجابت اذان فوت ہوگی، حالانکہ ارشاد نبوی ہے "فقولوا مثل ما یقول المؤذن" ان تمام صورتوں میں مامور بہ کا ترک لازم آئے گا، لہٰذا تمام حالات وروایات اور اقوال وافعال کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجیح اسی کو ہوگی، جس پر ائمہ ثلاثہ اور خلفاء راشدین کا عمل ہے۔

(بذل المجهود: ٢/٢٧٠، عمدة القارى: ٤/٢٤٦، فتح القدير: ١/٤٤٥، باب النوافل (مطبوعه دار الفكر)

ایضاً

﴿۱۱۱۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَإِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوْا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوْا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسِبُ اَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهِمَا ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ١/٢٧٨، باب استحباب ركعتين قبل صلاة المغرب، حدیث نمبر: ٨٣٦۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ مدینہ میں تھے تو جب مغرب کی نماز کے لئے مؤذن اذان دیتا، تو کچھ لوگ مسجد کے ستونوں کی طرف لپکتے تھے، پھر وہ دو رکعت نماز پڑھ لیتے تھے، یہاں تک کہ پردیسی آدمی اس وقت مسجد میں داخل ہوتا تو اس نماز کو لوگوں کو پڑھتے دیکھ کر یہ سمجھتا کہ نماز ہو چکی ہے۔

تشريح: ان الصلوة قد صليت: یعنی نماز پڑھنے والوں کی اتنی کثیر تعداد ہو جاتی تھی گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغرب کی فرض نماز یہی دو رکعتیں ہیں ہر ایک ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر ان دو رکعتوں کو پڑھتا تھا، حدیث شریف میں مغرب سے قبل دو

رکعت پر دلیل ظاہر ہے، لیکن بلاشبہ یہ چیز نادر ہے کیونکہ یہ بات بھی اجماعاً ثابت ہے کہ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کی نماز میں عجلت فرماتے تھے، حالانکہ ان دو رکعت سے مغرب میں تاخیر لازم آتی ہے، شاید بعض صحابہؓ سے اس کا وقوع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر کی بنا پر نماز کو مؤخر کیا تو اسی کو ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کو مؤخر کرنا سمجھ لیا کہ اسی کی وجہ سے نماز کو مؤخر کیا ہے، یا پھر وہ دو رکعتیں اولاً تھیں بعد میں ان کو ترک کردیا گیا، یہی مذہب خلفاء اربعہ اور ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ (مرقاۃ: ۳/۱۱۷، شرح الابی: ۳/۱۹۵)

ایضاً

﴿۱۱۱۳﴾ وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَیْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِیَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعَجِّبُكَ مِنْ اَبِیْ تَمِیْمٍ یَرْكَعُ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا یَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۵۸، باب الصلاۃ قبل المغرب، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۱۸۴۔

حل لغات: الشغل، کام کاج، جمع اشغال۔

ترجمه: حضرت مرثد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عقبہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ کیا میں آپ کو ابو تمیمؒ کی یہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں کہ وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں؟ تو حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس نماز کو پڑھتے تھے،

حضرت مرشدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر کس چیز نے آپؓ کو اس سے روک دیا؟ تو حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا شغل دنیا نے روک دیا۔

تشریح: فما یمنعک الآن قال الشغل: یعنی پہلے جب آپؓ ان دو رکعت کو پڑھتے تھے، تو اب کیا چیز مانع ہوگئی، تو حضرت عقبہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا الشغل اس میں اشارہ ہے ان دو رکعتوں کے مباح ہونے کی طرف ورنہ شغل دنیا ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنت سے نہیں روک سکتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۸)

نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے

﴿۱۱۱۴﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مَسْجِدَ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَآهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذَا صَلَاةُ الْبُيُوْتِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوْتِ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۴، باب رکعتی المغرب این تصلیان، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۳۰۰۔ ترمذی شریف: ۱/۱۳۲، باب ما ذکر فی الصلاۃ بعد المغرب، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۶۰۴۔ نسائی شریف: ۱/۱۸۱، باب الحث علی الصلوٰۃ فی البیوت، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر: ۵۹۹۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں مغرب کی نماز پڑھی، جب لوگ نماز پڑھ چکے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد نفل نماز بھی مسجد میں پڑھ رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ یہ نماز گھر میں پڑھنے کی ہے۔ (ابوداؤد) ترمذی اورنسائی کی روایت میں ہے کہ جب لوگ نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نمازیں گھر میں پڑھو۔

گھر میں سنتوں کے پڑھنے کا حکم

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرائض کے علاوہ نفل خواہ سنن مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ گھر میں میں پڑھنا افضل ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ نفل مطلقاً گھر میں پڑھنا افضل ہے خواہ سنن رواتب ہوں یا غیر رواتب لیلیہ ہوں یا نہاریہ۔

البتہ امام مالکؒ اور امام ثوریؒ کے نزدیک سنن رواتب نہاریہ مسجد میں اور لیلیہ گھر میں پڑھنا افضل ہے امام احمدؒ کا بھی ایک قول ظہر کے بعد والی "رکعتین" کے بارے میں یہی ہے کہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ (تفصیل مذاہب کے لئے دیکھئے معارف السنن:۴/۱۱۱)

مسلک حنفی کے بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ "**والافضل فی عامة السنن والنوافل، المنزل وهو المروی عن النبی صلی الله علیه وسلم**"۔

اورصاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: ’’فقیہ ابوجعفر نے اسی پرفتوی دیا ہے، البتہ اگر گھر آکر مشغول ہوجانے کا اندیشہ ہوتو مسجد ہی میں پڑھے۔(فتح القدیر:۱/۱۶)

گھر میں پڑھنے کا فائدہ اخلاص میں اضافہ ہے اور ریاء سے بھی بچنا ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ ’’کان ابعد من الریاء واجمع للخشوع والاخلاص‘‘ (البحرالرائق:۱/۵۰)

نیز اس سے گھر میں رحمت خداوندی اور برکت کا نزول ہوتا ہے۔(مرقاۃ:۳/۱۱۸)

البتہ حضرات علماء نے نوقسم کی نوافل کا استثناء کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ ان کا مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے، جن کو علامہ شامیؒ نے ان ابیات میں جمع کیا ہے۔

نوافلنا فی البیت فاقت علی التبی تقوم لها فی مسجد غیر تسعة

صلاۃ تراویح، کسوف، تحیة وسنة إحرام، طواف بکعبة

ونفل إعتکاف، أو قدوم مسافر وخائف فوت، ثم سنة جمعة

هذه صلاۃ البیوت: اس اشارہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ مطلق نفل کی طرف اشارہ اور مطلب یہ ہو کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا چاہئے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اشارہ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھے گا، تو اس کی نماز سنت کے مطابق ہیں ہوگی۔

اور امام مروزی علیہا وابوثور شافعیؒ نے یہاں تک کہا ہے کہ جوآدمی مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھے گا وہ گنہگار ہوگا، حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں پڑھنے کا حکم فرمایا اور ’’امر‘‘ میں اصل وجوب ہے جس کا تارک عاصی اور گنہگار ہوتا ہے۔

البتہ جمہور کے نزدیک یہ امر استحباب کیلئے ہے، وجوب کے لئے نہیں، لہذا گھر میں بڑھنا اولی اور افضل ضرور ہے لیکن واجب نہیں۔(اللمعات:۴/۴۲،۴۱)

مغرب بعد طویل سنتیں

﴿۱۱۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطِیْلُ الْقِرَاءَۃَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰی یَتَفَرَّقَ اَھْلُ الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۸۴/۱، باب رکعتی المغرب این تصلیان، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد کی دو رکعت میں لمبی قرأت فرمائی یہاں تک کہ مسجد کے لوگ منتشر ہو گئے۔

تشریح: فجر کی سنتوں قراءت میں مختصر ہے، کیونکہ خود فجر کے فرضوں میں طول قیام کا حکم ہے، البتہ بعد مغرب سنتوں میں طول قیام افضل ہے، کیونکہ مغرب کے فرضوں میں قصر ہے، اور اس حدیث سے دعاء جامع کی مخالفت بھی ثابت ہوگئی، کیونکہ دعاء جامع کیواسطے آپ تنہا رہ جاتے تھے، لوگ انتظار نہ کرتے تھے، کہ دعاء جامع ہی کر کے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مغرب کے بعد والی دو سنتوں میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر چلے جایا کرتے تھے، اور ایسا اس لئے ہوتا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے فرضوں میں قراءت مختصر فرماتے تھے، جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرضوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص تلاوت فرماتے تھے، حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں کو مسجد میں ادا فرماتے تھے،

ائمہ حدیث نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ یہ کسی عذر کی وجہ سے تھا، لیکن ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اظہر بات یہ ہے کہ اس کو بیان جواز پر محمول کیا جائے گا، یا پھر اس کو اعتکاف کی حالت پر محمول کیا جائے گا، نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گھر ہی میں پڑھتے ہوں اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی کو بیان فرمایا ہو۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۸، بذل المجہول: ۲/۲۷۸)

نماز اوابین کا مرتبہ

﴿۱۱۱۶﴾ وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ۔ (وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ رُفِعَتْ صَلَاتُهٗ فِيْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلًا)

ترجمہ: حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے اور اس روایت کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعات نماز پڑھی، تو اس کی نماز علیین میں پہنچادی جاتی ہے، حضرت مکحول نے یہ روایت بطریق ارسال نقل کی ہے۔

تشریح: اوابین کی نماز کی بہت بڑی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسکی رکعتوں کی تعداد دو سے لے کر بیس رکعت تک ہے، اگر کوئی شخص اوابین کی نماز بغیر درمیان میں کلام کے پڑھتا ہے تو اسکی نماز بارگاہ الہی میں بہت جلد شرف قبولیت حاصل کرتی ہے، اور اسکا بلند مقام ہوتا ہے، علیین ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جہاں مؤمنین کی روحیں لے جائی جاتی ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۷)

مغرب کی سنتوں میں تعجیل

﴿١١١٧﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نَحْوَهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوْا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ۔ (رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حواله: بيهقى :فى شعب الايمان : ٣/١٢١، باب فى الصلوات، حدیث نمبر:٣٠٦٨۔

ترجمه: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت مکحول کے مانند روایت کیا گیا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ مزید ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مغرب کے بعد کی دو رکعت نماز جلدی پڑھو، اسلئے کہ یہ بھی فرض نماز کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں، ان دونوں روایتوں کو رزین نے نقل کیا ہے، بیہقی شعب الایمان میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے زائد الفاظ کی طرح کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

تشریح: مغرب کی سنتوں کی بڑی اہمیت ہے جوں ہی یہ پڑھی جاتی ہیں ان کو فرضوں کے ساتھ فوراً اوپر علیین میں لے جایا جاتا ہے، لہٰذا مغرب کے فرض پڑھنے کے بعد ان سنتوں کے پڑھنے میں جلدی کی جائے تاکہ فرض اور سنتوں کے درمیان وقفہ نہ ہو اور نیک اعمال اوپر پہونچانے والے فرشتوں کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ (مرقاۃ:٢/١١٧)

فرض نماز کی جگہ سنت پڑھنا

﴿١١١٨﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ اِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ

اَرْسَلَهُ اِلَى السَّائِبِ يَسْئَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ اَرْسَلَ اِلَيَّ فَقَالَ لَاتَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ اِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَاتَصِلْهَا بِصَلٰوةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ اَوْ تَخْرُجَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِذٰلِكَ اَنْ لَّانُوْصِلَ بِصَلٰوةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ اَوْ نَخْرُجَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۸۸/ ۱، باب صلاۃ الجمعۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۸۳۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت نافع بن جبیرؒ نے ان کو حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک چیز کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا، جس کو ان سے صادر ہوتے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تھا، حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جمعہ کی نماز مقصورہ میں پڑھی، جب امام نے سلام پھیر دیا تو میں اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور نماز پڑھنے لگا جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے میرے پاس ایک آدمی بھیج کر کہلوایا کہ جو تم نے ابھی کیا وہ دوبارہ مت کرنا، جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو تم اس کو کسی دوسری نماز کے ساتھ مت ملاؤ یہاں تک کہ تم کوئی بات کر لو یا پھر مسجد سے نکلو بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات کا حکم کرتے تھے کہ ہم ایک نماز کے ساتھ دوسری نماز نہ ملائیں یہاں تک کہ ہم کوئی بات منہ سے نکالیں، یا پھر مسجد سے نکلیں۔

تشریح: فی المقصورۃ: مقصورہ سے مراد وہ چھوٹا سا کمرہ ہے جو مسجد میں سلطنت کے امیر وحاکم تحفظ وسلامتی کے پیش نظر محراب مسجد کی جگہ بنا دیا جاتا تھا

تا کہ وہ نماز پڑھنے کیلئے اسی میں کھڑ ہو اور کسی امکانی جان لیوا حملہ سے محفوظ رہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں خلفاء یعنی سربراہان مملکت کے لئے اس طرح کا حفاظتی کمرہ بنایا جاتا تھا اور سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تحفظ کے لئے اس وقت بنایا تھا جب خوارج ان کی جان کے شدید دشمن تھے، اور ایک خارجی نے نماز پڑھاتے ہوئے ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا۔

ان لاتوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج: دو روایتوں میں ایک روایت تا کے ساتھ صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے اور اس کے اندر ضمیر ہی مفعول مالم یسلم فاعله ہے اور بصلوٰۃ اس کے متعلق ہے اس صورت میں نہی لفظی طور پر جمعہ کے ساتھ مخصوص ہوگی، اور دوسری روایت نوصل نون کے ساتھ مبنی للفاعل ہے، اور صلوٰۃ اس کا مفعول بہ ہے، اور یہ لفظ تمام نمازوں کو شامل ہوگا، اس حدیث شریف کا مقصود محدود و متعین نمازوں پر زیادتی سے روکنا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ہمارے قول کی دلیل ہے کہ نفل نماز خواہ مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ ہر صورت میں مصلی کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض نماز کی جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہو جائے، تا کہ سجدہ کی جگہوں کی کثرت ہو سکے نیز نفل نماز اور فرض نماز کی صورت میں امتیاز پیدا ہو سکے "حتى نتكلم" سے یہ بات معلوم ہوگئی، کہ فصل دو نمازوں کے درمیان کلام سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لیکن افضل صورت انتقال ہی کی ہے، کیونکہ اس میں کثرت کی صورت ہے، ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ایسا ہی حکم ہمارے نزدیک بھی ہے، چنانچہ بدائع میں امام محمدؒ سے مروی ہے کہ قوم کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ صفوں کو توڑ دیں اور متفرق ہو جائیں، تا کہ آنے والا جب دیکھے تو اس کو اشتباہ پیدا نہ ہو اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کیا تم

میں سے کوئی اس بات سے عاجز و قاصر ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جائے تو آگے یا پیچھے کی جانب ہٹ جائے۔ بذل المجہود: ۲/۱۹۹)

تنبیہ: نیز حدیث کے اندر جمعہ کی قید قید اتفاقی ہے اس لئے کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ بھی تمام نمازوں کا یہی حکم ہے کہ فرض کے ساتھ نوافل وغیرہ کو ملا کر نہ پڑھا جائے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۱۸)

سنتیں پڑھنے کیلئے جگہ بدلنا

﴿۱۱۱۹﴾ وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعًا)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۶۰، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۱۳۰۔ ترمذی شریف: ۱/۱۱۷، باب الصلاۃ قبل الجمعۃ وبعدھا، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۵۲۲۔

ترجمہ: حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جمعہ کی نماز مکہ میں پڑھتے، تو آگے بڑھتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے پھر آگے بڑھکر چار رکعت نماز پڑھتے، اور جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھتے پھر اپنے گھر لوٹ

آتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے، اور مسجد میں نماز نہ پڑھتے، ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا، پھر اس کے بعد انھوں نے چار رکعت پڑھیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی جائے وہاں سے کچھ ہٹ کر سنن پڑھی جائیں۔

مکہ مکرمہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ نماز پڑھتے اور مدینہ طیبہ میں کم، اسلئے کہ حرم شریف میں نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے اسی طرح مکہ مکرمہ میں مسجد میں نماز پڑھتے اور مدینہ طیبہ میں گھر میں پڑھتے تھے، کیونکہ مدینہ طیبہ میں گھر مسجد سے قریب تھا جب کہ مکہ مکرمہ میں قیام گاہ مسجد الحرام سے دور تھی۔ (مرقاۃ: ١١٨/٢ مطبوعہ بمبئی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوٰۃ اللیل

رقم الحدیث:...... ۱۱۳۰/ تا ۱۱۴۲/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب صلوٰۃ اللیل﴾

صلاۃ اللیل کا اطلاق ہر اس نماز پر ہوتا ہے جو رات کے کسی حصہ میں بھی ادا کی جائے، چاہے وہ فرض نماز ہو یا واجب ہو یا نفل، لیکن اصطلاح شریعت میں اس کو تہجد اور وتر کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے، اور مغرب اور عشاء کی نماز اگر چہ حقیقت کے اعتبار سے صلاۃ اللیل میں داخل ہیں، لیکن ان دونوں کے بارے میں حقیقت مہجورہ بن گئی، اس لئے اب جب بھی صلاۃ اللیل بولا جاتا ہے تو اس سے مراد تہجد اور وتر ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ تیرہ، گیارہ، نو، اور سات، رکعتیں بھی منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہیں، یہ رکعتوں کی تعداد کا اختلاف درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف اوقات میں مختلف کیفیات کے ساتھ ادا کرنے کی وجہ سے ہے کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص کیفیت سے نماز پڑھی، اور دوسرے وقت میں دوسری کیفیت ہے اس لئے اس کیفیت میں نماز پڑھی، اسی طرح تعداد رکعات میں بھی فرق رہا۔ (بذل المجہود: ۲/۲۸۸)

قرآن کریم اور احادیث شریفہ دونوں میں تہجد کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس نماز کو پڑھا کرتے تھے، اور اپنے اصحاب کو اس کے پڑھنے کی بہت رغبت دلاتے تھے، اسی وجہ سے ہر زمانہ کے صلحاء امت کا معمول اس نماز کے پڑھنے کا رہا ہے

اور علماء نے لکھا کہ صلوٰۃ اللیل کی روایتیں جو مختلف آئی ہیں ان میں سے جس روایت کے مطابق بھی اس نماز کے پڑھنے کا معمول اختیار کیا جائے گا، اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضلیت و بزرگی بہر صورت حاصل ہوگی، روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نامۃً معمول مبارک تیرہ رکعات پڑھنے کا تھا آٹھ رکعات تہجد تین رکعات وتر پھر دو رکعت نفل، اسلئے نامۃً اس کو اختیار کیا جائے اور کبھی دیگر روایات پر بھی عمل کرلیا جائے۔

﴿الفصل الاول﴾

تہجد کی نماز کا ذکر

﴿۱۱۲۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ آيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۳۵/ ۱، باب ما جاء فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۹۹۴۔ مسلم شریف: ۲۵۴/ ۱، باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، حدیث نمبر:۷۳۶۔

حل لغات: تبین له الفجر: صبح صادق ہو جاتی، **رکعتین حفیفتین:** یہ فجر کی سنتیں ہوتی تھیں۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر، فجر تک گیارہ رکعت نماز پڑھتے، تھے، ہر دو رکعت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تھے، اور ایک رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، اور اس میں اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ اتنی دیر میں تم میں سے کوئی شخص اپنا سر اٹھانے سے پہلے بچاس آیتیں پڑھ لے، پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فجر واضح ہو جاتی تو کھڑے ہوتے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھتے، پھر اپنی دہنی کروٹ پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن اقامت نماز کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔

تشریح: ایک سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر نماز تہجد فرض تھی، جس کا تذکرہ "**یا ایها المزل قم اللیل**" میں ہے۔

ایک سال کے بعد امت سے تو بالاتفاق منسوخ ہوگئی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مختلف فیہ ہے اور منسوخ کا حکم بھی "**یا ایها المزمل**" ہی میں ہے "**علم ان سیکون منکم مرضی**" مگر اس کی سنیت اب بھی موجود ہے۔

یسلم من کل رکعتین: اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رات کی نفل نماز دو دو رکعت ہیں۔

ویوتر بواحدۃ: ایک رکعت آخر میں ملا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر بناتے، یا اس زمانہ میں وتر کی صرف ایک رکعت جائز تھی۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وتر کی کم سے

کم ایک رکعت ہے وہ حضرات وتر کی ایک رکعت سے لے کر سات رکعات تک جواز کے قائل ہیں ان حضرات کا عمل یہ ہے کہ دو سلاموں سے تین رکعتیں ادا کرتے ہیں، اور ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ، حنفیہؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعات، ایک سلام کے ساتھ ہیں، دو سلاموں سے تین رکعتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ۔(مرقاۃ:۲/۱۱۸)

فیسجد السجدۃ من ذلک: کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت کا سجدہ بقدر مذکورہ بہت طویل کیا کرتے تھے، علماء کی آراء اس سلسلہ میں مختلف ہیں کہ محض تقرب کے لئے سجدہ کرنا سجدہ تلاوت اور سجدۂ شکر کے سوا کیا جائز ہے؟ اصح قول یہ ہے کہ منع ہے جیسا کہ تنہا رکوع کرنا وغیرہ، دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے اس کے قائل صاحب تقریب ہیں، صاحب روضہ فرماتے ہیں کہ چاہے وہ سجدہ نماز کے بعد کیا جائے یا کسی اور وقت ہر حالت میں محض سجدہ کرنا منع ہے ۔اور پیروں کے سامنے سجدہ مریدین وغیرہ کرتے ہیں وہ سجدہ مطلقاً حرام ہے چاہے قبلہ رو ہو کر کیا جائے یا غیر قبلہ رو ۔(بذل المجہود:۲/۲۸۹، مرقاۃ:۲/۱۱۹)

رکعتین خفیفتین: فجر کی دو رکعت سنت ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہلکی یعنی چھوٹی سورت والی پڑھتے تھے، جس میں عام طور سے "**قل یا ایھا الکافرون**" اور "**قل ھو اللہ احد**" پڑھتے تھے، اور فجر کی سنتوں میں یہی سورتیں پڑھنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنت پڑھکر تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے، تا کہ پوری رات نماز و عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے جو تکان ہوا وہ ختم جائے اور فرض نماز پوری رغبت اور بشاشت سے ادا کر سکیں، اس لئے مستحب یہ ہے کہ جو آدمی رات میں طویل تہجد اور ذکر وغیرہ میں مشغول رہا ہو وہ فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر لیٹ جائے ۔(مرقاۃ:۳/۱۲۱، بذل المجہود:۲/۲۸۹)

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان وقفہ

﴿١١٢١﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِيْ وَإِلَّا اضْطَجَعَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۵۳/۱، باب صلاۃ اللیل الخ، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر:۷۴۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعت نماز پڑھ لیتے، تو اگر میں بیدار ہوتی، تو مجھ سے بات فرماتے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ جاتے۔

تشریح: فان کنت مستیقظہ حدثنی: حضرت ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فجر کی فرض اور سنتوں کے درمیان فصل کرنا جائز ہے، اور یہ حدیث اہل سنت کی موید ہے یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فرض اور سنت کے درمیان گفتگو نماز یا اس کے ثواب کو ختم کر دیتا ہے، یہ قول غلط ہے ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو آخرت سے امور کے متعلق ہوتی تھی، رہی بات دنیاوی امور سے متعلق تو اس کے خلاف اولیٰ ہونے میں کوئی شک نہیں، اس لئے کہ سنت نمازوں کی مشروعیت کی حکمت ہی یہ ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا پہلے کچھ نماز پڑھ کر حالت کمال کو تیار ہو جائے اور سستی اور غفلت ختم ہو جائے تا کہ فرض نماز میں پورے خشوع وخضوع اور پوری لذت اور کمال حاضری کے ساتھ شامل ہو، اور اس کا دل ودماغ ہر چیز سے خالی اور یکسو ہو کر پوری طرح توجہ الی اللہ میں مستغرق ہو جائے، اور فجر کی سنت پڑھ کر دنیاوی

گفتگو میں مشغول ہونا اس حکمت کے خلاف ہے اس لئے خلاف اولیٰ ہے، لہٰذا اس حدیث کے سلسلہ میں یہ کہا جائے گا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فجر کی سنت پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو کلام ہوتا تھا، وہ دینی اور اخروی امور سے متعلق ہوتا تھا یا پھر کسی حاجت اور ضرورت کی بناء پر ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ضرورت مجھ سے ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے گفتگو فرمالیا کرتے تھے۔ مرقاۃ:۳/۱۲۲، التعلیق:۲/۷۳)

الا اضطجع: اس معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لیٹنا کوئی ضروری معمول نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سنت فجر پڑھ کر لیٹنا

﴿۱۱۲۲﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۱/۸۷، باب من انتظر الاقامة، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۶۱۷۔ مسلم شریف:۱/۲۵۳، باب صلاة اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر:۷۳۶۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت پڑھ لیتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی فرض نماز اور سنت کے درمیان کچھ دیر

آرام کر کے فصل فرماتے تھے، فجر کا وقت ہوتے ہی نماز فجر ادانہیں فرماتے تھے۔

مختلف احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مذکور ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت گھر میں پڑھتے اور آرام بھی گھر ہی میں کرتے تھے، لہٰذا بغیر تکان کے مسجد کے اندر لیٹنا سنت نہیں، بلکہ بدعت ہے اگر کوئی شخص رات میں عبادت کیوجہ سے تکان محسوس کر رہا ہے اور سنت فجر کے بعد تکان دور کرنے کے لئے گھر میں کچھ دیر لیٹ جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت سے موجب اجر ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پوری رات پڑ کر سوتا ہے تہجد نہیں پڑھتا اور پھر فجر کی سنت پڑھ کر لیٹ جاتا ہے کہ یہ سنت ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص روزہ تو رکھے نہیں اور پھر افطار میں جلدی کرے کہ افطار میں تعجیل سنت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۲۰)

تہجد میں تیرہ رکعت کا بیان

﴿۱۱۲۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔

(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۵۴/۱، باب صلاۃ اللیل الخ، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر: ۷۳۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے، ان میں سے وتر کی نماز بھی ہوتی، اور دو رکعت فجر کی سنت بھی ہوتی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مختلف تھا، اگر طبیعت میں نشاط ہوتا، تو زیادہ پڑھتے، نشاط نہ ہوتا یا کوئی عذر لاحق ہوتا تو کم پڑھتے۔

منھا الوتر و رکعتا الفجر: ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول وتر کو رات کے آخری حصہ میں پڑھنے اور فجر تک بیدار رہنے کا تھا، اور فجر کی سنتوں کو تہجد اور وتر سے متصل پڑھنے کا تھا اس لئے وتر اور فجر کی سنتوں کا تذکرہ تہجد کے ساتھ کیا۔ (مرقاۃ:۳/۱۲۲)

تہجد کی تعداد رکعات

﴿۱۱۲۴﴾ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلوٰةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۳، باب کیف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب التہجد، حدیث نمبر: ۱۱۳۸۔

ترجمہ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سات رکعت پڑھتے، کبھی نو رکعت اور کبھی گیارہ رکعات پڑھتے، فجر کی دو سنتیں اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کی نماز میں تعداد رکعات کے اعتبار

سے ہمیشہ کوئی ایک معمول نہیں تھا بلکہ حسب نشاط ہوتا تھا، کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت تہجد کی اور تین رکعات وتر کی پڑھتے تو یوں سات رکعات ہوئیں کبھی چھ رکعات تہجد کی اور تین وتر کی ادا فرماتے تو یہ نو ہوئیں، اور کبھی آٹھ رکعات تہجد اور تین رکعات وتر کی ادا فرماتے تو یہ کل گیارہ ہو جاتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی آٹھ رکعات پڑھتے تھے۔(مرقاۃ:۲/۱۲۰)

تہجد کی نماز ہلکی قراءت سے شروع کرنا

﴿۱۱۲۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّيْ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف:۲۶۲/۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل الخ، کتاب الصلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر:۷۶۷۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے تھے۔

تشریح: افتتح صلاته برکعتین خفیفتین: کتاب الازہار میں منقول ہے کہ یہ دو ہلکی رکعتیں تحیۃ الوضو کی دو رکعتیں مراد ہیں کہ ان کو ہلکا پڑھنا مستحب ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایتوں میں ہلکا پڑھنے کا ہی تذکرہ ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں تہجد کی ہی ہوتی تھیں، جو تحیۃ

الوضو کے قائم مقام ہو جاتی تھیں، اس لئے کہ وضو کے لئے کوئی مستقل علاحدہ نماز نہیں ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کی ابتدا میں ہلکی نماز اس لئے پڑھتے تھے، کہ نماز کا نشاط حاصل ہو جائے اور طبیعت اس پر آمادہ ہو جائے، پھر جب طبیعت میں نشاط آجاتا تو طویل نمازیں پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۲۳، التعلیق: ۲/۷۳)

دو ہلکی رکعتوں سے تہجد کی ابتدا کا حکم

﴿۱۱۲۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدٌ مِّنَ اللَّیْلِ فَلْیَفْتَتِحِ الصَّلٰوةَ بِرَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۶۲، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص تہجد کی نماز کے لئے کھڑا ہوئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ دو ہلکی رکعتوں سے نماز کی ابتدا کرے۔

تشریح: گذشتہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس معمول کا ذکر ہوا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے افراد کے حق میں اسی بات کا ارشاد ہے کہ تہجد کی شروع کی دو رکعتیں ہلکی پڑھی جائیں، تا کہ نشاط پیدا ہو جائے، پھر لمبی نماز بسہولت پڑھی جا سکے۔

اذا قام الخ: مراد نیند سے بیدار ہونا ہے انہی جیسی احادیث کی بناء پر بعض لوگ

تہجد کی نماز کے لئے نیند سے بیدار ہونا شرط قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد سوئے بغیر کوئی نماز پڑھی جارہی ہے تو اس پر تہجد کا اطلاق نہیں ہوگا۔

تہجد میں تیرہ رکعات پڑھنے کا بیان

﴿١١٢٧﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَۃَ لَیْلَۃً وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَھَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ اَھْلِہٖ سَاعَۃً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا کَانَ ثُلُثُ اللَّیْلِ الْآخِرِ اَوْ بَعْضُہٗ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَی السَّمَآءِ فَقَرَأَ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِاُولِی الْاَلْبَابِ حَتّٰی خَتَمَ السُّوْرَۃَ ثُمَّ قَامَ اِلَی الْقِرْبَۃِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَھَا ثُمَّ صَبَّ فِی الْجَفْنَۃِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءً حَسَنًا بَیْنَ الْوُضُوْئَیْنِ لَمْ یُکْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰی فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِہٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِیْ فَاَدَارَنِیْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ فَتَتَامَّتْ صَلٰوتُہٗ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰی نَفَخَ وَکَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَہٗ بِلَالٌ بِالصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ وَکَانَ فِیْ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَزَادَ بَعْضُھُمْ وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَذَکَرَ وَعَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ۔ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ

نُوْراً وَفِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْراً۔

حوالہ: بخاری شریف: ۹۳۴، ۹۳۵ / ۲، باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۶۳۱۶۔ مسلم شریف: ۲۶۱ / ۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۶۸۔

حل لغات: شناق: تسمہ یا رسی یا ڈوری جس سے کوئی چیز باندھی جائے یا لٹکائی جائے، جمع، شُنُقٌ وَاَشْنِقَةٌ۔ الجفنة: بڑا پیالہ، ڈونگا، بادیہ، جمع جفان، وجفن. فتامت: باب تفاعل سے، ثلاثی مجرد، تَمَّ یَتِمُّ، پورا ہونا، مکمل ہونا۔ نفخ: (ن) منھ سے پھونک مارنا، مراد خراٹے لینا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گذاری، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ سے کچھ دیر بات کی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی، یا اس سے بھی کچھ کم حصہ باقی رہ گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے، اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "ان فی خلق السمٰوٰت الایة" بے شک آسمان وزمین کے بنانے اور رات ودن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، سورت کے اخیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور مشکیزہ کے پاس گئے، پھر اس کا بندھن کھولا، پھر اس میں سے ایک پیالہ میں پانی لیا، پھر دو وضوء کے درمیان والا عمدہ وضو کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا بہت زیادہ استعمال نہیں کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پورا پہنچایا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی میں نے بھی

وضو کیا اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑا، اور مجھے گھما کر دائیں طرف کرلیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ رکعات نماز پوری فرمائیں اور لیٹ کر سو گئے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خراٹے لینے لگے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، اور وضو نہیں فرمایا اور یہ دعا مانگی "**اللھم اجعل فی قلبی نوراً الخ**" اے اللہ میرے دل میں نور بھر دے، اور میری آنکھوں کو منور کر دے، میرے کانوں کو منور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے، اور مجھ کو نورانی بنا دے، اور بعض راویوں نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں "**وفی لسانی الخ**" اور میری زبان میں نور رکھ دے، اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ "**وعصبی الخ**" میرے پٹھوں، میرے خون، میرے بال اور میری کھال کو نورانی کر دے۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری ومسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں "**واجعل فی نفسی نوراً الخ**" اے اللہ میرے اندر نور بھر دے، میرے لئے نور بڑھا دے، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "**اللھم اعطنی نوراً**" اے اللہ مجھ کو نور عطا فرمایئے۔

تشریح: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ہیں۔

فتحدث: باتیں کرتے رہے، معلوم کہ عشاء کے بعد ایسی گفتگو جو آخرت یا وعظ ونصیحت یا اہل خانہ سے حسن معاشرت سے متعلق ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ (مرقات: ۳/۱۲۳)

ثلث اللیل الآخر: رات کا پچھلا تہائی حصہ۔

بین الوضوئین: افراط وتفریط والے وضو کے درمیان۔

لم یکثر و قد ابلغ: زیادتی بھی نہیں کی اور وضو کامل کیا۔

فاد ارنی: پس مجھ کو گھمایا۔

حتی نفخ: ہلکے سے خراٹے لئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حالت دوسری حالت سے ممتاز ہوتی تھی، تاکہ التباس واختلاف نہ ہو اور دنیا والے اس کو پہچان لیں، ہر حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ممتاز تھی، خوشی ہوئی تو چہرہ پر اس کا اثر، غصہ میں علاحدہ اثر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا صحیح ترجمان تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ہوتا وہی باہر ہوتا۔

فکان اذا نام نفخ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیند کی حالت میں خراٹے لیتے تھے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خراٹے لینا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ پیدائشی اور فطری تھا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ انتہائی مضبوط، اور صحت مند تھے، اور خراٹے لینا قوائے جسمانی کی صفائی اور صحت کی علامت ہے۔ (مرقاۃ: ۳/۱۲۴، التعلیق: ۲/۳۰۷)

اشکال: سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراٹے نہیں آتے تھے، اور یہاں خراٹوں کا ثبوت ہے دونوں میں تعارض ہو گیا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں خراٹوں کا ثبوت ہے وہاں اس سے مراد معمولی خراٹے اور معمولی آواز کا بھاری ہو جانا مراد ہے، اور جہاں خراٹوں کی نفی ہے وہاں سخت خراٹوں کی نفی مراد ہے جو کریہہ اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

ولم یتوضأ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آنکھیں سوتی تھیں قلب مبارک بیدار رہتا تھا قلب سے ادارک ہو جاتا تھا کہ حدث ہوا کہ نہیں بلکہ ہر نبی کا یہی حال ہوتا ہے کہ صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے، کیونکہ وہ مہبط وحی ہوتا ہے، نا معلوم کس وقت وحی آجائے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند وآگاہ نباشی

اجعل فی قلبی نورا: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک عضو کے لئے علیحدہ علیحدہ نور کا مطالبہ اس لئے ہے تا کہ ہر عضو طاعت ومعرفت کے نور سے منور ہو جائے اور معاصی وجہالت کی تاریکی سے محفوظ ہو جائے، اس لئے کہ انسان صاحب نسیان ہوتا ہے، اور فطری وطبعی تاریکی انسان کو سر سے لیکر قدم تک گھیرے ہوئے ہے، اور شیطان اس کو چھ جانب سے وساوس اور شبہات کے ذریعہ ورغلاتا رہتا ہے، اور اس سے چھٹکارے کی کوئی شکل ان انوار کے حاصل کئے بغیر ممکن نہیں، اس لئے ان انوار کو اللہ تعالیٰ سے طلب کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم اور ہدایت دی کہ وہ بھی ان انوار کو طلب کریں، تا کہ شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ رہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۲۲، التعلیق: ۲/۴۷،۳)

وتر کی تین رکعات

﴿۱۱۲۸﴾ وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ

فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكْعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَآءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۶۱/۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۶۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گذاری، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے پھر مسواک کی، اور وضو کیا، اور یہ آیت "ان فی خلق السمٰوٰت الایۃ" اخیر سورت تک پڑھی، پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی، ان میں قیام، رکوع اور سجدہ لمبا کیا، پھر واپس آئے اور سو گئے، یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ایسا ہی کر کے چھ رکعات پڑھیں، ہر مرتبہ وضو فرماتے، مسواک کرتے، اور یہ آیتیں پڑھتے، پھر تین رکعات وتر کی پڑھیں۔

تشریح: یہ کسی اور رات کا واقعہ ہے، اسلئے پہلی روایت سے کوئی تعارض نہیں۔

و توضأ: ماقبل میں گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں تھی، اور اس روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضو کیا تو یہ روایت پہلے روایت کے مخالف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو تجدید وضو کے لئے ایسا کیا یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدث کے لاحق ہونے کا احساس ہو گیا ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کی حالت میں طہارت کی بقاء کا احساس ہو جاتا تھا۔ (طیبی:۱۰۱/۳، مرقاۃ:۱۲۶/۳)

ثم اوتر بثلاث: یہ حدیث صریح ہے کہ وتر کی نماز تین ہی رکعات ہیں حضرت

امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور چھ رکعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی ہیں دو تہجد کی رکعتیں ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت جائز ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔ (مرقاۃ: ۳/۱۲۶، طیبی: ۳/۱۰۱، التعلیق: ۲/۷۴)

کل ذلک یستاک و یتوضا: کُلُّ ذٰلِکَ متعلق ہے یستاک سے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ بیدار ہونے کے بعد مسواک کر کے وضو اور آیت شریفہ پڑھتے اور نماز پڑھتے، "ثم فعل ذلک" میں ثم خبر کی تاخیر کے لئے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت وقفہ وقفہ سے پڑھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیند کی حالت میں خراٹے بھی لیتے تھے، ثم عطف کے لئے نہیں تاکہ اس سے یہ لازم نہ آئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ ایسا کیا۔ (مرقاۃ: ۳/۱۲۶، طیبی: ۳/۱۰۱)

تہجد کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت

﴿۱۱۲۹﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَأَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) قَوْلُهُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَأَفْرَادِهِ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّأ مَالِكٍ وَسُنَنِ أَبِيْ دَاوٗدَ وَجَامِعِ الْأُصُوْلِ)

حواله: مسلم شریف: ۲۶۲/ ۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۶۵۔

ترجمه: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سوچا کہ میں آج کی شب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز ضرور دیکھوں گا، پس آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت بہت لمبی بہت ہی لمبی بہت لمبی پڑھیں، پھر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھیں، اور یہ دو رکعت اپنے ماقبل کی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھیں، اور دو یہ اپنے ماقبل کی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھیں اور یہ دو رکعت اپنے ماقبل کی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھیں اور یہ دو رکعت اپنے ماقبل کی دو رکعتوں سے ہلکی تھیں، پھر وتر پڑھیں، یہ کل تیرہ رکعات ہوگئیں۔ (مسلم) حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ "ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما" چار بار نقل ہوئے ہیں، اسی طرح مسلم میں ہے اور حمیدی کی کتاب سے افراد مسلم میں بھی ہے، نیز مؤطا امام مالک میں سنن ابی داؤد میں اور جامع الاصول میں ہے۔

تشریح: طویلتین طویلتین طویلتین: یاتو آخر کی دونوں اول کی تاکید ہیں، یا جداگانہ کہ علیحدہ طویل طویل پڑھیں۔

طویلتین: کو تین مرتبہ ذکر کیا طوالت اور انتہا کو بتانے کے لئے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی طویل طویل نمازیں پڑھیں، اور یہاں طویلتین سے رکعتیں مراد نہیں۔ (مرقاۃ: ۳/۱۲۳)

قولہ صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما

اربع مرات: کتاب حمیدی میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں (۱) وہ روایتیں جن کو امام بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیں ہیں۔ (۲) وہ روایتیں جن کو صرف امام بخاری نے روایت کیں ہیں۔ (۳) وہ روایتیں جن کو تنہا مسلم نے روایت کی ہیں، تو حدیث کے یہ الفاظ "صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما" متن صحیح مسلم میں اور کتاب حمیدی کی افراد مسلم میں اور امام مالک کی کتاب مؤطا اور علامہ ابن اثیر کی کتاب جامع الاصول میں چار بار آئے ہیں اور اس سے مصنف کا مقصود مصابیح کے مصنف علامہ بغوی پر اعتراض کرنا ہے کہ انہوں نے اس کو تین بار ذکر کیا ہے۔ (مرقات: ۲/۱۲۳)

ثم اوتر: علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ وتر کی یہاں تین رکعات ہی ہیں اس لئے کہ وتر سے پہلے دس رکعات نماز کو شمار کرایا ہے، پھر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھیں اور یہ سب ملکر تیرہ رکعات ہوئیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وتر کو تین رکعات مانا جائے یہی احناف کا مذہب ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۲۳)

نوافل بیٹھ کر پڑھنا

﴿۱۱۳۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلٰوتِهٖ جَالِسًا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۰، باب اذا صلی قاعداً ثم صح، کتاب تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۱۱۸۔ مسلم شریف: ۲۵۲، ۱/۲۵۳، باب جواز النافلة قاعداً وقائماً، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۳۲۔

حــل لغات: بدن، تفعیل کی ایک خاصیت صاحب مأخذ ہونا ہے، بدن والے ہو گئے، آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا۔

تــرجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بھاری ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح: کان اکثر صلاته جالسا: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب بھی کھڑے ہو کر پڑھنے کی طرح ہے اس لئے کہ کاہلی اور سستی کا مقتضی یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے نصف ثواب ملے، جیسا کہ کتب صحاح میں مروی ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کاہلی سے مامون اور محفوظ ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی کھڑے ہونے کا پورا ثواب ملے گا، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو شخص عذر کیوجہ سے فرض یا نفل نماز بیٹھ کر پڑھے گا، اس کو بھی پورا ثواب ملے گا۔ (مرقاۃ: ۳/۱۲۴)

بیس باہم مثل سورتیں

﴿۱۱۳۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِيْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِّنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَاْلِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ آخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانُ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۴۷، باب تالیف القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۹۹۶۔ مسلم شریف: ۱/۲۷۴، باب ترتیل القرآن، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ان سورتوں کو جانتا ہوں جو ایک جیسی ہیں، اور ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع فرماتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب جمع کے مطابق بیس سورتیں جو مفصل کے شروع میں ہیں بیان کیں دو سورتیں ملا کر ایک رکعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، اور ان میں سے آخر کی دو سورتیں "حٰمٓ الدخان" اور "عم یتسآء لون" تھیں۔

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مصحف جو اپنی ترتیب پر لکھ رکھا تھا، اور موجودہ مصحف عثمانی اجماعی ترتیب پر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ترتیب عثمانی میں شریک نہ کیا تھا، ان کو ترتیب مصحف میں شامل نہ کرنے کی یہ وجہ تھی کہ یہ فقیہ تھے، اس لئے کہیں کہیں آیتوں کا مطلب بھی لکھ رکھا تھا، اور ان حضرات کا کہنا تھا کہ ہم کو خالص اللہ کا کلام چاہئے، جس میں اس کے علاوہ کوئی لفظ نہ ہو۔

النظائر: وہ سورتین جو آپس میں ایک دوسرے کے ہم مثل ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جمع کیا تھا، وہ بیس سورتیں ہیں تفصیل یہ ہے ایک رکعت میں الرحمن اور النجم، اور اقتربت الساعۃ اور الحاقۃ ایک رکعت میں والطور والذاریات ایک رکعت میں اور اذا وقعت اور النون ایک رکعت میں، سأل سائل اور النازعات ایک رکعت میں، ویل للمطففین اور عبس وتولی ایک رکعت میں مدثر اور مزمل ایک رکعت میں، ھل اتٰی اور لا اقسم بیوم القیامۃ ایک رکعت

میں اورعـم یتسـاء لون اوروالـمرسلات ایک رکعت میں، الدخان اوراذاالشـمس کـورت ایک رکعت میں، امام ابوداؤدرحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل حضرت ابن مسعودؓ کے جمع کرنے کی ہے، لیکن اس حدیث کا آخر بخاری ومسلم دونوں کے خلاف ہے، تو اس کی تقدیر یہ مانی جائے گی، کہ بیس سورتوں کے آخر میں حم الدخان اوراس کے ہم مثل اذا الشمس کورت ہےاورعم یتاء لون اوراس کے ہم مثل والمرسلات ہے، علامہ جزری فرماتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توقیفی ہیں یا صحابہ کے اجماع کی وجہ سے ہیں یا بعض کی توقیفی، اور بعض کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع سے ہے البتہ اس بات پر سب کا اجماع ہے، کہ قرآن جو اس وقت مرتب انداز میں ہے اس ترتیب سے نزول نہیں ہوا، اور قرآن کو ترتیب عثمانی کے مطابق ہی پڑھنا چاہئے اس کے خلاف نہیں البتہ کوئی شخص اتباع سنت کی غرض سے کبھی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترتیب کے مطابق پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ چھوٹے بچوں کیلئے تعلیم کی ضرورت کیوجہ سے آخر سے پڑھنا درست ہے، (مرقاۃ:۲/۱۲۴، التعلیق:۲/۷۵)

الفصل الثانی

تہجد کی نماز کی کیفیت کا ذکر

﴿۱۱۳۲﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَاَ

الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْواً مِّنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْواً مِّنْ رُكُوْعِهِ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْواً مِّنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْواً مِّنْ سُجُوْدِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۲۷، باب ما یقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۸۷۴۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر تین بار کہتے اور یہ کلمات کہتے "ذوالملکوت الخ" اللہ تعالیٰ ملک والے ہیں، غلبہ والے ہیں، بڑائی اور عظمت والے ہیں، پھر ثناء پڑھی اور سورۂ بقرہ کی قرأت فرمائی، پھر رکوع فرمایا، اور آپ کا وہ رکوع قیام کی طرح تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں "سبحان ربی العظیم" پڑھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور قومہ کیا اور یہ قومہ بھی رکوع کی طرح تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قومہ میں کہتے رہے کہ "لربی الحمد" (میرے رب کے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ قیام کے مانند تھا، اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھتے رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سجدہ سے اٹھایا اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں ایک سجدہ کے مانند بیٹھے، اور ''رب اغفرلی، رب اغفرلی'' کہتے رہے، (اے میرے رب مجھ کو بخش دے، اے میرے رب مجھ کو بخش دے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت نماز پڑھی ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ'' سورۂ آل عمران، سورۂ النسآء، اور المائدہ، یا سورۂ الانعام پڑھی، یہ شک روای حدیث شعبہ کو ہوا ہے۔

تشریح: نحوا من قیامه: قیام کی شایان شان اور مناسب۔

یہ نماز آپ کی اس وقت کی ہے جب کہ وفود وغیرہ کا بھیجنا مہمانوں کی آمد و رفت اور دوسری بے شمار مصروفیتیں آپ کو دامن گیر تھیں، اس زمانہ میں اتنی لمبی لمبی اور اتنی مقدار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔

الملکوت: ملک کے ظاہر و باطن کا بادشاہ، مبالغہ کا صیغہ ہے۔

جبروت: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جبروت فعلوت کے وزن پر ہے جبر سے ماخوذ ہے مجبور کرنا جبار کہتے ہیں اس ذات کو جو بندوں کو اپنے ارادہ کے مطابق مجبور کرتا ہے، جبروت بمعنٰی قدرت عظمت۔ (مرقاۃ:۳/۱۳۵، طیبی:۳/۱۰۵)

کبریاء اور عظمت اللہ تعالٰی کی صفت ہے اس کو اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، کبریاء و عظمت کے معنی تمام مخلوق سے بلند و بالا ہونا اور مخلوق اپنے کو اس کے سامنے سرنگوں ہونا۔ (مرقاۃ:۳/۱۲۵)

فکان رکوعه نحوا من قیامه: یعنی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام طویل فرمایا اسی طرح رکوع بھی طویل فرمایا، اسی طرح باقی افعال نماز بھی معمول سے زیادہ طویل فرمایا۔ (التعلیق الصبیح:۲/۷۶)

تہجد میں طویل قراءت کی فضیلت

﴿۱۱۳۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف:۱۹۸/۱، باب تحزیب القرآن، کتاب شھر رمضان، حدیث نمبر:۱۳۹۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جس نے دس آیات کے ساتھ قیام کیا اس کا شمار غافلین میں سے نہ ہوگا، اور جس نے سو آیتوں کے ساتھ قیام کیا کرے گا اس کو فرماں برداروں میں سے لکھ دیا جائے گا، اور جو شخص ہزار آیات کے ساتھ قیام کریگا، اس کو بہت زیادہ مالداروں میں سے لکھ دیا جائے گا۔

تشریح: من قام بعشر الخ: دس آیتوں سے کیا مراد ہے بعض لوگ کہتے ہیں سات آیات سورۂ فاتحہ کی اور تین دیگر آیتیں جو کہ نماز میں قراءت کا اقل درجہ ہے مراد ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ دس آیتیں مراد ہیں۔

لم یکتب من الغافلین: غافلین کی فہرست اور رجسٹر میں اس کا نام نہیں لکھا جائے گا۔

ومن قام بمائۃ: قانتین کے معنی ہیں عبادت پر مواظبت کرنے والے یا عبادت خداوندی کے لئے طویل قیام کرنے والے، قانتین سے اللہ کے وہ نیک بندے مراد

ہیں جو عاجزی وتواضع اور خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول ہیں اور اس پر مداومت ومواظبت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مقنطرین: بہت مال والے، یہاں مراد بہت زیادہ اور بے شمار اجر وثواب والے۔ (مرقاۃ:۲/۱۲۵،التعلیق:۲/۷۶)

تہجد کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز قراءت

﴿۱۱۳۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ یَرْفَعُ طَوْرًا وَّیَخْفِضُ طَوْرًا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱/۱۸۷، باب فی رفع الصوت بالقرأۃ فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر:۱۳۲۸۔

حل لغات: رفع یرفع، باب(ف) بلند کرنا۔ خفض یخفض، باب(ض) پست کرنا۔طور، حالت، ہیئت، باری۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں قراءت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی پست آواز سے۔

تشریح: یرفع طورا: اگر نشاط ہوتا تو آواز بلند فرماتے، اور جب نشاط نہ ہوتا تو آہستہ پڑھتے۔

جب وہاں کوئی سویا ہوتا تو پست آواز سے پڑھتے۔

یا وہاں کوئی موجود ہوتا اور آپ کو اس کے حال سے جو اندازہ ہوتا اس کے مناسب بلند یا پست آواز سے پڑھتے۔ (مرقاۃ:۱۲۶/۳)

ایضاً

﴿۱۱۳۵﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱۸۷/۱، باب فی رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر:۱۳۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اتنی مقدار میں بلند ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں ہوتے اور صحن میں موجود شخص اس کو سن لیتا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت عام حالات میں نہ بہت زیادہ بلند ہوتی اور نہ نہایت پست ہوتی بلکہ معتدل ہوتی تھی، اس طور پر قراءت ہوتی کہ حجرہ میں پڑھ رہے ہوتے تو صحن میں موجود شخص اس کو سن سکتا تھا۔ (مرقاۃ:۱۲۶/۲)

تہجد کی نماز کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت

﴿۱۱۳۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَۃً فَاِذَا ھُوَ بِاَبِیْ بَکْرٍ یُصَلِّیْ وَیَخْفِضُ مِنْ صَوْتِہٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَھُوَ یُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَہٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَبَابَکْرٍ مَرَرْتُ بِکَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ تَخْفِضُ صَوْتَکَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِکَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ رَافِعاً صَوْتَکَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطَانَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَابَکْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئاً۔ (رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱۸۸/ ۱، باب فی رفع الصوت بالقرأۃ فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر:۱۳۲۹۔ترمذی شریف: ۱۰۰/ ۱، باب ما جاء فی قرأۃ اللیل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۴۷۔

حل لغات: اوقظ ایقاظ، باب افعال سے، بیدار کرنا۔الوسنان، سونے والا جو بالکل نیند میں مستغرق نہ ہو، اونگھ، نیند کی ابتدائی حالت،طرد یطرد طرداً، دھتکارنا، دور کرنا، باب نصر سے فعل مضارع، واحد متکلم۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گذرے وہ نماز پڑھ رہے تھے، اور قراءت بہت آہستہ سے کر رہے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گذرے، وہ بھی نماز پڑھ رہے تھے، اور بلند آواز سے قراءت فرما رہے تھے، جب دونوں حضرات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تمہارے پاس سے اس حال میں

گذرا کہ تم نماز پڑھ رہے تھے، اور قراءت آہستہ سے کر رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس کو سنا رہا تھا جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں تمہارے پاس سے گذرا، تم اس حال میں نماز پڑھ رہے تھے کہ قراءت میں تمہاری آواز بلند تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں سوئے ہوئے کو جگا رہا تھا، اور شیطان کو بھگا رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنی آواز کچھ بلند کر لو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ پست کر لو۔

تشریح: اسمعت من ناجیت: جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو سنا رہا تھا، اللہ میاں بہت قریب ہیں وہ بہت آہستہ کی آواز بھی سن لیتے ہیں، مقصد دونوں کے صحیح تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمادی۔

ارفع من صوتک شیئاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آپ نماز میں اپنی آواز قدرے بلند کریں تا کہ سامع کو فائدہ پہنچے اور جو چیختا ہو اس کو عبرت حاصل ہو کہ کس طرح پڑھنا چاہئے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ آواز قدرے پست کریں تا کہ دوسرے نماز پڑھنے والوں، یا سونے والوں یا معذورین کو تکلیف اور تشویش نہ ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وسط راہ کی طرف رہنمائی فرمائی، اسلئے کہ ہر چیز میں وسط ہی مطلوب ہے۔ (طیبی: ۳/۱۰۷، مرقاۃ: ۲/۱۲۷، التعلیق: ۲/۷۷)

نگرانی

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کو اپنے طلباء اور مشائخ کو اپنے مریدین اور

طالبین کی نگرانی کرتے رہنا چاہئے اور کوتاہی پر ان کی اصلاح بھی کرنا چاہئے۔

تہجد کی نماز میں ایک ہی آیت پڑھتے رہنا

﴿۱۱۳۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰیَۃٍ وَالْاٰیَۃُ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (رواہ النسائی وابن ماجۃ)

حوالہ: نسائی شریف: ۱/۱۱۶، باب تردید الایۃ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۱۰۰۹۔ ابن ماجہ: ۹۶، باب ما جاء فی قیام شھر رمضان، کتاب اقامۃ الصلاۃ الخ، حدیث نمبر: ۱۳۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صبح تک ایک ہی آیت پڑھتے رہے، وہ آیت یہ تھی "ان تعذبھم الخ" اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف کردیں تو بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

تشریح: یہ آیت سورۂ مائدہ کی ۱۱۸ ہے، یہ دراصل وہ درخواست ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی امت کی نسبت اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، پس تہجد کے وقت رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اپنی امت کے حسب حال یہ آیت پڑھی یعنی اپنی امت کا حال عرض کیا اور بخشش چاہنے کے لئے وقت قیام سے صبح تک بار بار یہی آیت پڑھتے رہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۲۷، التعلیق: ۲/۷۷)

فجر کے بعد لیٹنے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

﴿۱۱۳۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَلْیَضْطَجِعْ عَلیٰ یَمِیْنِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ترمذی شریف: ۹۶/ ۱، باب ما جاء فی الاضطجاع الخ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۲۰۔ ابوداؤد شریف: ۱۷۹/ ۱، باب الاضطجاع بعدھا، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۲۶۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو رکعت نماز پڑھ لے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جائے۔

تشریح: اس حدیث میں فجر کی سنت کے بعد کچھ دیر لیٹنے کا حکم ہے کہ جس نے شب بیداری کی اور تہجد کی نماز میں مشغول رہا وہ فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد کچھ دیر لیٹ جائے، تا کہ اس شب بیداری کی وجہ سے جو تعب وتکان ہوا ہے وہ دور ہو جائے اور اس استراحت کے ذریعہ وہ فجر کی نماز میں نشاط طبع اور اطمینان خاطر کے ساتھ شریک ہو۔

اختلاف ائمہ: ابن حزمؒ کے نزدیک سنت فجر کے بعد کچھ دیر لیٹنا واجب ہے اس کے بغیر فرض نماز صحیح نہیں ہوگی، ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین کا بھی یہی عمل ہے۔

اور امام مالکؒ وسعید بن المسیبؒ وسعید بن جبیرؒ کے نزدیک یہ بدعت ہے۔

امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے۔

احناف کے مختلف اقوال ہیں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ اگر رات میں تہجد پڑھ کر طبیعت میں

تعب وتکان ہوتو اس کو دور کرنے کے لئے اپنے گھر میں ذرا سا لیٹنا مستحب ہے مسجد میں لیٹنا جائز نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت بھی یہی تھی مسجد میں لیٹنا ثابت نہیں۔

دلائل ابن حزم: حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہیں۔ اور امام مالکؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آثار سے کہ وہ حضرات اس کو مکروہ اور بدعت قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے اگر وہ بیدار ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باتیں فرماتے ورنہ ذرا لیٹ جاتے۔

جوابات: ابن حزم کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے عبدالواحد راوی متکلم فیہ ہے اور امام مالک وغیرہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ صحیح حدیث مرفوع کے مقابلہ میں اثر صحابہ قابل استدلال نہیں۔ (درس مشکوٰۃ، مرقاۃ: ۲/۱۲۰ مطبوعہ بمبئی)

﴿الفصل الثالث﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد میں اٹھنے کا وقت

﴿۱۱۳۹﴾ وَعَنْ مَسْرُوْقٍؒ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَیُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ الدَّائِمُ قُلْتُ فَاَیَّ حِيْنٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۲/ ۱، باب من نام عند السحر، کتاب التہجد، حدیث نمبر:۱۱۳۲۔مسلم شریف: ۲۵۵/ ۱، باب صلاۃ اللیل الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۴۱۔

حل لغات: الصارخ، مرغ،صرخ یصرخ صراخاً وصریخاً، چیخنا،باب نصر سے۔

ترجمہ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حضرت نبی کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوکون سا عمل سب سے زیادہ پسند تھا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا وہ عمل جوکہ ہمیشہ کیا جائے،حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لئے کب کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جب مرغ کی آواز سنتے تھے۔

تشریح: قالت الدائم: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ عمل جس کو ہمیشہ کیا جائے چاہے وہ عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔(مرقاۃ: ۲/۱۲۸، طیبی: ۳/۱۰۹)

الصارخ: ملک حجاز میں مرغ کے بولنے کی عادت عام طور سے آدھی رات کے بعد ہے، اور شیخ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مرغ رات میں تین بار بولتا ہے۔(۱) سب سے پہلے آدھی رات کو۔(۲) جب ایک چوتھائی رات باقی رہ جائے اس وقت۔(۳)طلوع صبح کے وقت۔(بذل المجہود مع حاشیہ:۵۶۰/۵، طیبی:۳/۱۰۹، مرقات: ۲/۱۲۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد پڑھنے اور سونے کا ذکر

﴿۱۱۴۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ مَا کُنَّا نَشَاءُ

اَنْ نَّرٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی اللَّیْلِ مُصَلِّیاً اِلَّا رَاَیْنَاہُ وَلَا نَشَاءُ اَنْ نَّرَاہُ نَائِماً اِلَّا رَاَیْنَاہُ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۸۵/ ۱، باب ذکر صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر: ۱۶۲۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ رات میں (اسوقت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کونماز پڑھتے دیکھیں مگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کواس وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتے تھےاور ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتا ہوا دیکھیں مگر دیکھ لیتے تھے۔

تشریح: ولانشاء ان نراہ نائما الا رأیناہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال متوسط تھا، نہ افراط تھا کہ پوری رات ہی تہجد میں مشغول ہوتے اور نہ تفریط کہ معمولات میں کمی فرمادیتے بلکہ جس وقت سونا مناسب ہوتا اس وقت سوجاتے جیسے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں، اور جس وقت نماز پڑھنے کا وقت مناسب ہوتا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے، جیسے کہ رات کے آخری حصہ میں۔

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رات میں نماز پڑھنے اورسونے سے متعلق ادلتابدلتا رہتا تھا، اورمخصوص طور پرکوئی متعین وقت سونے اورنماز پڑھنے کانہیں تھا، بلکہ جتنی دیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسانی سے قیام کرسکتے نماز میں مشغول رہتے اور جب سونے کا تقاضہ ہوتا سوجاتے یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مخالف نہیں ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز کے لئے اٹھتے جب مرغ کی آواز سنتے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات کی خبردے رہی ہیں اور حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر نماز

گھر ہی میں ہوتی تھی، اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر کے معمول کی خبر دے رہے ہیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثری عادت مبارکہ کی خبر دے رہی ہیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتفاقی معمول کو نقل فرمارہے ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۲۹)

فائدہ: (۱)...... مصلحت یہ تھی کہ رات کے ہر ہر حصہ میں نماز کا معمول ہو جائے۔

(۲)...... دوسری مصلحت یہ تھی کہ امت کے لئے سہولت ہو جائے کہ جس شخص کو رات کے جس حصہ میں نماز پڑھنے میں سہولت ہو اسی وقت پڑھ لے رات کے جس حصہ میں بھی وہ نماز پڑھیگا سنت کے مطابق ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد

﴿۱۱۴۱﴾ وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا فِيْ سَفَرٍ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ حَتّٰى اَرٰى فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰى صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِّنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰى بَلَغَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَاءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ صَلّٰى قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۱۸۵/۱، باب بای شیء یستفتح صلاۃ اللیل، کتاب قیام اللیل.

حل لغات: رقب یرقب رقوباً، باب نصر سے، نگہبانی کرنا۔ ارقبن، امر تاکید بانون تاکید ثقیلہ واحد متکلم۔ العتمۃ، رات کی پہلی تہائی، رات کی تاریکی، ملک عرب میں عشاء کو عتمہ کہتے ہیں۔ ھویا، لمبا وقت، دیر تک، اھوی، قصد کرنا، مائل ہونا، جھکنا۔ استل استلالاً، کسی چیز میں سے آہستہ آہستہ نکالنا، باب افتعال سے۔ فراش، بستر، جمع افرشۃ وفرش. استن، مسواک کرنا، باب افتعال سے۔ سواک، مسواک، جمع سووک، دانت صاف کرنے کی لکڑی۔ قدح، پیالہ، پینے کا برتن، جمع اقداح. افرغ، باب افعال سے، پانی گرانا۔ الاداوۃ، چمڑے کا چھوٹا برتن، جمع اداوی.

ترجمہ: حضرت حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے بیان کیا کہ ایک سفر کے دوران میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں نے دل میں سوچا کہ آج رات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز ضرور دیکھوں گا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے ادا کرنے کے طریقہ کو میں سیکھ لوں، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز (جس کو عتمہ کہا جاتا ہے) سے فارغ ہوئے تو آرام کے لئے بہت رات تک لیٹے رہے، پھر بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "ربنا ما خلقت ھذا باطلاً" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "انک لاتخلف المیعاد" تک پڑھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بستر کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس میں سے اپنی مسواک نکالی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ میں اس چھاگل سے پانی

ڈالا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اتنی دیر تک ہوئی کہ میں نے دل میں کہا کہ جتنی دیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوئے اتنی ہی دیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے، یہاں تک کہ میں نے دل میں سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر سوئے جتنی دیر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور وہی کیا جو پہلی مرتبہ بیدار ہو کر کیا تھا، اور وہی پڑھا جو پہلی مرتبہ پڑھا تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل فجر سے پہلے تک تین مرتبہ کیا۔

تشریح: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کا حال ہے۔

سفر میں تہجد

فائدہ: معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی تہجد کا اہتمام فرماتے تھے لہٰذا سفر میں بھی نماز تہجد مسنون ہے۔

سفر میں نوافل

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دشواری نہ ہو تو سفر میں بھی سنن و نوافل کا اہتمام کرنا چاہئے۔

تہجد کی نماز اور اس میں قراءت کا انداز

﴿۱۱۴۲﴾ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلٰوتِهٖ فَقَالَتْ مَا لَكُمْ وَصَلٰوتَهٗ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ يُصَلِّيْ قَدْرَمَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَمَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَآءَتَهٗ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَآءَةً مُّفَسَّرَةً حَرْفاً حَرْفاً۔ (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی)

حواله: ابوداؤد شریف:۱۸۵/۱، باب استحباب الترتیل فی القراءة، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۴۶۶۔ ترمذی شریف: ۱۲۰/۲، باب ما جاء کیف کانت قرأة النبی صلی الله علیه وسلم، ابواب فضائل القرآن، حدیث نمبر:۲۹۲۲۔ نسائی شریف :۱۸۵/۱، باب ذکر صلاة رسول الله باللیل، حدیث نمبر :۱۶۲۸۔

حل لغات: نعتت، فعل ماضی واحد مونث غائب ،نعت ینعت نعتاً، باب فتح سے،تعریف کرنا۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن مملکؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اور نماز کے بارے میں دریافت کیا؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے تمہیں کیا مطلب،حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے،پھر سوتے تھے،اتنی مقدار جتنی مقدار نماز پڑھی تھی،پھر اتنی مقدار نماز پڑھتے تھے جتنی مقدار سوتے تھے، پھر اتنی مقدار سوتے جتنی مقدار نماز پڑھی ہوتی، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی قراءت کا ذکر کیا،اس انداز سے انھوں نے قراءت کی کہ ایک ایک حرف بالکل صاف اور الگ الگ معلوم ہوتا تھا۔

تشریح: **مالکم و صلاته**: میں سائل کے سوال پر نکیر نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کا تعجب ہے اور اس کی نظیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول پیش کیا جا سکتا ہے "**ایکم یطیق ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیق**" مطلب یہ ہے کہ تم میں کون شخص ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی قراءت پر قادر ہو سکے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۲۹)

حدیث پاک سے نماز کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کی کیفیت کا بھی بیان ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت بالکل صاف صاف ہوتی تھی ایک ایک حرف الگ الگ ہوتا تھا۔

فائدہ: (۱)......حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم و تعلم کا ذوق وشوق اور اتباع سنت کا جذبہ اور اس کا اہتمام معلوم ہوا۔

(۲)......ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے قلوب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور قدر و منزلت کا اندازہ ہوا جو مستقل معجزہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مایقول اذا قام من اللیل

رقم الحدیث:...... ۱۱۴۳ تا ۱۱۵۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب مایقول اذا قام من اللیل﴾

اس باب میں وہ روایات منقول ہیں جن میں تہجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکار وادعیہ کا ذکر ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

تہجد کی نماز میں دعا

﴿۱۱۴۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ

وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۵۱/۱، باب التهجد بالليل، كتاب التهجد، حدیث نمبر:۱۱۲۰۔ مسلم شریف: ۲۶۲/۱، باب الدعاء فی الليل، كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر:۷۶۹۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے "اللهم لك الحمد الخ" اے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے، تو ہی آسمانوں زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا قائم رکھنے والا ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا نور ہے، اور تیرے ہی لئے حمد ہے آسمانوں زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا بادشاہ ہے، اور تیرے ہی لئے حمد ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، تیرا قول حق ہے، جنت حق ہے دوزخ حق ہے، تمام انبیاء حق ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے اللہ میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں، اور میں نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں، اور تیرے ہی لئے جھگڑتا ہوں اور تجھ سے ہی فیصلہ چاہتا ہوں میرے اگلے پچھلے چھپے اور کھلے، اور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے سب گناہ بخش دے۔ تو ہی آگے بڑھانیوالا ہے۔ اور پیچھے کرنیوالا ہے، تو ہی معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

تشريح: یہ دعاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے، کس موقع پر پڑھتے تھے صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے نماز شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے، لیکن اظہر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے فوراً بعد پڑھتے تھے، یا پھر رکوع کے بعد قومہ میں سیدھا کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ (مرقات:۲/۱۲۹)

ایضاً

﴿۱۱۴۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۶۳/۱، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، کتاب المسافرین، حدیث نمبر: ۷۷۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتدا ان کلمات سے کرتے، "اللھم رب جبرئیل الخ" اے اللہ جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے، چھپی اور کھلی باتوں کے جاننے والے، آپ ہی فیصلہ فرمائیں گے ان چیزوں کے درمیان جن میں آپ کے بندے اختلاف کرتے ہیں، اے اللہ مجھ کو اختلافی چیزوں میں اپنی توفیق سے حق بات کی طرف راہنمائی عطا کردیجئے، بے شک آپ جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

تشریح: اللھم رب جبرئیل: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس لئے مقدم کیا کہ وہ تمام کتب سماویہ کے امین ہیں لہذا دینی تمام امور آپ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

اورحضرت اسرافیل علیہ السلام کومؤخر کیااس لئے کہ وہ لوح محفوظ اورصور پھونکنے کے امین ہیں لہٰذا ان سے معاش اور معاد کے امور متعلق ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام کووسط میں لائے اس لئے کہ ان دونوں حضرات کے دونوں کناروں کوآپ نے تھام رکھا ہےاورآپ بارش کےقطروں اورنباتات کےامین ہیں جس سے رزق متعلق ہوتا ہےاوراسی رزق سے دنیا اورآخرت دونوں سنبھلتی ہے،حضرت جبرئیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام سے افضل ہیں اورحضرت جبرئیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام میں سےکون افضل ہےاس میں اختلاف ہے،راجح یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام افضل ہیں۔(مرقاۃ:۲/۱۳۱،بذل المجہود:۴/۱۳۴)

ایضاً

﴿۱۱۴۵﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ الَّیْلِ فَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ اَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰی، قُبِلَتْ صَلَاتُہٗ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۵، باب فضل من تعار من اللیل فصلی، کتاب التھجد، حدیث نمبر: ۱۱۵۴۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص رات میں بیدار ہو اور یہ دعا پڑھے ''لاالـہ '' الا اللہ الـخ'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اور اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، گناہوں سے بچنے اور عبادت کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر یہ تسبیح پڑھے ''رب اغـفـر لـی'' اے میرے رب مجھ کو معاف فرما دیجئے، یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دعا کرے'' اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہو جائے گی۔

تشـــریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب رات میں آنکھ کھلے تو منہ سے کوئی بات نکالنے سے پہلے مذکورہ دعاء پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء ضرور قبول فرمائیں گے، اور اگر وضو کر کے نماز پڑھی جائے تو نماز بھی بہت جلد بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت سے نوازی جائے گی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۱)

﴿الفصل الثانی﴾

ایضاً

﴿۱۱۴۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَأَسْأَلُكَ

رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْماً وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۹۰، باب مایقول الرجل اذا تعار من اللیل، کتاب الادب، حدیث نمبر:۵۰۶۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے "لا الـہ الا انت" آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات پاک ہے، اے اللہ! آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، میں اپنے گناہوں کی آپ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، اور آپ کی رحمت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرمادیجئے، مجھے ہدایت عطا کرنے کے بعد میرے دل میں کجی مت پیدا کیجئے، اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے، بے شک آپ ہی بخشنے والے ہیں۔

تشـــریح: اس حدیث میں مذکور دعا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں بیدار ہونے کے وقت پڑھتے تھے، اس دعاء میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اپنے لئے مغفرت طلب کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ گناہوں سے معصوم ہیں، پھر بھی گناہوں سے مغفرت طلب کرنا تعلیم امت کی خاطر تھا، یا پھر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی بناء پر تھا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف اولیٰ عمل کو ذنب سے تعبیر فرمایا ہے کیوں کہ کمال اطاعت کا تقاضہ یہی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کا سوال کیا اور علم میں برکت کا سوال کیا اور ہدایت پر ثابت قدم رہنے کو طلب کیا، یہ سب امت کی تعلیم کی خاطر تھا۔ (مرقاۃ:۲/۱۳۲)

باوضو ذکر کرتے ہوئے سونے کی فضیلت

﴿۱۱۴۷﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ۔

(رواه احمد وابوداؤد)

حواله: مسند احمد: ۵/۲۴۱. ابوداؤد شریف: ۲/۶۸۷، باب فی النوم علی طهارة، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۰۴۲۔

ترجمه: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو مسلمان پاکی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سوتا ہے، پھر رات میں بیدار ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھلائی عطا فرماتے ہیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی جب سونے لگے تو پاک ہوکر سوئے ''طاهراً'' سے مراد یہ ہے کہ وضو کرکے سوئے یا تیمم کر کے سوئے، یا پھر طہارت سے مراد دل کی طہارت ہے یعنی حسد کینہ بغض وغیرہ سے دل کو پاک کر کے سوئے، دونوں معنی ایک ساتھ مراد ہوسکتے ہیں کہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی پاکی حاصل کر کے سوئے، اور ذکر کرتے ہوئے سوئے، ذکر سے مراد یا تو وہ اذکار ہیں جو سونے کے وقت مستحب ہیں، یا پھر عام اذکار مراد ہیں، اور جب بیدار ہو تو ذکر کرتے ہوئے بیدار ہو، اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے۔

فیتعار: رات میں آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ سے خیر وعافیت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء ضرور قبول فرماتے ہیں۔ (مرقاة: ۲/۱۳۲)

تہجد کی نماز سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

﴿۱۱۴۸﴾ وَعَنْ شَرِيْقٍ بِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ

فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَّاسَأَلَنِيْ عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْراً وَحَمِدَ اللّٰهَ عَشْراً أَوْقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْراً وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ عَشْراً وَاسْتَغْفَرَ عَشْراً وَّهَلَّلَ اللّٰهَ عَشْراً ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ عَشْراً ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۶۹۴، باب ما یقول اذا اصبح، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۰۸۵۔

حل لغات: ھب من النوم او اللیل، نیند سے بیدار ہونا۔ ھب یھب ھبوباً، باب نصر سے۔ ھلل یھلل تھلیلاً، باب تفعیل سے۔ لاالہ الا اللہ، کہنا تسبیح پڑھنا۔ ضیق: بکسر الضاد، اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے، سختی، حزن، غم جس سے تنگ دلی ہو، ضاق یضیق ضیقاً و ضیقاً، باب ضرب سے، تنگ ہونا۔

ترجمہ: حضرت شریق ہوزنی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں بیدار ہونے کے بعد کس عمل سے شروع کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تم نے ایسی چیز پوچھی ہے کہ وہ چیز تم سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی نہیں پوچھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو دس مرتبہ "اللہ اکبر" کہتے، دس مرتبہ "الحمدللہ" کہتے، دس مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہ" کہتے دس مرتبہ "سبحان اللہ الملک القدوس" کہتے، دس مرتبہ استغفار پڑھتے، دس مرتبہ "لاالہ الا اللہ" کہتے، پھر یہ دعا دس مرتبہ پڑھتے "اللھم انی اعوذ الخ" اے اللہ میں تجھ سے دنیا کی تنگی اور

قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے۔

تشریح: یہ سب دعائیں یا تو نماز سے پہلے ہوتی تھیں، یا ثناء کی جگہ پڑھتے تھے، ظاہر یہ ہے کہ نماز شروع فرمانے سے قبل یہ دعائیں پڑھتے تھے۔

﴿الفصل الثالث﴾

ایضاً

﴿۱۱۴۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَآاِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ اَبُوْدَاؤُدَ بَعْدَ قَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلٰثاً وَفِیْ آخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَأُ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۵۷، باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۴۲۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۱۳، باب من رأی الاستفتاح الخ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۷۷۵۔ نسائی: ۱/۱۰۴، باب نوع آخر من الذکر الخ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۸۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر یہ پڑھتے "**سبحانک اللھم الخ**" اے اللہ تو پاک ہے تیری ہم تعریف کرتے ہیں، تیرا نام بابرکت ہے، تیری بزرگی بلند وبالا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "**اللہ اکبر کبیراً**" کہتے اور یہ پڑھتے "**اعوذ باللہ الخ**" میں اللہ تعالیٰ جو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے کی شیطان مردود سے اس کے وسوسہ ڈالنے سے اس کے پھونک اور اس کے دم کرنے سے پناہ چاہتا ہوں۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے "**غیرک**" کے بعد یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں، "**ثم یقول الخ**" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ فرماتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں "**ثم یقرأ**" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے۔

تشریح: تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے ثنا پڑھتے تھے، ثنا کے الفاظ احادیث میں مختلف آئے ہیں اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد مذکورہ دعاء پڑھتے تھے۔

ھمزہ: اس سے مراد شیطان کا وسوسہ اور برے خیالات ڈالنا ہے بعض لوگوں نے "**ھمزہ**" کے معنی جنون بھی کئے ہیں۔

نفخہ: مراد عجب اور تکبر ہے انسان کے دل میں غرور اور تکبر شیطان ہی ڈالتا ہے اس لئے اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ونفثہ: مراد جادو ہے یعنی شیطانی جادو سے پناہ مانگتا ہوں۔(مرقاۃ: ۲/۱۳۳، التعلیق: ۲/۸۱)

ایضاً

﴿۱۱۵۰﴾ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْاَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ اَسْمَعُهٗ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ الْهَوِيَّ ۔ (رواه النسائی وللترمذی نحوه وقال هذا حدیث حسن صحیح)

حواله: نسائی شریف: ۱/۱۸۴، باب ذکر مایستفتح به القیام، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر:۱۶۱۷۔ ترمذی شریف: ۲/۱۷۹، باب منه، کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۳۴۱۶۔

حل لغات: الهوی، دیر تک

ترجمه: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیرضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کے قریب رات گزارتا تھا، میں سنتا تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے، تو دیر تک "سبحان رب العالمین" پڑھتے، پھر دیر تک "سبحان اللہ و بحمدہ" پڑھتے، (نسائی) ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے۔

تشریح: ربیعہ بن کعب الاسلمی: یہ اصحاب صفہ میں سے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ (مرقاۃ:۲/۱۳۳)

کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں کافی دیر تک مذکورہ کلمات ہی پڑھا کرتے تھے، پہلے کلمات میں صرف اللہ تعالیٰ کی پاکی کا بیان ہے جب کہ دوسرے کلمات میں پاکی کے ذکر کے ساتھ حمد بھی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۳۳) ✿✿✿

بسم الله الرحمن الرحيم

باب التحريض على قيام الليل

رقم الحدیث:...... ۱۱۵۱ تا ۱۱۷۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب التحریض علی قیام اللیل﴾

شب بیداری پر رغبت دلانے کا بیان

تحریض کے معنی ہیں ابھارنا، برانگیختہ کرنا، شوق دلانا، آمادہ کرنا۔

نصف لیل کے بعد قیام اور شب بیداری کو تہجد کی نماز سے تعبیر کرتے ہیں ویسے تہجد کا زیادہ مناسب وقت شب کا آخری حصہ ہے اس بات کے تحت اکیس احادیث درج کی گئی ہیں جن میں شب بیداری اور نماز تہجد کی فضیلت اور نماز تہجد کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء وصالحین کی مبارک سنت اور پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے فرائض وسنن مؤکدہ کے بعد نمازوں میں تہجد ہی کا درجہ ہے رات کے آخری حصہ میں جب کہ پراگندہ کرنے والی مشغولیات سے دل صاف ہوتا ہے جمعیت خاطر کی دولت حاصل ہوتی ہے ماحول پرسکون ہوتا ہے آوازیں تھمی ہوئی ہوتی ہیں اور لوگ بستر خواب پر دراز ہوتے ہیں ایسے وقت عبادت کا لطف ہوتا ہے جس میں آدمی فارغ البال ہو اور دل اللہ کی جانب متوجہ ہو، لوگ خوابیدہ ہوں اور میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہوں ایسے وقت میں ایک بندے کا اٹھ کر نماز پڑھنا اللہ کی خصوصی رحمت کا حقدار بنا دیتا ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ :۳/۴۸۲)

﴿الفصل الاول﴾

بوقت نوم شیطان کا گدی پر تین گرہ لگانا

﴿۱۱۵۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلیٰ قَافِیَةِ رَأْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عَلیٰ کُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطاً طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۵۳/ ۱، باب عقد الشیطان علی قافیة الرأس، حدیث نمبر:۱۱۴۲۔ مسلم شریف: ۲۶۵/ ۱، باب الحث علی صلاة اللیل، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر:۷۷۶۔

حل لغات: عقد یعقد عقداً (ض) گرہ لگانا، عقدة، گرہ، جمع عُقَدٌ، انحلت (انفعال) سے واحد مونث غائب، فعل ماضی، انحل، کھل جانا، کسلان، سست، جمع کُسالیٰ.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے ہر گرہ پر مارتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے سوتا رہ! تو اگر کوئی شخص بیدار ہوتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وضو کرتا ہے تو

دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، چنانچہ ایسا شخص چست اور پاک نفس ہو کر صبح کرتا ہے، ورنہ تو وہ شخص کاہل اور پلید نفس ہو کر صبح کرتا ہے۔

تشریح: اذا هو نام ثلاث عقد: ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گرہ لگانے سے مراد یہ ہے کہ شیطان انسان کو سستی اور کاہلی کی طرف ابھارتا اور دعوت دیتا ہے۔ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گرہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حقیقت میں گرہ لگائی جاتی ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے حقیقت میں گرہ لگائی جاتی ہے، جیسا کہ جادوگر جس پر جادو کرتا ہے اس پر گرہ لگاتا ہے، جیسا کہ اس کی تائید اس حدیث کے ٹکڑے سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ ہر آدمی کے سر پر ایک ڈور ہوتی ہے اور اس میں تین گرہ ہوتی ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ مجاز پر محمول ہے گویا کہ شیطان کا فعل جو سونے والے کے ساتھ ہے اس کو تشبیہ دی ہے جادو کرنے والے کے فعل سے جو کہ جادوگر مسحور کے ساتھ کرتا ہے یعنی جس طرح ساحر اپنے سحر کے ذریعہ مسحور کو اس کی مراد تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اسی طرح شیطان بھی اپنی گرہ کے ذریعہ سے سونے والے کو بیدار ہونے سے روک دیتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گرہ سے مراد دل پر گرہ لگانا ہے کہ شیطان سونے والے کے قلب پر وسوسہ ڈالتا ہے کہ رات کا بہت بڑا حصہ ابھی باقی ہے تاکہ سونے والا اٹھنے میں تاخیر کرے۔ مرقاۃ: ۲/۱۳۴، التعلیق: ۲/۸۱)

سوال یہ ہے کہ شیطان تین گرہ کیوں لگاتا ہے؟

جواب: شیطان تین چیزوں سے گرہ لگا کر روکتا ہے وہ تین چیزیں ہیں: (۱) ذکر اللہ۔ (۲) وضو۔ (۳) نماز۔ چونکہ تین چیزوں سے روکنا مقصود ہے اس لئے تین گرہیں شیطان لگاتا ہے، بندہ کے ان تین اعمال سے تینوں گرہیں کھل جاتی ہیں۔

تہجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت وریاضت

﴿۱۱۵۲﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ لِمَ تَصْنَعُ ھٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَکَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْداً شَکُوْراً۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۲۶، باب لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۸۳۶۔ مسلم شریف: ۲/۳۷۷، باب اکثار الاعمال و الاجتھاد فی العبادۃ، واحکامھم، حدیث نمبر: ۲۸۱۹۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اتنا لمبا قیام فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں پر ورم آ گیا کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ معصوم ومغفور تھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے تھے، بہت کثرت سے عبادت کرتے تھے اور اس قدر محنت و ریاضت کرتے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سوج جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بخشے بخشائے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے اگر چہ میں مغفور ہوں لیکن شکر گذاری کا تقاضہ یہ ہے کہ میں عبادت کروں لہٰذا میں اپنے رب کا شکر گذار بندہ بننے کے لئے کثرت سے عبادت کرتا ہوں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۵، التعلیق: ۲/۸۲)

نماز کے لئے بیدار نہ ہونے کا وبال

﴿۱۱۵۳﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهٗ مَازَالَ حَتّٰى اَصْبَحَ مَاقَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطٰنُ فِيْ اُذُنِهٖ اَوْ قَالَ فِيْ اُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۳/ ۱، باب اذا نام ولم یصل بال الشیطان فی اذنہ، کتاب التہجد، حدیث نمبر: ۱۱۴۴.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بتایا گیا کہ وہ شخص صبح تک برابر سوتا رہا نماز کے لئے بیدار نہیں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کے کان میں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دونوں کانوں میں شیطان نے پیشاب کردیا۔

تشریح: جو شخص پڑا سوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بیدار نہ ہوا ایسا شخص نہایت حقیر اور یہ اس لائق ہے کہ شیطان اس کے کان میں پیشاب کردے کیوں کہ جو شخص مؤذن کی آواز پر لبیک نہ کہے اور کانوں میں تیل ڈالے پڑا ہے وہ اس کے مانند ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کردیا ہو۔

ماقام الی الصلوٰۃ: سے کیا مراد ہے؟

جواب: تہجد کی نماز بھی مراد ہوسکتی ہے اور فجر کی نماز بھی، دونوں کا احتمال ہے لہٰذا دونوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

بال الشیطان: شیطان کے پیشاب کرنے سے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ شیطان حقیقۃً اس کے کانوں میں پیشاب کردیتا ہے اور معنی مجازی بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور مطلب ہوگا کہ شیطان اس کو حقیر سمجھتا ہے۔ (مظاہر حق: ۲/۱۶۴، التعلیق: ۲/۸۲، مرقاۃ: ۲/۱۳۵)

اہل خانہ کو بیدار کرنا

﴿۱۱۵۴﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ۔ (رواه البخاري)

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۴۷، باب لایأتی زمان الا الذی بعده شر منه، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۷۰۶۹۔

حل لغات: من یوقظ، کوئی ہے جو اٹھادے (باب افعال سے) کاسیة، لباس پہننے والی اسم فاعل ہے کسا یکسو (ن) سے، فزعا، گھبراہٹ، عاریة، ننگی، جمع عاریات، عَرِیَ یَعْرَیٰ عُرْیَةً، ننگا ہونا، (س)

ترجمه: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر بیدار ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے، کہ سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر خزانے اتر رہے ہیں، اور کس قدر فتنے اتر رہے ہیں، کون ہے جو حجرہ والیوں کو بیدار کردے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ازواج مطہرات تھیں

تا کہ وہ نماز پڑھ لیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں کپڑے پہنے ہوئے ہیں آخرت میں ننگی ہونگی۔

تشریح: ماذا انزل اللیلۃ من الخزائن: خزائن سے مراد رحمت ہے اور فتن سے مراد عذاب ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتن سے مراد وہ حوادثات ہیں جو صحابہ کے درمیان آپس میں واقع ہوئے۔(مرقاۃ:۲/۱۳۶)

رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ: کا مطلب یہ ہے کہ بیشمار عورتیں دنیا میں طرح طرح کے لباس پہنے ہوئے ہوں گی، اور زینت کی چیزیں بھی خوب استعمال کی ہوں گی، لیکن جب حساب وکتاب کا وقت آئے گا تو ان کے نامہ اعمال ثواب سے خالی ہوں گے، یا یہ کہ وہ حقیقت میں دنیا میں کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی، لیکن وہ آخرت میں بالکل ننگی ہوں گی، جیسے کہ باریک کپڑا جس سے پورا بدن نظر آئے یا جالی دار کپڑا پہننا، یا کہ ازواج مطہرات کو نماز کے لئے جگانے کو بیان کرنے کے لئے ہے، کہ ان ازواج مطہرات کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عبادت سے غافل ہو جائیں، اس اعتماد پر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے شوہر ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل خانہ ہیں، جو یقیناً دنیا میں عزت وشرف کا مقام ہے، لیکن عبادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ آخرت میں اعمال سے خالی ہوں اس لئے کہ نسبت آخرت میں کوئی کام نہ دے گی، اور اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دے گی، اور حدیث اگر چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ساتھ خاص ہے، لیکن تمام عورتوں کو عام ہے اس لئے کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا سبب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۳۶، طیبی:۳/۱۲۵، التعلیق الصبیح:۲/۸۳،۲۸)

رات کے اخیر حصہ میں دعا کی قبولیت

﴿۱۱۵۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الآخِرُ یَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَہٗ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ فَاُعْطِیَہٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَلَہٗ۔(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ یَبْسُطُ یَدَیْہِ یَقُوْلُ مَنْ یُّقْرِضُ غَیْرَ عَدُوْمٍ وَّلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰی یَنْفَجِرُ الْفَجْرُ)

حوالہ: بخاری شریف:۱۵۳/۱، باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل، کتاب التھجد، حدیث نمبر:۱۱۴۵۔مسلم شریف:۱۵۸/۱، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۵۸۔

حل لغات: یبسط، فعل مضارع،واحد مذکر غائب،بسط یبسط بسطاً (ن) پھیلانا،یقرض، فعل مضارع،واحد مذکر غائب،قرض یقرض قرضاً (ض) سے اور باب افعال سے،قرض دینا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ''ہمارا رب جو کہ بزرگ وبرتر ہے ہر رات میں اس وقت جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے،اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کی ضرورت پوری کردوں اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو معاف کردوں (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ہاتھ دراز فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے،صبح تک یہ صدا اللہ تعالیٰ لگاتے رہتے ہیں۔

تشریح: ینزل ربنا تبارک وتعالی: ثبوت قطعیہ اور نقلیہ سے

ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جسم اور حلول سے پاک ہے، اور نزول کے معنی ہیں بلند جگہ سے نیچے اترنا، لہٰذا اس کی تاویل کرنے پڑے گی، چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱)...... کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اترتا ہے۔

(۲)...... یا رحمت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے۔

(۳) فرشتے مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں یہ تاویل حضرت امام مالکؒ سے منقول ہے۔

(۴)...... حضرت امام مالکؒ سے ہی یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال کرنے والوں اور پکارنے والوں کی طرف اپنے لطف ورحمت کے ساتھ ان کے سوال اور پکار کو پورا کرنے کے لئے اور ان کی معذرت قبول کرنے کیلئے متوجہ ہوتے ہیں۔

جمہورؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان اس کی جو بھی حقیقت ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اکثر متکلمین اور سلف کی ایک جماعت تاویل کے قائل ہے۔

ملا علی قاریؒ توقف کو افضل قرار دیتے ہیں یہی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (مرقات: ۲/۱۳۶، التعلیق الصبیح: ۲/۸۳)

یقول: یا تو اللہ تعالیٰ بذات خود کہتا ہے یا اپنے فرشتوں کے ذریعہ کہلواتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۸)

من یقرض غیر عدوم: کون ہے جو عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ کو بطور قرض دے ایسی ذات کو جو غنی ہے فقیر نہیں اور عطا کرنے سے عاجز بھی نہیں ہے، اور نہ ہی ظالم ہے کہ وعدہ کر کے پورا نہ کرے اور ثواب میں کمی کر دے لہٰذا جو شخص دنیا میں اس امید سے عمل کرے گا، کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا دے گا، اس لئے کہ وہ ذات اداء حق سے

عاجز نہیں اور عادل ہے ظالم نہیں کہ جتنا قرض دیا اس میں سے کمی کرے، بلکہ اس قرض سے بہت بڑھا چڑھا کر عطا کرتا ہے، اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان دوصفتوں کی نفی کے ساتھ متصف اس لئے کیا کہ ان دوصفتوں کی وجہ سے ہی آدمی قرض دینے سے رک جاتا ہے، لہٰذا ان صفات کی نفی کی اور مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا میں بھلائی کرے گا، آخرت میں میرے پاس پورا پورا ثواب پائے گا۔ مرقاۃ: ۱۳۸/۲)

ثم یبسط یدیہ: پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے شایان شان جو بھی اس کی مراد اور حقیقت ہے ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ (باقی تفصیل ابھی اوپر گذر چکی)۔

قرض سے تعبیر کیوجہ

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو بندوں پر لازم ہے مگر حق تعالیٰ شانہ نے اپنے انتہائی لطف وکرم اور مہربانی کیوجہ سے اس کو قرض سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح قرض کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کے نیک اعمال کا بدلہ اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے گویا کہ بندہ نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیدیا جس کی ادائیگی یقینی ہے جس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے:

اے اخدا قربان احسانت شوم

حتی ینفجر الفجر: یہاں تک کہ صبح ہوجائے، ہم اگرچہ اللہ کی آواز نہیں سنتے مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے معتبر مخبر ہیں، انہوں نے ہم کو بتلایا ہے۔

ہر رات میں مقبولیت کی ایک گھڑی ہوتی ہے

﴿۱۱۵۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْراً مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۵۸/۱، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۵۷۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ رات میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے کہ جو مسلمان آدمی اس کو پا کر اس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھی بھلائی دنیا وآخرت سے متعلق مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں، اور یہ ساعت ہر رات میں ہوتی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رات میں ایک گھڑی ایسی بھی آتی ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء قبول فرماتے ہیں اور وہ چیز عطاء فرماتے ہیں اور یہ گھڑی کسی خاص رات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر رات یہ گھڑی اور ساعت آتی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ دن کے مقابلہ میں رات افضل ہے اس لئے کہ دنوں میں صرف جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعاء ضرور قبول ہوتی ہے، اور راتوں میں ہر رات ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعاء ضرور قبول ہوتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۸)

رات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا طریقہ

﴿۱۱۵۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى اللّٰهِ صَلٰوةُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوٗدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَيَنَامُ سُدُسَهٗ وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا۔ متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۵۲/۱، باب من نام عند السحر، کتاب التهجد، حدیث نمبر:۱۱۳۱۔مسلم شریف:۲٦۷/۱، باب النهی عن صوم الدهر الخ، کتاب الصیام، حدیث نمبر:۱۱۵۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’تمام نمازوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور تمام روزوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ محبوب ہے، حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے تھے، اور تہائی رات تک قیام کرتے اور چھٹے حصے میں سو جاتے، اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

تشریح: وکان ینام نصف اللیل ویقوم ثلثه: علامہ ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کی اس نماز کو بہترین نماز فرمایا گیا اس لئے کہ جب آدمی رات میں دو تہائی حصہ سو لیتا ہے تو نیند پوری ہو جانے کی وجہ سے انسان تر وتازہ اور چست ہو جاتا ہے اور آخری رات میں وہ عبادت اور نماز خوب نشاط اور چستی سے پڑھے گا۔ (مرقاۃ:۲/۱۳۸)

یصوم یوما ویفطر یوما: علامہ ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار میں نفس پر بہت زیادہ مشقت ہوتی ہے اس لئے کہ نفس کو ایک دن کھانا نصیب ہوتا ہے، دوسرے دن اس سے محرومی ہوتی ہے جو نفس کے لئے بہت

دشوار ہوتی ہے اس لئے اللہ کو ایسے روزے بھی بہت پسندیدہ ہیں ۔(مرقاۃ:۲/۱۳۸)

رات کے اول حصہ میں آرام اورا خیر حصہ میں عبادت

﴿۱۱۵۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ تَعْنِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِيْ آخِرَهٗ ثُمَّ اِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ قَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ يَنَامُ فَاِنْ كَانَ عِنْدَ النِّدَآءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَاَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۴، باب من نام اول اللیل الخ، کتاب التهجد، حدیث نمبر:۱۱۴۶۔مسلم شریف: ۱/۲۵۴، باب صلاة اللیل، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر:۷۳۹۔

حل لغات: یحیی آخره: احیا یحیی احیاءً (افعال)بیدار رہنا۔ قضی حاجته: قضیٰ یقضی قضاء، پوری کرنا، فارغ ہونا، ہمبستری کرنا، (ض)۔افاض یفیض افاضة، الماء، (افعال)پانی گرانا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اول حصہ میں سوتے تھے، اور رات کے آخیر حصہ میں عبادت کرتے تھے، پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اہلیہ کے پاس جانے کی حاجت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت پوری فرماتے پھر سو جاتے، پھر اگر اذان اول کے وقت جنبی ہوتے تو جلدی سے اٹھ کر اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو نماز کیلئے وضو فرماتے پھر دو رکعت پڑھتے۔

تشریح: قضی حاجتہ ثم ینام: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ابتدائی رات میں سونے کی تھی اور رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنے اور عبادت کرنے کی تھی، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج سے کوئی حاجت ہوتی تو اپنی حاجت پوری فرماتے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے اور جب فجر سے پہلے اذان اول ہوتی ہے، تو اس وقت بیدار ہوتے اور غسل کی ضرورت ہوتی جنبی ہونے کی وجہ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما لیتے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضاء حاجت سے نماز کو مقدم کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نماز اور عبادۃ کو قضاء شہوت اور امور عادیہ سے مقدم کرنا ہی مناسب ہے اور جماع کو رات کے آخری حصہ میں کرنا مناسب ہے اس لئے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں انسان کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا اور پیٹ بھرے ہوئے ہونے کی حالت میں جماع کرنا یا جماع مضر ہے اور رات کے ابتدائی حصہ میں ہمبستری کرکے بغیر غسل پوری رات سوئے رہنا مکروہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وطی کے بعد غسل سے پہلے سونا بیان جواز کے لئے ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہے کہ جماع کے بعد وضو کرکے ہی استراحت فرماتے ہوں گے، اگرچہ اس حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۹، طیبی: ۳/۱۲۸)

فان کان عند النداء الاول: ایک زمانہ تک صبح صادق سے پہلے ایک اذان ہوتی تھی اور اس وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیتے تھے اس کو اذان اول سے تعبیر کیا ہے اور طلوع صبح کے بعد جو اذان حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیتے تھے وہ اذان ثانی کہلاتی تھی ایک قول یہ ہے، دوسرا قول یہ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کہ نداء اول سے مراد اذان ہے اور نداء ثانی سے مراد اقامت۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۹)

الفصل الثانی

تہجد کی نماز کا حکم

(۱۱۵۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّہٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَھُوَ قُرْبَۃٌ لَکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ وَمَکْفَرَۃٌ لِلسَّیِّاٰتِ وَمَنْھَاۃٌ عَنِ الْاِثْمِ ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۹۰/۱، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۳۵۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم قیامِ لیل کو لازم پکڑلو، بلاشبہ یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے دور کرنے نیز گناہوں سے روکنے کا سبب ہے۔

تشریح: دأب الصالحین: صلحاء کا طریقہ۔

مکفرۃ للسیات: گناہوں کو مٹانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

فانہ داب للصالحین: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ داب کے معنی عادت اور شان ہے، صالحین سے مراد انبیاء اور اولیاء سابقین ہیں اور اس حدیث کے ذریعہ اس امت کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جو امتیں پہلے گذر چکی ہیں، ان امتوں کے اولیاء وانبیاء کی عادت اور طریقہ تہجد کی نماز پڑھنے کی تھی، لہٰذا اس امت کو جو وسط امت اور خیر امت

ہے، اس کو بدرجہ اولیٰ تہجد کی نماز کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز کا اہتمام نہیں کرتا، وہ صالحین کاملین میں سے نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۳۹)

وھو قربۃ لکم: یعنی تہجد کی نماز ایسی عبادت وقربت ہے جو انسان کو اپنے رب سے قریب کر دیتی ہے، اور ایسی خصلت ہے جو گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور محرمات سے انسان کو بچاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے "ان الصلاۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" کہ بے شک نماز فواحش اور منکرات سے بچاتی ہے۔ (طیبی: ۳/۱۲۹، مرقاۃ: ۲/۱۳۹، التعلیق: ۲/۸۴)

تہجد کی نماز پڑھنے والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں

﴿۱۱۶۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ یَضْحَكُ اللّٰهُ اِلَیْهِمُ اَلرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوةِ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔ (رواہ فی شرح السنة)

حوالہ: شرح السنة للبغوی: ۴/۴۲، باب التحریض علیٰ قیام اللیل، حدیث نمبر: ۹۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تین طرح کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ (۱) وہ آدمی جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ (۲) وہ لوگ جو نماز کے لئے صف درست کرتے ہیں۔ (۳) وہ لوگ جو دشمن سے جہاد کیلئے صف درست کرتے ہیں۔

تشریح: یضحک اللہ: ان کو دیکھ کر اللہ ہنستا ہے، ایسا ہنسنا جو اس کی

شایان شان ہے، ہنسا کنایہ ہے خوش ہونے سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوتے ہیں اوران پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرماتے ہیں۔

جب کسی جگہ اللہ تعالیٰ کا ہنسا معلوم ہوتو ہم کوبھی ہنسنا چاہئے، اس حدیث کو آخر تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنستے تھے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۰، طیبی: ۲/۱۲۹، التعلیق: ۲/۸۴)

اخیر رات میں اللہ تعالیٰ کا قرب

﴿۱۱۶۱﴾ وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَايَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَّذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب اسناداً)

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱۹۸، باب كتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۷۹۔

ترجمه: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وہ وقت کہ جس میں رب العالمین بندہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، آخیر رات درمیان کا وقت ہے، تو اگر تم سے ہوسکے کہ تم ان میں شامل ہو جاؤ، جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں تو تم ضرور ان میں شامل ہو جاؤ۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے، سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

تشریح: بندہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سب سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے وہ آخری تہائی رات سے شروع ہوتا ہے یہی تہجد کیلئے بیدار ہونے کا اصل وقت ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں جھوم جھوم کر برستی ہیں، لہٰذا ہم سب کو کوشش کرنا چاہئے کہ اس وقت رب العالمین کو راضی کر کے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں اسلئے کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور خصوصی تجلی کا وقت ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۰، التعلیق: ۲/۸۵)

تہجد کیلئے میاں بیوی کو بیدار کرنا

﴿۱۱۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَاَیْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَاَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰی فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۵، باب قیام اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۳۰۸۔ نسائی: ۱/۱۸۳، باب الترغیب فی قیام اللیل، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر: ۱۶۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے ایسے آدمی پر جو رات میں بیدار ہوا، پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کیا، اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر اس نے اٹھنے سے انکار کیا، تو خاوند نے اپنی اہلیہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، اللہ

تعالیٰ رحمت نازل فرمائے اس عورت پر جو رات میں بیدار ہوئی اور نماز پڑھی اور اپنے شوہر کو بھی بیدار کیا اور اس نے بھی نماز پڑھی پس اگر شوہر نے اٹھنے سے انکار کیا تو اس نے شوہر کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔

تشریح: شوہر اور بیوی کو چاہئے کہ اطاعت الٰہی میں ایک دوسرے کے مددگار بنیں ایک دوسرے کا ساتھ دیں شوہر جس طرح خود تہجد پڑھے اپنی بیوی کو بھی تہجد کا عادی بنائے اور اگر عورت تہجد گذار ہے تو اس کو شوہر کیلئے فکرمند ہونا چاہئے کہ وہ تہجد پڑھنے والا بن جائے، یہ نہیں کہ خود نیک کام کرے اور اپنے شریک حیات کیلئے کوشش نہ کرے، بلکہ شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حق میں نیکی اور خیر کے کاموں میں معین ومددگار ہونا چاہئے۔

فائدہ: (۱)......اس حکم میں دیگر اعزہ واقرباء اور دوست واحباب بھی داخل ہیں کہ خیر کے کاموں میں دوست واحباب کی بھی فکر کرنا چاہئے۔

(۲)...... یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ امر خیر کیلئے اپنے بے تکلف دوست واحباب کو مجبور کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔(مرقاۃ:۱۴۰/۲،التعلیق:۲/۸۵)

تہجد کے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے

﴿۱۱۶۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الآخِرُ وَدُبُرُ الصَّلٰوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف:۱۸۷/۱، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۳۴۹۹۔

ترجمه: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کون سی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اخیر رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد۔

تشریح: ''جوف اللیل الاخر'' اخیر رات کے درمیان، اس سے مراد آخری تہائی حصہ ہے اور یہی تہجد کا وقت ہے کہ اس وقت دعاء زیادہ قبول ہونے کی امید ہے۔

دبر الصلوات المکتوبۃ: فرض نمازوں کے بعد بھی دعاء قبول ہوتی ہے۔

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء کرنا چاہئے کیونکہ یہ دعاء کی قبولیت کا وقت ہے، جب کہ اس زمانہ کے غیر مقلدین نماز باجماعت کے بعد دعاء مانگنے کو بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ مسلمانوں کا اس پر متواتر عمل ہے اور تواتر خود ایک حجت ہے، جب کہ اسکے علاوہ بہت سی احادیث سے فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے۔ (التعلیق: ۲/۸۵)

تہجد کی نماز کے اہتمام پر اللہ کا انعام

﴿۱۱۶۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَالِکٍ ہِالْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِیْ الْجَنَّۃِ غُرَفًا یُرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَبَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِمَنْ اَلَانَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَلِیٍّ نَحْوَہٗ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ)

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان: ۴/۴۰۴، باب فی الصیام، حدیث نمبر: ۳۸۹۲۔ ترمذی شریف: ۲/۷۹، باب ما جاء فی صفۃ غرف الجنۃ، کتاب صفۃ الجنۃ، حدیث نمبر: ۲۵۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں، جن کے اندر کی چیزیں باہر سے اور باہر کی چیزیں اندر سے دکھائی دیتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان بالاخانوں کو اس شخص کے لئے تیار کیا ہے، جو نرم بات کرے، کھانا کھلائے، پے در پے روزے رکھے، اور رات میں اس وقت نماز پڑھے جب کہ لوگ سو رہے ہوں بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو نقل کیا ہے، ترمذی نے اسی طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے، اور اس روایت میں ''لمن الان الکلام'' کے بجائے ''لمن اطاب الکلام'' نقل کیا ہے، یعنی جو عمدہ طریقے سے بات کرے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ صاف ستھرے پاکیزہ بالا خانے تیار کر رکھے ہیں، وہ بالا خانے بلور اور شیشے سے بھی زیادہ سفید ہیں جن میں آر پار بالکل صاف دکھائی دیتا ہے، وہ ان لوگوں کے لئے تیار ہیں جو آدمی نرم کلام اختیار کرے غریبوں مسکینوں کو خصوصاً اور عام انسانوں کو عموماً کھانا کھلانے کا اہتمام کرے، نفلی روزے کثرت سے رکھے، اور تہجد کی نماز کی پابندی کرے، جس میں یہ اوصاف موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ انعام واکرام کا مستحق ہو جائے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۱)

﴿الفصل الثالث﴾

تہجد کی نماز چھوڑنے کی ممانعت

﴿۱۱۶۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاعَبْدَ اللّٰهِ لَاتَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۵۴/ ۱، مایکره من ترک قیام اللیل لمن کان یقومه، کتاب التهجد، حدیث نمبر:۱۱۵۲۔مسلم شریف: ۳۶۶/ ۱، باب النهی عن صوم الدهر، کتاب الصیام، حدیث نمبر:۱۱۵۹۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبداللہ فلاں شخص کی طرح مت ہو جانا، وہ تہجد کی نماز پڑھتا تھا، پھر اس نے تہجد کی نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انسان ترقی کے منازل طے کرتا ہے، چنانچہ کسی عبادت کا معمول بنا کر اس کو ترک کرنا یہ ترقی کے بعد تنزلی کو پسند کرنا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کسی صحابیؓ نے تہجد کی نماز پڑھنے کا معمول بنایا پھر آرام طلبی کی وجہ سے بغیر کسی عذر کے اس معمول کو ترک کر دیا تو حدیث باب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو نصیحت کی کہ دیکھو تم ان کی طرح نہ ہونا یعنی تم بلاعذر تہجد کی نماز ترک نہ کرنا، اس لئے کہ تہجد کی نماز قرب خداوندی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۴۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کا تہجد کی نماز کا اہتمام

﴿۱۱۶۶﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَانَ

لِداوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ اللَّیْلِ سَاعَۃٌ یُوْقِظُ فِیْھَا اَھْلَہٗ یَقُوْلُ یَا آلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ ھٰذِہٖ سَاعَۃٌ یَسْتَجِیْبُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْھَا الدُّعَاءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۲۲۔

حل لغات: عشار، چنگی لینے والا، ناجائز ٹیکس لینے والا۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے رات میں ایک حصہ مقرر فرما رکھا تھا، اس میں وہ اپنے گھر والوں کو بیدار کر کے کہتے کہ اے داؤد کے آل والا داٹھو اور نماز پڑھو، بلاشبہ یہ ایسا وقت ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے، سوائے جادوگر اور چنگی وصول کرنے والے کی دعا کے۔

تشریح: الالساحر او عشار: اس حدیث میں ساحر اور عشار یعنی دسواں حصہ وصول کرنیوالے کا استثناء ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس وصول کرنے والے ناجائز طور پر عوام سے ٹیکس لیتے ہیں، جس سے لوگوں کو تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے، اسی طرح جادوگر بھی اپنے سحر کے ذریعہ لوگوں کو پریشان کرتا ہے اور شیطانی حرکات کا ارتکاب کر کے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اس لئے اس خاص وقت میں بھی ان دونوں کی دعاء قبول نہیں ہوتی، کیونکہ مخلوق کو نقصان پہنچانے والوں کی دعاء اللہ قبول نہیں کرتا اسی لئے بعض عارفین نے کہا کہ بندگی نام ہے اللہ کے حکم کی تعظیم کا اور اللہ کی مخلوق پر رحم کرنے کا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تمام مخلوق سے ساحر اور عشار کا استثناء کیا اللہ تعالیٰ کے ان سے ناراض اور غضباک ہونے کیوجہ سے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام مخلوق کیلئے عام ہوتی ہے، یعنی اگر وہ اس قبولیت دعاء کے وقت بھی کھڑے ہو جائیں اور

دعائیں کریں تو بھی اللہ تعالیٰ ان کی معصیت کے سخت ہونے اور توبہ کے دشوار ہونے کی وجہ سے انکی دعائیں قبول نہیں کرے گا، یا یہ کہ جب تک وہ اس گناہ عظیم میں مبتلا رہیں گے اور اس کو ترک کر کے پختہ توبہ نہیں کریں گے ان کی دعائیں قبول نہیں کرے گا۔ (مرقاۃ:۲/۱۴۲، طیبی:۳/۱۳۳)

تہجد کی نماز کی فضیلت

﴿۱۱۶۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند أحمد: ۲/۳۴۲.

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز درمیانی رات کی نماز ہے۔

تشریح: اس حدیث سے تہجد کی اہمیت اور فضلیت خوب اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنن رواتب سے بھی زیادہ فضلیت تہجد کی نماز کو حاصل ہے، لیکن جمہور کے نزدیک مجموعی طور پر سنن رواتب تہجد سے افضل ہیں لیکن ریاء سے دور ہونے کے اعتبار سے تہجد کی افضلیت مسلم ہے، اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اس لئے کہ سنن رواتب اس وجہ سے افضل ہیں، کہ وہ فرائض کیلئے تکملہ ہیں، نیز ان کی ادائیگی، کی بہت تاکید آئی ہے، اور تہجد کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ریاضت ومشقت بہت زیادہ ہے، اور ریاء سے بہت دور ہے۔ (مرقات:۲/۱۴۲)

تہجد کی نماز کا اثر

﴿۱۱۶۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ فَاِذَا اَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ اِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ ۔ (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

حوالہ: مسند احمد: ۲/۴۴۷، بیهقی: ۱/۷۴، ۳، خمس الصلوٰۃ والآثار فیها.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات میں تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور صبح کو چوری کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم کہہ رہے ہو اس سے یہ نماز اس شخص کو روک دے گی۔

تشریح: نماز کے بارے میں رب العالمین کا خود ارشاد ہے ''ان الصلوٰۃ تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر'' کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور چونکہ تہجد کی نماز خالص رضاء الٰہی کے لئے پڑھی جاتی ہے، اس وجہ سے اس کے اندر برائیوں سے روکنے کی تاثیر بہت زیادہ ہے اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز اس کو اس گناہ سے روک دیگی۔ (التعلیق: ۲/۸۶، مرقاۃ: ۲/۱۴۲)

تہجد کی نماز پڑھنے والوں کا مقام

﴿۱۱۶۹﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَيْقَظَ

الرَّجُلُ اَهْلَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا اَوْصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِيْنَ وَالذَّاكِرَاتِ۔ (رواه ابو داؤد وابن ماجة)

حواله: ابو داؤد شریف: ۱۸۵/۱، باب قيام الليل، كتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۳۰۹۔ ابن ماجه: ۹۴، باب ما جاء فيمن أيقظ الخ، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۱۳۳۵۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب آدمی رات کو اپنے اہل کو بیدار کرتا ہے، پھر وہ دونوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک دو رکعت نماز ایک ساتھ پڑھتے ہیں تو ان کا نام ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جاتا ہے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص خود بھی تہجد کا اہتمام کرتا ہے اور اپنے اہل خانہ کو بھی بیدار کرکے تہجد کی نماز میں مشغول کرتا ہے تو ان سب کو اللہ تعالیٰ ذاکرین میں شمار کرتا ہے، جن کی فضیلت قرآن کریم میں بیان کی گئی، کہ ان ذاکرین کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے، "اهله" سے مراد بیوی گھر کی دیگر عورتیں، رشتہ دار اولاد غلام، باندی سب کو شامل ہے۔ (مرقات: ۱۴۲/۲)

تہجد گذاروں کی فضیلت

﴿۱۱۷۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَافُ اُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ

وَاَصُحَابُ اللَّيُلِ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حواله: بيهقي في شعب الايمان: ٢/٥٥٦، باب في تعظيم القرآن، حدیث نمبر: ۲۷۰۳۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت کے معزز لوگ قرآن کے حامل اور شب بیداری کرنے والے ہیں۔

تشریح: اس امت کے معزز ترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کے حامل ہیں، اور قرآن کا حامل وہ کہلانے کا مستحق ہے جو قرآن کے الفاظ یاد کرنے والا ہو اس کے معنی سمجھنے والا ہو اس کے اوامر پر عمل کرنے والا ہو، اور نواہی سے بچنے والا ہو، اور قرآن کے مطابق زندگی گذارنے والا ہو۔

نیز قرآن پاک پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دینے والے سب اس کے مصداق میں داخل ہیں۔

و اصحاب الليل: اور راتوں کو جاگ کر تہجد اور تلاوت کرتے ہیں، اصحاب اللیل سے مراد تہجد گذار لوگ ہیں جو خالص اللہ کے لئے راتوں کو اٹھ کر مشقت برداشت کر کے عبادت کرنے والے ہیں۔ (مرقات: ۲/۱۴۳)

خلاصہ یہ نکلا کہ معزز وہ لوگ ہیں جو علم نافع اور عمل صالح کو جمع کرنے والے ہیں۔

تہجد کیلئے اہل خانہ کو بیدار کرنا

﴿۱۱۷۱﴾ وَعَنِ ابُنِ عُمَرَؓ اَنَّ اَبَاهُ عُمَرَ بُنَ الْخَطَّابِؓ كَانَ

يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ لِلصَّلٰوةِ يَقُوْلُ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَتْلُوْا هٰذِهِ الآيَةَ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَانَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ (رواه مالك)

حواله: مؤطا امام مالک: ۱۴۱، باب ما جاء فی صلاۃ اللیل.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ جب رات کا اخیر حصہ شروع ہوتا تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لئے بیدار فرماتے اور ان کو نماز کا حکم کرتے، پھر یہ آیت تلاوت فرماتے "وأمر اهلك بالصلاة" اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور اس پر خود بھی جمے رہئے، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے ہیں، ہم تو خود آپ کو رزق دیتے اچھا انجام متقیوں کے لئے ہے۔

تشریح: تہجد کی نماز کی فضیلت واہمیت بہت ہے اس سے بندہ کا مقام ومرتبہ اللہ کے نزدیک بہت بلند ہوتا ہے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ خود بھی اسکا اہتمام کرے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس کا عادی بنائے، بہت سے لوگ خود نماز کا اہتمام تو کر لیتے ہیں اپنے اہل وعیال کی فکر نہیں کرتے۔ (مرقات: ۲/۱۴۳)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی مذکورہ حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القصد فی العمل

رقم الحدیث:...... ۱۱۷۲ تا ۱۱۸۴

بسم الله الرحمن الرحیم

﴿باب القصد فی العمل﴾

عمل میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

قصد کے معنی ہیں راستہ کی استقامت، اعتدال، میانہ روی، اسی سے قصد السبیل ہے یعنی وہ راستہ جو سیدھا ہے اور حق تک پہونچانے والا ہے، یہاں عمل میں میانہ روی کرنے کا، مطلب نفلی اعمال میں افراط وتفریط سے پرہیز کرنا ہے یعنی نفلی عبادت میں وہ اعتدال اور ایسی میانہ روی ہونی چاہئے کہ جو ہمیشہ کے لئے نبھ جائے نہ تو ایسی کمی کرے جو مطلوب ومستحسن کے خلاف ہو اور نہ ایسی زیادتی کرے جو چند روز میں چھوٹ جائے جو نہ نبھ نہ سکے۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی یہ انفرادی اور امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے متبعین کو ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے خالی معتدل راہ اپنانے کی راہنمائی کی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۳، التعلیق: ۲/۸۷)

﴿الفصل الاول﴾

نفلی عبادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتدال

﴿۱۱۷۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئاً وَّيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئاً وَّكَانَ لَا تَشَآءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّياً اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَآئِماً اِلَّا رَاَيْتَهٗ ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱۵۳/۱، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نومه، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۱۴۱۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے کے اکثر دنوں میں افطار کرتے تھے، یہاں تک ہم خیال کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں رزوہ نہیں رکھیں گے، اور کسی مہینے میں اتنی کثرت سے رزوہ رکھتے تھے، کہ ہم سمجھتے تھے کہ اس مہینے میں افطار نہیں کریں گے، اور (نماز تہجد کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا) تم نہیں چاہو گے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھو مگر تم دیکھ لوگے اور تم نہیں چاہو گے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتا ہوا دیکھو مگر تم دیکھ لوگے۔

تشریح: اس حدیث میں نفل عبادت کے تعلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتدل طریقہ اور میانہ روی کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میانہ روی اختیار فرماتے تھے، اور افراط وتفریط سے گریز کرتے تھے، نہ تو ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ روزہ دار ہی رہتے ہوں جس سے نفلی روزوں میں افراط اور مبالغہ لازم آتا، نہ ایسا تھا کہ ہمیشہ بے روزہ ہی رہتے ہوں جس سے تفریط اور کمی لازم آتی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معتدل معمول تھا کہ ہر مہینہ میں کبھی روزہ دار رہتے کبھی بے روزہ رہتے۔

اسی طرح رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز بھی پڑھتے اور سوتے بھی، یہ نہیں

کہ تمام رات نماز ہی پڑھتے یا تمام رات سوتے ہی رہتے، اس طرح نماز تہجد کیلئے کوئی ایک وقت ہی متعین نہیں تھا بلکہ مختلف اوقات میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے غرض کہ نفلی عبادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول متوسط درجہ تھا، نہ افراط تھا نہ تفریط۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۴، مطبوعہ بمبئی، التعلیق: ۲/۸۷)

عمل پر مواظبت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

﴿۱۱۷۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۸۷۱، کتاب اللباس، باب الجلوس علی الحصیر، حدیث نمبر: ۵۸۶۲. مسلم شریف: ۱/۲۶۷، باب فضلیة العمل الدائم، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۸۲۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث میں مداومت عمل کی فضیلت مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے جو بھی نیک عمل خواہ کم ہی کیوں نہ ہو شروع کیا جائے تو اس کو ہمیشہ کیا جائے، یہ نہیں کہ چند روز کیا پھر چھوڑ دیا، اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جس پر مواظبت ہو، عمل قلیل اگر پابندی کے ساتھ کیا جائے تو اس عمل کثیر سے بہتر ہے، جو بغیر پابندی

کے کیا جائے، اور پابندی کے لئے لازم ہے کہ اعمال میں میانہ روی اختیار کی جائے، نہ افراط ہو اور نہ تفریط۔ (مرقاۃ: ۱۴۴/۲مطبوعہ بمبئی)

بقدر استطاعت نیک عمل کرنے کا حکم

﴿۱۱۷۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَاتُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۵۴، باب احب الدين الى الله ادومه، كتاب الايمان، حدیث نمبر: ۴۳۔ مسلم شریف: ۱/۲۶۷، باب فضيلة العمل الدائم، كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر: ۷۸۲۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اعمال میں سے اس قدر اختیار کرو جس کی تمہارے اندر طاقت ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے ہیں، یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے نوافل میں اسی قدر اہتمام کرنا چاہئے کہ آدمی کے اندر سکت اور طاقت ہو، سکت اور طاقت سے زائد عبادت کرنے کا بسا اوقات نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی عبادت سے اکتا جاتا ہے اور پھر بالکلیہ اس کو ترک کر دیتا ہے، مکمل ترک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ مستقل طور پر عبادت کی جائے، اگر چہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

فان الله لا يمل: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرنے سے ہرگز اکتاتے نہیں لیکن بندہ نیک کام کرنے سے اکتا جاتا ہے، اور اکتانے کے بعد نیک کام کرنا بند

کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی صورت میں جو ثواب عطا فرمارہے تھے اس کو بند کردیتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ بندہ نیک اعمال کے ذریعہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت اور اجر وثواب کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہتے ہے، اور جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی توجہ ہٹالیتے ہیں۔ (مرقات/۱۴۴/۲، التعلیق: ۲/۸۸)

نشاط کے ساتھ نیک کام کرنے کا حکم

﴿۱۱۷۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیُصَلِّ اَحَدُکُمْ نَشَاطَہٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْیَقْعُدْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴/۱، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، کتاب التھجد، حدیث نمبر:۱۵۱۔ مسلم شریف: ۲٦٦/۱، باب امر من نعس فی صلاتہ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۸۴۔

حل لغات: فتر، سست ہونے لگے، (ن)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے ہر ایک شخص کو چاہئے کہ جب تک نشاط ہو نماز پڑھے، اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

تشریح: واذا فتر فلیقعد: جب تک نشاط اور خوش دلی ہو اور طبیعت میں بشاشت ہو اور نماز میں دل لگے اس وقت تک نماز میں مشغول رھنا چاہئے، اور جب ضعف اور کمزوری ہو جائے نشاط ختم ہو جائے اور تھکن وتھکاوٹ محسوس ہونے لگے تو نماز سے رک

جائے، اور آرام کرنے لگے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ راہ آخرت کے سالک کو عبادت نماز وغیرہ میں اپنی طاقت کے بقدر خوب محنت ومجاہدہ کرنا چاہئے اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرنا چاہئے اور جب بھی عبادت کے لئے طبیعت آمادہ نہ ہو اور سستی کا احساس ہو تو عبادت کو موقوف کرکے آرام اور کسی مباح کام میں مشغول ہو جائے یا تھوڑی دیر سو جائے اور عبادت میں نشاط اور چستی لانے کے لئے سونا اور آرام کرنا بھی عبادت ہی شمار ہوگا، چنانچہ کہا گیا ہے "نوم العالم عبادة" کہ عالم کا سونا بھی عبادت ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے "کلمینی یاحمیرا" اے حمیرا مجھ سے گفتگو کرو۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۴، طیبی: ۳/۱۳۸)

اونگھ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۱۱۷۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ اَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَايَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۳۴، باب الوضوء من النوم، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۱۲۔ مسلم شریف: ۱/۲۶۷، باب امر من نعس فی صلاته، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۸۶۔

حل لغات: رَقَدَ يَرْقُدُ رُقُوْداً، سونا، (ن) سَبَّ يَسُبُّ سَبًّا، گالی دینا (ن) نعس: اونگھنے لگے، فتح اور نصر دونوں سے آتا ہے، اونگھنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب نماز کی حالت میں تم میں سے کسی شخص پر اونگھ طاری ہو جائے تو اس کو اس وقت تک سو جانا چاہئے جب تک کہ نیند کا اثر ختم ہو جائے، اس وجہ سے کہ اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھنے کی صورت میں تم میں سے کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا، ممکن ہے کہ وہ استغفار کا ارادہ کرے اور اپنے حق میں بد دعا کر لے۔

تشریح: لعله یستغفر فیسب نفسه: نیند کے غلبہ اور اونگھ کے وقت نماز نہیں پڑھنا چاہئے، اس لئے کہ غلبہ نیند کے وقت ہوش وحواس درست نہیں رہتے اور نہ ہی اپنے قول وفعل کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مغفرت کا طالب گار ہو اور اونگھ کی وجہ سے وہ کوئی دوسرا لفظ کہہ دے جو اس کے حق میں بد دعا اور برا ہو۔ مرقاۃ: ۲/۱۴۴، طیبی: ۳/۱۳۹، التعلیق: ۲/۸۸)

دین میں سختی پیدا کرنے کی ممانعت

﴿۱۱۷۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۰، باب الدین یسر، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۹۔

حل لغات: لن یشاد، باب (مفاعلة)، سختی کرنا، قاربوا، باب (مفاعلة)

میانہ روی اختیار کرنا غلو کو چھوڑ دینا، ابشروا، باب (افعال) خوش کرنا، خوشخبری دینا، الدلجۃ، رات کے آخری حصہ کا وقت۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''دین آسان ہے اور دین سے مزاحمت کرنے والے پر دین غالب آجاتا ہے لہٰذا تم درست رہو، قریب ا؁ استقامت رہو، اور خوشخبری قبول کرو اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ سے مدد حاصل کرو۔

تشریح: الدین یسر: یعنی اللہ تعالیٰ نے جو شریعت اتاری اور جو احکام اپنے بندوں کے لئے بنائے ان کا سمجھنا اور کرنا بہت آسان ہے مشکل نہیں ہے لہٰذا اپنی طرف سے زیادتیاں کر کے اپنے اوپر سختی پیدا مت کرو، جو شخص بھی اپنی طاقت وقوت سے زیادہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے گا، اور زیادہ عبادت کے چکر میں اپنے نفس پر زیادہ مشقت ڈالے گا اور جو واجب نہیں ہیں ان کو بھی اپنے اوپر واجب کرے گا، تو زیادہ مشقت کرنے کی وجہ سے ایسا ہوگا، کہ نہ صرف ان کو نباہ نے سے عاجز ہو جائے گا، بلکہ آخر میں ایسا ہوگا کہ تھک ہار کر وہ ادائے فرائض کو بھی ترک کر دیگا، اور دین پر عمل جو کہ آسان تھا اس سے دور اور ترک کر دینے کی وجہ سے گویا کہ دین اس پر غالب آگیا اور وہ مغلوب وعاجز ہوگیا۔ مرقاۃ: ۲/۱۴۵، طیبی: ۳/۱۳۹)

فسددوا وقاربوا: اور میانہ روی اختیار کرو، یعنی ہر امر میں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا دیگر امور سے متعلق ہو اس میں درمیانی اور اوسط کو لازم پکڑ لو، اور اپنے اوپر محنت شاقہ اور صعوبت ودشواری ڈالکر دین نے جو آسانیاں پیدا کی ہیں اس میں تنگی اختیار کر کے دین سے دور نہ ہو جاؤ، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قاربوا سددوا'' کی تاکید ہے اور اس کے معنی ہیں کہ اعتدال کے قریب رہو۔ مرقاۃ: ۲/۱۴۵)

و ابشروا: یعنی اعتدال کے ساتھ کی جانے والی اور ہمیشہ کی جانے والی عبادت گو کہ وہ بہت قلیل مقدار میں ہو اس پر اللہ تعالیٰ بے انتہا انعامات سے سرفراز فرماتا ہے، اور بہترین جزا عطا کرتا ہے اس کو پا کر تم خوش ہو جاؤ۔ (مرقاۃ:۱۴۵/۱، طیبی:۲/۱۳۹، التعلیق:۲/۸۹)

بالغدۃ و الروحۃ: کچھ تسبیح، نماز اور ذکر وغیرہ، صبح کو کرلو اور کچھ شام کو کچھ رات کی تاریکی میں۔

جس طرح مسافر کچھ صبح کو سفر کرتا ہے کچھ شام کو کچھ رات کے وقت اور درمیان میں آرام بھی کرتا ہے اور منزل پر پہونچ جاتا ہے، لیکن اگر مسافر برابر چلتا رہے اور درمیان میں آرام نہ کرے تو تھک کر بیٹھ جائے گا اور اگر آرام ہی کرتا رہے تو دونوں صورتوں میں منزل پر نہ پہونچ سکے گا، یہی حال مسافر آخرت کا بھی ہے آدمی کام بھی کرے آرام بھی کرے منزل پر پہونچ ہی جاتا ہے۔

فائدہ: حدیث پاک میں اعتدل پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کو بہترین مثال سے سمجھایا گیا ہے۔

رات کا وظیفہ دن میں پورا کرنے کا بیان

﴿۱۱۷۸﴾ وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِہٖ اَوْ عَنْ شَیْءٍ مِنْہُ فَقَرَأَہٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَصَلٰوۃِ الظُّھْرِ کُتِبَ لَہٗ کَاَنَّمَا قَرَأَہٗ مِنَ اللَّیْلِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲۵۶/۱، باب صلاۃ اللیل الخ، کتاب صلوٰۃ

المسافرین، حدیث نمبر: ۷۴۷۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اپنا مکمل وظیفہ یا اس کا حصہ کچھ پڑھے بغیر سو گیا، پھر اس کو فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا، تو اس کو اس طور پر لکھا جائے گا، کہ اس نے اس کو رات ہی میں پڑھا ہے۔

تشریح: حزب: روزانہ کے معمول کو کہتے ہیں جو وظیفہ یا ورد بھی کہلاتا ہے۔
اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کسی نے قرآن کی تلاوت، اوراد، یا دعاؤں کا کوئی معمول مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ رات کو مواظبت کرتا ہے اگر کسی وجہ سے رات کو پڑھنا رہ گیا اور اس کو دن میں پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں یوں لکھیں گے، کہ گویا اس نے رات ہی میں پڑھا ہو اسی طرح اگر دن کا معمول رہ گیا ہو اور رات میں پورا کر لیا تو دن کے پڑھنے کا ثواب ملے گا، کیونکہ دن رات آپس میں ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں اور حدیث میں خاص رات کے وظیفہ کا ذکر اس لئے ہے کہ رات ہی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے تہجد کی نماز اور اوراد و اذکار پڑھنے سے رہ جاتے ہیں۔ (مرقات: ۲/۱۴۶)

معذوری کی حالت میں نماز ادا کرنے کا طریقہ

﴿۱۱۷۹﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلىٰ جَنْبٍ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۰/۱، باب اذا لم یطق قاعداً کتاب

تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۱۱۷۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز کھڑے ہوکر پڑھو، اگر نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کروٹ پر پڑھو۔

تشریح: فان لم تستطع فعلی جنب: فرض نماز اگر بیٹھ کر پڑھنے کی قدرت نہ ہو تو پہلو پر لیٹے ہوئے اس طرح نماز پڑھو کہ منھ قبلہ کی طرف ہو، اور اگر مجبوری اس قدر رہو کہ نہ خود گھوم سکتا ہو اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کو قبلہ کی طرف گھمانے والا ہو تو اس مجبوری کی حالت میں اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے، جس حالت پر وہ ہو، احناف کے نزدیک چت لیٹے ہوئے نماز پڑھنا کروٹ پر لیٹے ہوئے نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور چت لیٹ کر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں مونڈھوں کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا رکھا جائے، اور پیر کو قبلہ کی طرف پھیلا دیا جائے اس طرح کہ رکوع وسجدہ کو سر کے اشارہ سے ادا کیا جائے اور حضرت عمران ابن حصینؓ کی یہ حدیث دوسرے لوگوں کے لئے حجت نہیں بن سکتی اس لئے کہ وہ بواسیر کے مریض تھے، اور چت لیٹنے سے معذور تھے اس لئے یہ حکم ان کے ساتھ خاص تھا، لہٰذا معنی کے اعتبار سے ترجیح اس طرح ہوگی کہ چت لیٹ کر نماز پڑھنے سے سر سے قبلہ کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے جس سے فرض ادا ہو جاتا ہے اور پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھنے سے اشارہ قبلہ کی طرف نہیں ہو پاتا ہے، اور چت لیٹ کر نماز پڑھنے کی تائید دارقطنی کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۴۶)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب

﴿۱۱۸۰﴾ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِداً قَالَ اِنْ صَلّٰی قَآئِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰی قَاعِداً فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَآئِمِ وَمَنْ صَلّٰی نَآئِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۰/۱، باب صلاۃ القاعد بالایماء، کتاب تقصیر الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۱۱۶۔

ترجمہ: حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے، لیکن جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بنسبت نصف ثواب ملے گا، اور جو شخص لیٹ کر نماز پڑھے گا، اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت آدھا ثواب ملے گا۔

تشریح: ان صلی قآئما فھو افضل: یہ حدیث نفل کے بارے میں ہے اس لئے کہ فرائض میں قیام فرض ہے اور بغیر عذر کے فرض نماز بیٹھ کر صحیح نہیں ہوتی۔

البتہ اگر کوئی شخص معذور ہو تو اس سے قیام ساقط ہو جاتا ہے، تو اس معذوری میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بیٹھ کر نماز پڑھنے سے افضل نہیں ہوگا، اور نہ ہی بیٹھ کر نماز پڑھنے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا آدھا ثواب ملے گا، بلکہ اس مجبوری میں بیٹھ کر نماز پڑھنے سے پورے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (مرقاۃ:۶، ۱۴۶/۲، طیبی: ۱۴۲/۳)

ومن صلی نائما فلہ نصف اجر القاعد: حدیث ہذا کی مراد ومصداق میں ایک بڑا اشکال ہوتا ہے کہ اس سے مفترض مراد ہے یا متنفل اگر

مفترض مراد ہوتو دوصورتیں ہیں یا صحیح وتندرست مراد ہے یا مریض، اگر صحیح مراد ہوتو حدیث کا پہلا جز صحیح ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے، لیکن بقیہ دونوں جز صحیح نہیں ہوتے کیونکہ بغیر عذر فرض نماز "قاعداً نائما" صحیح ہی نہیں ہوتی چہ جائے کہ نصف اجر ملے، حالانکہ حدیث میں نصف اجر کا وعدہ ہے، اور اگر مفترض مریض مراد ہوتب بھی مطلب صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ مریض کو قاعداً یا نائماً نماز پڑھنے سے پورا اجر ملتا ہے، حالانکہ حدیث میں نصف کا وعدہ ہے، اگر اس سے متنفل مراد ہےتو مریض ہونے کی صورت میں قاعداً و نائماً نماز پڑھنے میں کامل اجر ملے گا، اور اگر صحیح مراد ہےتو پہلے دونوں جز تو صحیح ہوتے ہیں کہ قائما پڑھنا افضل ہے، اور قاعداً پڑھنے میں نصف اجر ملے گا، لیکن تیسرا جز صحیح نہیں ہوتا کیونکہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا، حسن بصریؒ کے سوا کسی کے نزدیک جائز نہیں حالانکہ حدیث بتا رہی ہے کہ اس کو قاعد کا نصف اجر ملے گا، تو اس اشکال کو دفع کرنے کے لئے بعض حضرات نے یہ کہدیا کہ "ومن صلی نائما" اکثر احادیث میں نہیں ہے لہذا یہ جملہ مدرج من الراوی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں لہذا پہلے دونوں حصے درست ہیں اور اس سے مراد متنفل غیر معذور ہے لہذا معنیٰ ٹھیک ہوجائیں گے، کہ بلا عذر قاعداً نفل پڑھنے میں نصف اجر ملے گا، لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مدرج من الراوی ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ سب سے بہترین توجیہ وہ ہے جو علامہ خطابی اور حافظ ابن حجر نے کی ہے اور اس کو حضرت شاہ صاحب نے بہت پسند فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مصداق ایسا مفترض معذور ہے جس کو شریعت نے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، لیکن وہ مشقت اور تکلیف کر کے کھڑا ہوسکتا ہے، تو اگر وہ تکلیف گوارا کر کے قائماً نماز پڑھ لے تو اپنی نماز کے اعتبار سے زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا، اگر بیٹھ کر پڑھے تو اپنے اعتبار سے ادھا ثواب ملے گا، اگر چہ دوسروں کے اعتبار سے پورا اجر ملے گا، اسی طرح کوئی ایسا

معذور ہے کہ شریعت نے لیٹ کر نماز کی اجازت دی ہے مگر مشقت برداشت کرکے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، تو اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے میں زیادہ اجر ملے گا، اور لیٹ کر پڑھنے میں اس کا آدھا ملے گا، تو یہ پورا و نصف خود مصلی کی اعتبار سے ہے ورنہ دوسروں کے اعتبار سے ہر حال میں پورا اجر ملے گا، اس توجیہ کی تائید مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی، جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شدید بخار میں مبتلا تھے، اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے تو معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کا مصداق معذورین ہیں۔ (درس مشکوٰۃ، مرقاۃ: ۲/۱۴۷، التعلیق: ۲/۹۰،۸۹)

﴿الفصل الثانی﴾

باوضو سونے کی فضیلت

﴿۱۱۸۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ آوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ طَاهِراً وَذَكَرَ اللّٰهَ حَتّٰی یُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ یَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِنَ اللَّیْلِ یَسْأَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْراً مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ ذَكَرَهُ النَّوَوِیُّ فِیْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَایَةِ ابْنِ السُّنِّیِّ۔

حواله: عمل الیوم واللیلة لابن السنی: ۲۰۴، باب مایقول اذا أخذ مضجعه، حدیث نمبر: ۷۱۷۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، کہ جو شخص پاکی کی حالت میں بستر پر جگہ لے اور اللہ کو یاد کرتا رہے یہاں تک کہ نیند اس پر غالب آجائے، اور وہ رات کے جس حصہ میں بھی کروٹ لے، اور اللہ تعالیٰ سے اس میں دنیا وآخرت کی بھلائیوں میں سے جو بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں، اس روایت کو نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بستر پر جانے سے پہلے وضو کرلیا جائے اور پاک وصاف ہونے کی حالت میں لیٹنے کے لئے بستر پر جائے، نیز جب تک نیند نہ آئے قلب وزبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھے۔

اگر کوئی یہ معمول بنالے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی مقدر فرما دیں گے۔

طاھرا: حدث اکبر واصغر دونوں سے پاک ہو، نیز گناہوں اور گندگیوں سے بھی پاکی مراد ہے۔

الا اعطاہ: مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو بھی طلب کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطاء فرمائیں گے، ہرگز محروم نہیں فرمائیں گے۔ (مرقات: ۲/۱۴۷)

جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے

﴿۱۱۸۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ

رَجُلَيۡنِ رَجُلٌ ثَارَ عَنۡ وِطَائِهٖ وَلِحَافِهٖ مِنۡ بَيۡنِ حِبِّهٖ وَاَهۡلِهٖ اِلٰى صَلٰوتِهٖ فَيَقُوۡلُ اللّٰهُ لِمَلٰئِكَتِهٖ انۡظُرُوۡا اِلٰى عَبۡدِىۡ ثَارَ عَنۡ فِرَاشِهٖ وَوِطَائِهٖ مِنۡ بَيۡنِ حِبِّهٖ وَاَهۡلِهٖ اِلٰى صَلٰوتِهٖ رَغۡبَةً فِيۡمَا عِنۡدِىۡ وَشَفَقاً مِمَّا عِنۡدِىۡ وَرَجُلٌ غَزَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَانۡهَزَمَ مَعَ اَصۡحَابِهٖ فَعَلِمَ مَا عَلَيۡهِ فِىۡ الۡاِنۡهِزَامِ وَمَالَهٗ فِىۡ الرُّجُوۡعِ فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيۡقَ دَمُهٗ فَيَقُوۡلُ اللّٰهُ لِمَلٰئِكَتِهٖ انۡظُرُوۡا اِلٰى عَبۡدِىۡ رَجَعَ رَغۡبَةً فِيۡمَا عِنۡدِىۡ وَشَفَقاً مِمَّا عِنۡدِىۡ حَتّٰى هُرِيۡقَ دَمُهٗ ـ

(رواه شرح السنة)

حوالہ: بغوی فی شرح السنة: ۴۲، ۴۳/۴، باب التحریض علیٰ قیام اللیل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۹۳۰ـ

حل لغات: ثار (ن) ثوراً مشتعل ہونا، جوش میں آنا، یہاں بستر چھوڑنا مراد ہے۔ الانھزام انھزم انھزاماً، باب انفعال سے شکست کھانا۔ شفقا، ڈر کے مارے، (س) خوف کرنا، عجب ربنا، خوش ہوتا ہے (س)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہمارا رب دو آدمیوں سے خوش ہوتا ہے۔ (۱) وہ آدمی جو تہجد کی نماز کی خاطر اپنے بچھونے اور اپنے لحاف کو چھوڑ کر اپنی محبوب اور پیاری بیوی کے پاس سے اٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے اس بندہ کو دیکھو یہ تہجد کی نماز کی خاطر اپنے بستر اور بچھونے کو چھوڑ کر اپنی محبوب اور پیاری بیوی کے پاس سے اٹھتا ہے محض اس چیز کی رغبت کی بنا پر جو میرے پاس ہے اور محض اس چیز سے ڈر کر جو میرے پاس ہے۔ (۲) وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا، پھر بھاگ کھڑے ہونے میں جو گناہ ہے اور واپس لوٹ کر جانے میں جو ثواب

ہے اس کا احساس ہوا تو وہ لوٹ کر میدان جنگ میں آگیا، اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں میرے اس بندہ کو دیکھو میدان جنگ میں صرف اس چیز کی رغبت کی بنا پر واپس آیا جو میرے پاس ہے، اور صرف اس چیز کی خوف کی وجہ سے آیا جو میرے پاس ہے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا (یعنی وہ شہید ہو گیا)۔

تشریح: رجل ثار عن وطائه ولحافه الخ: حاصل یہ کہ رات کی تاریکی وتنہائی نرم وآرام دہ بستر اور سکون دہ لحاف اور پاس میں اپنی محبوب ترین بیوی بھی موجود ہو غرض اس کو ہر طرح کا سکون چین حاصل ہو جو کہ ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود جب بندہ اپنے نرم ونازک بستر اور حسین بیوی کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت وبندگی کیلئے اٹھتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۷)

فقیول اللہ لملائکته: اللہ تعالیٰ خوش ہو کر بطور فخر فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو شیطان کے مکر وفریب اور نفسانی خواہشات اور وسوسوں کا مقابلہ کرتے ہوئے نرم ونازک اور حسین بیوی کو چھوڑ کر اور اپنے راحت اور آرام کو ترک کر کے میری یاد میں لگ گیا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۷)

رغبة فیما عندی وشفقا مما عندی: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی بھی عمل کو اللہ کے لئے اس امید کے ساتھ کرنا کہ اس عمل کا جو ثواب ہے وہ مجھے ملے اخلاص اور کمال کے منافی نہیں ہے، اگر چہ اکمل کے منافی ہے، اکمل درجہ یہ ہے کہ جو عمل بھی کیا جائے وہ صرف رضاء الٰہی کے لئے کیا جائے نہ کسی غرض کے لئے اور نہ ہی کسی عوض اور صلہ کے لالچ میں ہو۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸)

ورجل غزا فی سبیل اللہ: دوسرا وہ آدمی جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ پہونچا، پھر دشمن کے شدید دباؤ اور

زبردست حملہ سے خوف زدہ ہوکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا مگر پھر اس کو اپنے اس گناہ کا احساس ہوا اور ملنے والے اس ثواب کا بھی اس نے خیال کیا جو لوٹ آنے پر ملتا ہے ، چنانچہ وہ پلٹا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا ، اللہ تعالیٰ خوش ہو کر بطور فخر اپنے مقرب فرشتوں سے فرماتا ہے ذرا میرے اس بندے کو دیکھو جو میرے پاس کی چیز (اجر و ثواب) کی رغبت میں اور میرے پاس کی چیز (عذاب) کے خوف سے پلٹا یہاں تک کہ خون بہا دیا گیا ، تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت خوش ہوتے ہیں ۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸)

﴿الفصل الثالث﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر نماز پڑھنا

﴿۱۱۸۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِداً نِصْفُ الصَّلَاةِ قَالَ فَاَتَيْتُهُ فَوَجَدَ يُصَلِّيْ جَالِساً فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَأْسِهٖ، فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّكَ قُلْتَ، صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِداً عَلٰى نِصْفِ الصَّلَاةِ، وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِداً قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۳ ، باب جواز النافلة قائما وقاعداً، كتاب المسافرين، حدیث نمبر: ۷۳۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے یہ

بات بتائی گئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی ہوتی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا، چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر رکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ بات بتائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی عبادت آدھی ہوتی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے، لیکن میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔

تشریح: صلاۃ الرجل قاعداً نصف الصلوٰۃ: کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ کر جو نماز پڑھی جائے اس کا ثواب کھڑے ہونے کی حالت میں جو نماز پڑھی جائے اس کا آدھا ملتا ہے، اور علماء نے اس حدیث کو نفل نماز پر محمول کیا ہے، ورنہ تو فرض نماز بے عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸، بذل المجہود: ۴/۴۷۷)

فوضعت یدی علی رأسہ: اہل عرب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی سے حیرت اور تعجب کی بات دیکھتے ہیں تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، اسی بنا پر اظہار تعجب اور اظہار حیرت کیلئے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اور طریقہ تو زیادہ اولیٰ اور زیادہ ثواب کے پہلو کو اختیار کرنے کا ہے بیٹھ کر نماز پڑھ کر کم ثواب کے پہلو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اختیار فرما لیا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸)

لکنی لست کأحد منکم: اس کے دو معنی ہیں۔

(۱)...... ایک معنی تو یہ ہیں کہ تم مجھ جیسے تھوڑا ہی ہو مجھ کو بیٹھ کر بھی کھڑے ہونے کا ثواب ملتا ہے۔

(۲)...... دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں ضعیف ہوں، تم جوان ہو، ضعیف وکمزور آدمی اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر پڑھنے ہی کا ثواب ملتا ہے۔

(۳)...... تیسرا مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ بالکل تم جیسا نہیں ہے، بعض اوقات حق تعالیٰ کا میرے ساتھ خاص معاملہ ہوتا ہے، لطف وکرم کا، جو اوروں کے ساتھ نہیں ہوتا اس لئے بعض احکام میری خصوصیات میں سے ہوتے ہیں انہی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اور لوگوں کو تو قیام کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں آدھا ثواب ملتا ہے، لیکن مجھے حق تعالیٰ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب بھی پورا ہی عنایت فرماتے ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی "ذلک الذی ذکرت ان صلوٰۃ الرجل قاعداً علی نصف صلوٰتہ حکم غیری من الأمۃ وأما أنا فخارج عن ھذا الحکم ویقبل منی ربی صلاتی قاعداً مقدار صلاتی قائماً الخ" (لمعات التنقیح: ۴/۸۳، مرقاۃ: ۲/۴۹، اشرف التوضیح)

نماز میں راحت ہے

﴿۱۱۸۴﴾ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِیْ صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَأَنَّهُمْ عَابُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلَاةَ يَابِلَالُ اَرِحْنَا بِهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: أبو داؤد شریف: ۲/۶۸۱، باب فی صلاۃ العتمۃ، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۹۸۵۔

ترجمہ: حضرت سالم بن ابو الجعد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے کہا کہ کاش کہ میں نماز پڑھوں تا کہ راحت حاصل کروں، تو لوگوں نے گویا کہ ان کی بات کو برا جانا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اے بلال! نماز قائم کرو، اور اس کے ذریعہ سے ہم کو راحت پہونچاؤ۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کوئی بوجھ نہیں بلکہ ذریعہ راحت ہے، جو لوگ نماز کما حقہ ادا کرتے ہیں ان کو اس میں ایک عجیب لذت وراحت نصیب ہوتی ہے، خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت ملتی تھی، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے تھے کہ نماز قائم کر کے راحت پہنچاؤ، اور یہی مقصد ان صاحب کا بھی تھا، کہ جلدی سے وقت آئے تا کہ میں نماز پڑھوں، بعض لوگ ان صاحب کے مقصد کو سمجھ نہیں سکے، اس وجہ سے ان کو یہ بات بری معلوم ہوئی۔

اور وجہ یہ ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات ہے اور ظاہر ہے کہ محبوب کے ساتھ ملاقات وسرگوشی سے انتہاء درجہ راحت حاصل ہوتی ہے۔

نیز اپنے آقا و مالک اور اپنے محبوب کے حکم کی تعمیل سے بھی راحت ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ خالق و مالک بھی ہے محبوب بھی ہے اور نماز پڑھنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اسلئے نماز ادا کرنا خالق و مالک اور اپنے محبوب حقیقی تعالیٰ شانہ کے حکم کی تعمیل ہے جس کا موجب راحت ہونا ظاہر ہے۔

اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**قرة عینی فی الصلوٰة**" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یہی حال اولیاء ومشائخ کا ہوتا ہے کہ ان کو نماز میں وہ راحت ملتی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں ملتی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۹) کسی نے خوب کہا ہے:

عجب چیز ہے لذت آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

بسم الله الرحمن الرحيم

باب الوتر

رقم الحدیث:...... ١١٨٥/ تا ١٢١٣/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب الوتر﴾

وتر کا بیان

مسئلہ وتر حدیث کے مشکل ترین مسائل میں سے ہے بنابریں علماء کرام نے اس کے بارے میں مستقل کتابیں لکھیں چند وجوہ سے وتر میں اختلاف ہے، سب سے پہلا مسئلہ اس کے حکم کے بارے میں ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت؟۔

وجوب وتر میں اختلاف ائمہ

الـوتـر واجـب ام لا: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر سنت موکدہ ہے اور یہی ہمارے صاحبین کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے اور یہی سلف میں سے ایک جماعت کا مسلک ہے جن میں حسن بصریؒ بھی ہیں۔

ائمہ ثلاثہ وصاحبین کی دلیل: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں سائل کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ**" پھر اس کے سوال پر "**ھل علی غیرھن**" پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لا الا ان تطوع**" (**رواہ مسلم شریف: ۳۰/۱، کتاب الایمان، باب بیان الصلوات التی**

ھی احد ارکان الاسلام) اس سے صاف معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں کے علاوہ اور کوئی نماز ضروری نہیں بلکہ تطوع ہے۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ترمذی شریف: ۱/۱۰۳، ابواب الوتر میں "الوتر لیس بحتم کصلوٰتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ اس کی نہ اذان ہے اور نہ اقامت اور نہ اس کا کوئی مستقل وقت ہے یہ سب سنیت کی علامت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیلیں

پہلی دلیل: ترمذی شریف: ۱/۱۰۳، ابواب الوتر میں خارجہ بن حدافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ امدکم بصلوٰۃ ھی لکم خیر من حمر النعم الوتر" یہاں چند وجوہ سے وجوب وتر پر استدلال ہوتا ہے، کہ وتر کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی اور اللہ کی طرف فرض کی نسبت ہوتی ہے، اور سنت کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ہوتی ہے، تو قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وتر فرض ہو لیکن خبر واحد کی بناپر ہم نے فرض نہیں کہا بلکہ واجب کہا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ " امد" کے معنی زیادہ کرنا اور مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے، اور یہاں مزید علیہ صلوٰت خمسہ ہیں جو فرض ہیں لہٰذا مزید وتر بھی فرض ہونا چاہئے تھا، مگر خبر واحد کی بناپر واجب ہوا۔

دوسری دلیل: ابوداؤد شریف: ۱/۲۰۱، ابواب الوتر باب من لم یوتر میں حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا "الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا" تین دفعہ فرمایا تو یہاں حق بمعنی واجب ہے پھر نہ پڑھنے کی صورت میں " فلیس منا" فرمایا یہ وجوب کی بین دلیل ہے۔

تیسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ترمذی شریف: ۱۰۳/۱، ابواب الوتر میں "ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یااھل القرآن" یہاں صیغہ امر سے حکم دیا گیا جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ترمذی شریف: ۱۰۶/۱، میں "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن الوتر اونسیه فلیصل اذا ذکرہ وفی روایة اذا اصبح" اس میں قضا کا حکم دیا گیا ہے، اور قضا واجب کی ہوتی ہے سنت کی قضا نہیں ہوتی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیلوں کا جواب: ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں فرائض اعتقادیہ کا بیان ہے اور وتر کو ہم فرض اعتقادی نہیں کہتے یا یہ حدیث وجوب وتر سے پہلے کی ہے، دوسری دلیل حدیث علیؓ کا جواب یہ ہے کہ اس میں فرضیت کی نفی کی گئی ہے وجوب کی نفی نہیں کی گئی، چنانچہ "کصلوٰتکم المکتوبہ" کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں، اور ہم بھی وتر کو صلوٰۃ خمسہ کی طرح فرض قرار نہیں دیتے کہ اس کا منکر کافر ہو جائے، ان کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اذان واقامت فرض اعتقادی کیلئے ہوتی ہے، پھر چونکہ یہ عشاء کے تابع ہے اس کی اذان واقامت کافی ہے، لہٰذا اس سے عدم وجوب وتر پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ (التعلیق: ۹۱/۲ درس مشکوٰۃ)

﴿الفصل الاول﴾

نماز وتر کی تعداد رکعت

﴿۱۱۸۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَاقَدْ صَلّٰى ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۳۵/۱، باب ما جاء فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۹۹۰۔ مسلم شریف: ۲۵۷/۱، باب صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۴۹۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ پہلی پڑھی ہوئی نمازوں کو وتر بنا دے گی۔

تشریح: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) جو شخص تہجد کی نماز پڑھے تو وہ جتنی رکعات بھی پڑھے دو دو رکعت کر کے پڑھے کہ رات کے نوافل میں افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے۔ (۲) وتر کی نماز میں عدد طاق کا ہے۔

فاذا خشی احدکم: اگر صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت مزید ملا کر وتر بنالو تو گویا اب تین رکعت ہوگئیں، اور یہ تین رکعت وتر کی ہوئیں۔

سوال یہ ہے کہ وتر کی کتنی رکعت ہیں بعض کہتے ہیں کہ ایک رکعت اور بعض کہتے ہیں کہ تین رکعت ہیں۔

وتر کی تعدادِرکعت میں اختلاف ائمہ

وتر کی رکعات کے بارے میں سخت اختلاف ہے، چنانچہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ دو تشہد اور ایک سلام سے وتر کی تین رکعات ہیں اور وتر مستقل ایک نماز ہے تہجد کے تابع نہیں، اور ایک رکعت سے وتر جائز نہیں، بلکہ ایک رکعت سے کوئی نماز ہی نہیں، اور شوافع کے نزدیک وتر کی حقیقت "الایتار ماقد صلی من صلوٰۃ اللیل" اسلئے ان کے نزدیک وتر صلوٰۃ اللیل کے تابع ہے، تو ان کے نزدیک افضل تو یہ ہے کہ دو سلام سے تین رکعات پڑھی جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وتر ایک رکعت سے لے کر گیارہ رکعت تک جائز ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ دو سلام سے تین رکعات پڑھی جائیں اور بقیہ صورتیں بھی جواز کے تحت ہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک ایک رکعت سے وتر ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ائمہ ثلاثہ ان ظاہری روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں "اوتر بر کعۃ" سے لےکر "اوتر باحدی عشرۃ رکعۃ" تک کے الفاظ آتے ہیں، جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہم کی روایات ہیں، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات "اوتر رکعۃ واحدۃً من آخر اللیل" سے بھی ان کا استدلال ہے۔

امام مالکؒ جو تین رکعات دو سلام سے کہتے ہیں اس کے لئے مرفوع حدیث سے کوئی دلیل نہیں صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ہے کہ وہ دو سلام سے تین رکعات پڑھتے تھے، پھر فرماتے تھے "ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعلہ رواہ الطحاوی" (طحاوی:۱/۱۹۷، باب الوتر)

احناف کی دلیل: تثلیث وتر پر احناف کے پاس بہت سی دلائل ہیں یہاں اختصاراً چند دلیلیں پیش کی جاتی ہیں:

پہلی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے مستدرک حاکم میں "قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم الا فی آخر ھن"۔(مستدرک للحاکم:۴۴۷/۱، کتاب الوتر)

دوسری دلیل: اسی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے نسائی میں "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایسلم فی رکعتی الوتر" ۔(نسائی شریف:۱۹۱/۱، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار باب کیف الوتر بثلاث)

تیسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ترمذی شریف میں "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث"۔(ترمذی شریف:۱۰۶/۱، باب ماجاء فی الوتر بثلاث)

چوتھی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے ترمذی میں "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایھا الکافرون، وقل ھو اللہ احد فی رکعۃ رکعۃ" اسی مضمون کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہے۔(ترمذی شریف:۱۰۶/۱، ابواب الوتر باب ماجاء مایقرأ فی الوتر)

پانچویں دیل: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے بخاری شریف میں "یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن......ثم یصلی ثلاثا"۔ (بخاری شریف: ۱۵۴/۱، ابواب التھجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی الرمضان)

چھٹی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے نسائی میں "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث" (نسائی شریف: ۱/۱۹۱، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار) پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مغرب کو وتر نہار کہتے تھے، اور وتر کو وتر لیل کہتے تھے، اور وتر لیل کو وتر نہار کے مانند کہتے تھے، اور مغرب کی نماز تین رکعات ہیں ایک سلام سے، لہٰذا وتر لیل بھی ایک سلام سے تین رکعات ہونگی، چنانچہ طحاوی میں ابوخلدہ سے مروی ہے کہ "سألت ابا لعالیۃ عن الوتر فقال علمنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الوتر مثل صلوٰۃ المغرب۔ (طحاوی شریف: ۲۰۶)

علاوہ ازیں ہمارے پاس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بہت آثار ہیں چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک سلام سے تین رکعات وتر کے قائل تھے، یہ سب آثار طحاوی مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہیں، نیز فقہا سبعہ مدینہ کا مذہب بھی یہی تھا، چنانچہ طحاوی میں ابوالزناد سے روایت ہے کہ "اثبت عمر بن عبد العزیز الوتر بالمدینۃ بقول الفقہاء ثلاثا لایسلم الا فی آخرھن" (طحاوی: ۲۰۷، باب الوتر) اور مستدرک حاکم میں ہے یہ تین رکعات وتر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وتر تھا "وعنہ اخذ اھل المدینۃ" (مستدرک للحاکم: ۱/۳۰۴، کتاب الوتر) آخر میں ایسی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو تین رکعات وتر پر بمنزلہ مہر ہے وہ یہ ہے کہ ترمذی شریف: ۲/۲۲۳ میں مناقب حضرت انس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ میں روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت ثابت بنانی سے فرمایا "خذ عنی انک لن تأخذ عن احد اوثق منی انی أخذته عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو أخذ عن جبرائیل و جبرائیل عن اللہ" پھر تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ اس موقعہ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو احکام بتائے ان مین یہ بھی ہے "اوتر بثلاث رکعات" تو اب گویا تین رکعات وتر خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے اس میں کیا شبہ رہا۔

مذکورہ بالا روایات مرفوعہ وآثار صحابہ اکرام رضوان تعالیٰ علیہم اجمعین سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ وتر ایک سلام سے تین رکعات ہیں ان کے علاوہ اور بہت سے احادیث ہیں بخوف طوالت ترک کر دیا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: شوافع نے جو حدیث "الوتر رکعة من آخر اللیل" سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک شفعہ کے ساتھ اور ایک رکعت کا اضافہ کر کے اسے تین رکعات بنا دیا جائے یہ مطلب نہیں کہ ایک رکعت منفرداً پڑھی جائے، اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس حدیث کے روای حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں اور وہ وتر کی تین رکعات بسلام واحد کے قائل ہیں، اسی طرح "فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی" کا مطلب ہے کہ یہی اخری رکعت درحقیقت ماقبل کی تمام رکعات کو وتر بنانے والی ہے، اس لئے اس پر وتر کا اطلاق کر دیا گیا، یہ مطلب نہیں کہ یہی ایک رکعت مستقل ایک نماز ہے کیونکہ ایک رکعت نماز شریعت میں معہود نہیں ہے "کما قال الحافظ ابن الصلاح لم یثبت منه صلی اللہ علیہ وسلم الاقتصار بواحدة" (التعلیق: ۲/۹۳) بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا چنانچہ ابن عبدالبر نے تمہید میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی حدیث نقل ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن البتیراء ان یصلی الرجل رکعۃ واحدۃ یوتر بھا" (التعلیق: ۹۴/ ۲) لہٰذا ایک رکعت وتر کی نفی ہوگئی، اور جن روایات میں اوتر "بخمس، اوتر بسبع، اور بتسع" وغیرہ آیا ہے اس سے صلوٰۃ اللیل اور وتر کا مجموعہ مراد ہے چونکہ دونوں ایک ساتھ پڑھی جاتی تھیں اس لئے ایک ساتھ سب پر وتر کا اطلاق کر دیا گیا، ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی نماز کبھی پانچ رکعات ہو اور کبھی نو، کبھی گیارہ رکعات ہوں۔

فیصلہ: فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ اللیل اور وتر کے روایت کرنے والے بہت صحابۂ کرام ہیں جن میں مشہور حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، اور حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ ہیں اب ہمیں دیکھنا ہے کہ کن کی روایت فیصلہ کن ہوگی، تو ظاہر بات ہے کہ جو ہمیشہ قریب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنے والے ہوں، ان کی روایت فیصلہ کن ہوگی، تو حضرت عائشہؓ "اعلم بوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہیں، اور وہ ساری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں پھر ان کے علوم وذہانت کی کمائیت پھر ذوق علم بروقت علمی سوال کرتی تھیں، جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو موفقہ کا لقب عنایت فرمایا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے وقت انکو جگاتے تھے، بقیہ حضرات نے دو ایک دفعہ دیکھا اسلئے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جو روایت کریں اسی کو فیصلہ کن بنایا جائے، اور وہ ایک سلام سے تین رکعات روایت کرتی ہیں پھر تعامل صحابہؓ وتابعین بھی اس کی تائید کرتا ہے، لہٰذا روایۃً ودرایۃً ایک سلام سے تین رکعات کی ترجیح ہوگی۔

امام مالکؒ نے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اگرچہ اپنے فعل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا مگر روایت

میں یہ نہیں ہے، کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سلام سے تین رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا یا بیان فرماتے ہوئے سنا، لہٰذا صرف ان کے عمل سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

جب کہ اس کے مقابلہ میں بہت سی احادیث مرفوعہ و آثار صحابہ موجود ہیں۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو طحاوی شریف:۱۹۶/۱، باب الوتر، مرقات: ۱۵۰/۲، التعلیق:۹۳، ۹۴/۲، الدر المنضور:۵۴۸/۲، باب صلوٰۃ اللیل، التنقیح:۴۵۴/۲)

ایک رکعت وتر کا بیان

﴿۱۱۸۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲۵۷/۱، باب صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وتر ایک رکعت ہے آخر رات میں۔

تشریح: الوتر رکعۃ: بعض حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وتر حقیقۃً ایک ہی رکعت ہے، مگر دو رکعت کے بعد کہ دو رکعت میں ایک رکعت ملانے سے وتر ہو جاتی ہے اس صورت میں دوسری روایات سے بھی تعارض نہیں ہوتا۔

من آخر اللیل: آخر لیل کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز کا وقت عشاء کے بعد

سے شروع ہوتا ہے، اور طلوع فجر تک رہتا ہے، یا وتر کی نماز کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے کہ رات کے آخر حصہ میں تہجد کے بعد اس کو پڑھا جائے، البتہ جس شخص کو اندیشہ ہو کہ وتر کو آخری حصہ میں نہیں پڑھ سکتا اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ عشاء کے بعد ہی پڑھ لے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۰)

پانچ رکعت وتر کا بیان

﴿۱۱۸۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَايَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ آخِرِهَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۳، باب کیف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب التہجد، حدیث نمبر: ۱۱۴۰. مسلم شریف: ۱/۲۵۴، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۳۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے، اس میں پانچ رکعت کے ذریعہ سے وتر پڑھتے تھے، ان پانچ رکعات میں صرف آخری رکعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور ان تیرہ میں سے پانچ رکعتیں اس انداز سے پڑھتے تھے، کہ صرف پانچویں رکعت کے بعد قعدہ کرتے تھے، دوسری اور چوتھی کے بعد نہیں بیٹھتے تھے،

شافعیہ کے نزدیک اس طرح کرنا جائز ہے، ان کے نزدیک دو سے زیادہ رکعات صرف ایک تشہد کے ساتھ جائز ہے، مثلاً دس رکعتیں پڑھے اور تشہد صرف دسویں رکعت کے بعد ہی پڑھے دوسری چوتھی، چھٹی اور آٹھویں رکعت میں تشہد نہ پڑھے شافعیہ کے نزدیک اس طرح کرنا جائز ہے حنفیہ اور جمہور کے نزدیک اس طرح جائز نہیں ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کر کے تشہد پڑھنا چاہئے، بہت سی احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہے، مثلاً "باب صفة الصلوٰة" فصل ثالث: ص ۷۷ پر فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث گذر چکی ہے، "الصلوٰة مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین الخ" زیر بحث حدیث کا ظاہر اس قسم کی حدیثوں کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے اس میں مناسب توجیہ کی ضرورت ہے، اس حدیث کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں، مثلاً

(۱)......لایجلس فی شئ منهن الا فی آخرهن: میں جلسۂ تشہد کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ جلسۂ استراحت کی نفی مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ آخری پانچ رکعتوں کے درمیان میں استراحت کے لئے نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ پانچوں رکعتیں پوری کر کے ہی آرام فرماتے تھے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰة اللیل مختلف طریقوں سے پڑھا کرتے تھے، ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ چار رکعتیں لمبی لمبی پڑھ کے کچھ دیر استراحت فرمالیتے، پھر چار رکعات لمبی لمبی پڑھ کے استراحت کے لئے بیٹھ جاتے یا کچھ دیر کے لئے سو جاتے، پھر تین وتر پڑھتے اور وتروں کے متصل بعد ہی دو نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے، وتر اور یہ دو رکعت ملا کے آخری پانچ رکعتیں ہوگئیں، ان پانچ رکعات کے درمیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استراحت نہیں فرماتے تھے، بلکہ وتروں کا سلام پھیرتے ہی دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے، یہ دو رکعتیں پڑھ کر ہی استراحت فرماتے تھے، خلاصہ یہ کہ آخری پانچ رکعتوں کے درمیان جس

جلوس کی نفی کی جا رہی ہے اس سے جلوس تشہد مراد نہیں، بلکہ جلوس للاستراحت مراد ہے۔

(۲)......ان لفظوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس جلوس کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد جلوس تشہد نہیں، بلکہ وہ جلوس مراد ہے جو قیام کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اور "آخرھن" سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ رکعات میں سے آخری دو ہی میں بیٹھتے تھے، یعنی یہی دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی رکعات کبھی بیٹھ کر پڑھتے تھے اور کبھی کھڑے ہو کر لیکن وتر ہمیشہ کھڑے ہو کر ہی ادا فرماتے تھے، بغیر عذر کے وتر بیٹھ کر نہیں پڑھتے تھے، وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔

حاصل یہ ہوا کہ پہلی آٹھ رکعات کے بارہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مستقل معمول نہیں تھا، ان میں کبھی کھڑے ہو کر قرأت فرما لیتے کبھی بیٹھ کر، البتہ آخر کی پانچ رکعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ ان پانچ میں سے آخری دو رکعتوں میں تو جالسا قرأت فرماتے تھے، اس کے علاوہ ان پانچ رکعات کے دوران بیٹھ کر قرأت نہیں فرماتے تھے، بلکہ کھڑے ہو کر فرماتے تھے خلاصہ یہ کہ یہاں جلوس سے مراد جلوس للقرأت مراد ہے جو قیام کا مقابل ہے۔ (اشرف التوضیح، مرقات: ۲/۱۵۰، عرف الشذی: ۲۰۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد اور وتر کی نماز

﴿۱۱۸۸﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَءُ الْقُرْآنَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ قُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّلَهٗ سِوَاكَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَاشَآءَ اَنْ يَّبْعَثَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ فَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكْعَاتٍ لَايَجْلِسُ فِيْهَا اِلَّا فِيْ الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَايُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُّسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَايُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَابُنَيَّ فَلَمَّا اَسَنَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ اللَّحْمُ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَصَنَعَ فِيْ الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهٖ فِيْ الْاُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَابُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَحَبَّ اَنْ يُّدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ اِذَا غَلَبَهٗ نَوْمٌ اَوْوَجْعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَلَا اَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ وَلَاصَلّٰى لَيْلَةً اِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ۔

(رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف:١/٢٥٦، باب صلاة الليل، كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر:٧٤٦۔

ترجمه: حضرت سعد بن ہشام سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا، میں نے کہا کہ اے ام المؤمنین مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بتائیے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا، کیا تم نے قرآن

نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں، انہوں نے فرمایا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن تھا، میں نے کہا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں بتایئے تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی تیار رکھتے اللہ تعالیٰ جب چاہتے رات میں ان کو نیند سے بیدار فرماتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے وضو کرتے اور نو رکعت نماز پڑھتے صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے اس کی تعریف کرتے اور اس سے دعا مانگتے۔ پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے اور اللہ کی حمد کرتے اور اللہ سے دعا مانگتے، پھر سلام پھیرتے اور ہم کو سناتے، پھر سلام کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، یہی گیارہ رکعات ہیں، اے بیٹے، جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر زیادہ ہوئی اور بدن بھاری ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات رکعت وتر پڑھتے اور دو رکعت اسی طرح پڑھتے جس طرح پہلے پڑھتے تھے، تو یہ نو رکعات ہوتیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت کوئی نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے تھے، کہ اس پر مداومت اختیار فرمائیں اور جب نیند یا بیماری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آجاتی اور رات میں نماز نہ پڑھ پاتے تو دن میں بارہ رکعات نماز پڑھتے اور میں نہیں جانتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن ایک رات میں ختم کیا ہو، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی رات صبح تک نماز پڑھی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں مکمل روزے رکھے۔

تشریح: فان خلق نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ”کان خلقہ القرآن“ سے وہ تمام آیات مراد لیں جن میں اخلاق ذمیمہ کو

سنوارنے اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے کی دلالت ہے جیسے "**خذ العفو ان الله یامر بالعدل و الاحسان وایتاء ذی القربی۔ واصبر علی ما اصابک، ادفع بالتی ھی احسن** وغیرہ، یا **کان خلقه القرآن**" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متخلق باخلاق اللہ ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس معنی کو "**کان خلقه القرآن**" سے تعبیر کیا اللہ رب العزت کی ذات عالی سے حیاء کی وجہ سے اور حال کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے، امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں بھی اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمہ پر ابھارا اور آمادہ کیا ہے یا جتنے محاسن اخلاق قرآن کریم میں بالتفصیل بیان کئے ہیں اور کسی نبی یا ولی سے متعلق قرآن کریم میں جو محاسن آداب ومکارم اخلاق بیان کئے گئے ہیں ان سب کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آراستہ تھے، اور تمام اعلیٰ خصائل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندر سمیٹ لیا تھا، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اخلاق وعادات قرآن پاک کے مطابق تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۰، التعلیق: ۲/۹۴)

فیبعثه الله ماشاء: جب اللہ تعالیٰ چاہتے تھے اٹھا دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھانے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، بلکہ جب اللہ چاہتے خود اٹھا دیتے۔

لایجلس فیھا الخ: سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے، جب حق تعالیٰ کی مرضی ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے اٹھتے اور مسواک کر کے وضوء فرماتے پھر نو رکعتیں پڑھتے ان نو رکعتوں کے بارہ میں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی فرمایا "**لایجلس فیھا الا فی الثامنة**" یعنی ان میں سے صرف آٹھویں رکعت

میں جلسہ فرماتے اور ذکر ودعاء (جس میں تشہد بھی شامل ہے) میں مشغول رہ کر بغیر سلام پھیرے نویں رکعت کے لئے کھڑے ہوجاتے نویں رکعت پوری کر کے سلام پھیرتے۔

اس حدیث کے جملہ "لایجلس فیھا إلا فی الثامنۃ" سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتے تھے اس سے پہلے دوسری، چوتھی اور چھٹی رکعت کے بعد قعدہ نہیں فرماتے تھے، اس پر وہی اشکال ہے جو گذشتہ حدیث پر تھا کہ یہ ان دلائل کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہونا چاہئے اس لئے اس حدیث کا صحیح محمل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

امام طحاویؒ نے اس حدیث کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے جسے حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہاں سعد بن ہشام نے سوال صرف وتر کے بارے میں کیا تھا، اس لئے جواب میں بھی اصل تفصیل وتر ہی کی بیان کرنی مقصود ہے، اور ان نو رکعات میں سے وتر آخری تین رکعتیں ہیں، یعنی ساتویں، آٹھویں اور نویں رکعت، اس سے پہلے چھ رکعتیں تہجد کی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اصل وتر کی تفصیل بیان کرنا چاہتی ہیں، لیکن بطور تمہید چند دوسرے امور کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور وضو کا تذکرہ کیا، لیکن مسواک اور وضو کی تفصیلات نہیں بتائیں، کیونکہ ان کا ذکر یہاں مقصود نہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا ذکر فرمایا لیکن اجمالاً، تفصیلات نہیں بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی یہ رکعات کس طرح پڑھتے تھے، کتنی رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے، کونسی رکعت پر قعدہ کرتے تھے، کیونکہ تہجد کا ذکر بھی یہاں بالتبع آیا ہے اس کے بعد سائل کے سوال کے اصل جواب کی طرف متوجہ ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کا تذکرہ کیا، وتر کا ذکر چونکہ اصل مقصود تھا اس لئے اس کی تفصیل بیان فرمادی کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کون سی رکعت پر قعدہ فرماتے تھے، اور کون سی رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے، تفصیل یہ بتائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی ان تین رکعتوں کے دوران ایک قعدہ تو دوسری رکعت پر فرماتے تھے، جو کل نماز کی آٹھویں رکعت بنتی ہے، لیکن اس قعدہ کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے، بلکہ سلام کل نماز کی نویں رکعت اور وتر کی تیسری رکعت کے بعد پھیرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اصل جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتیں دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے، اب یہ حدیث حنفیہ کے عین مطابق ہوگی، اس توجیہ پر زیادہ سے زیادہ کہنا پڑے گا، کہ اس میں تہجد کی چھ رکعات کی تفصیل نہیں بتائی گئی، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ تہجد کا ذکر بالتبع ہے۔

ہماری اس تقریر کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سنن نسائی جلد اول: ص ۲۴۸ پر سعد بن ہشام کی ہی روایت مذکور ہے جو یہاں بحوالہ مسلم مذکور ہے سند بھی تقریباً ایک ہی ہے اس میں لفظ یہ ہے "**عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لايسلم في ركعتي الوتر**" مسلم کی اس روایت سے زیر بحث توضیح ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اصل یہ بتانا چاہتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین وتر فصل بالسلام کے بغیر ہوتے تھے۔ (اشرف التوضیح)

ثم يصلي ركعتين بعد مايسلم وهو قاعد: وتر کے بعد دو رکعت کا ثبوت اگرچہ بخاری و مسلم سے ہے لیکن اس پر بعض کبار اصحاب حدیث وفقہاء نے اعتراض کیا ہے، چنانچہ امام مالکؒ نے ان دو رکعت کا انکار کیا، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں "**انی لاافعلها ولاامنع من فعلهما**" اور امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ سے اس بارے میں کچھ مروی نہیں ہے، اور امام بخاریؒ نے اگرچہ اس حدیث کی تخریج کی ہے لیکن اس پر کوئی باب قائم نہیں کیا

اوران کاباب نہ باندھنا علامت ہے عدم پسندیدگی پر، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ صحیحین میں مشہور روایات ہیں ''اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا'' نیز مشہورروایات سے ثابت ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز رات کی وتر ہوتی تھی، تو جب حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہوا کہ رات کی آخری نماز وتر ہونا چاہئے، تو پھر کوئی توجیہ نکالنی چاہئے جس سے دونوں میں تطبیق ہوجائے تو بعض حضرات نے یہ توجیہ کی کہ جن روایات میں''اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا'' آیا ہے وہ استحباب پر محمول ہے، اوردو رکعت کاپڑھنا بیان جواز کے لئے ہے، اوربعض حضرات نے یہ کہا کہ جب یہ دونوں رکعت وتر کے متصل پڑھی جاتی ہیں، تو ان کوحکماً وتر میں شامل کرلیا گیا بنابریں''اجعلوا آخر الخ'' کی منافی نہیں ہوئی۔

ایک دوسرا جواب جوامام نوویؒ نے دیا یہ ہے کہ ''اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا'' ہی بلاتاویل درست ہے، اورجن احادیث میں رکعتین بعد الوتر کے متعلق صراحت ہے وہ بیان جواز کے لئے ہے اورجس کوحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی پڑھا، اس پر ہمیشگی نہیں کی، اورقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا رکعتین بعد الوتر والی روایت کا ردفرمانا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب احادیث صحیح ہیں اوردونوں روایتوں میں جمع کرنا ممکن ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہواتو دونوں میں تطبیق ہی دی جائے گی۔(مرقاۃ:۲/۱۵۱،التعلیق الصبیح :۲/۹۵)

اوتر بسبع: یہ پوری صلوٰۃ کووتر فرمارہے ہیں کیونکہ نماز کااختتام وتر پر ہوا ہے۔

احب ان یداوم علیھا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بھی کوئی نمازیا دوسری عبادت شروع فرماتے تو اس کو ہمیشہ کرنے کی پوری کوشش فرماتے تھے، البتہ کسی عذر یا بیان جواز کے لئے کبھی کبھی اس کوترک بھی فرمادیتے تھے۔(مرقاۃ:۲/۱۵۱)

ولا صام شهرا کاملا: حدیث کے اس ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینہ کے روزے کبھی نہیں رکھے جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے شعبان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے، چنانچہ اس کا جواب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری حدیث سے ہو جاتا ہے کہ وہاں پورے مہینہ سے مراد اکثر دن ہے، لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ (مرقاۃ:۲/۱۵۱، التعلیق الصبیح:۲/۹۶)

رات کی آخری نماز وتر

﴿۱۱۸۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا آخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔

(رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف:۲۵۷/ ۱، باب صلاة الليل الخ، كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر:۱۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔

تشریح: آخر صلوٰتکم الخ: یہ بھی بعض کے نزدیک واجب ہے، اور بعض کے نزدیک مستحب ہے۔

وتر آخر میں کرنا چاہئے، تاکہ رات کی تمام نماز کا اختتام وتر پر ہو جائے، جس طرح دن کی تمام نمازوں کا اختتام مغرب کے وتر پر ہوتا ہے۔

وتر کی نماز طلوع فجر سے پہلے پڑھنے کا حکم

﴿۱۱۹۰﴾ وَعَنْه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف:۲۵۷/۱، صلاة الليل، كتاب المسافرين، حدیث نمبر:۷۵۰۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبح ہونے سے پہلے وتر جلدی سے پڑھو۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے وتر جلدی سے پڑھ لو کہیں ایسا نہ ہو صبح ہو جائے اور وتر فوت ہو جائے حنفیہ کے نزدیک چونکہ وتر واجب ہے اس لئے یہ امر بطور وجوب کے ہے، چنانچہ اگر کسی شخص کی وتر کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء لازم ہوگی۔ (مرقاۃ:۲/۱۵۱)

اول شب میں وتر پڑھنا

﴿۱۱۹۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهُ وَمَنْ طَمَعَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلوٰةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ اَفْضَلُ ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۲۵۸، باب صلاۃ اللیل، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۵۵۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص کو اس بات کا خطرہ ہو کہ وہ اخیر رات میں اٹھ نہ سکے گا، تو اس کو چاہئے کہ اول شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اس بات کی توقع ہو کہ وہ اخیر شب میں اٹھ جائے گا، تو اس کو چاہئے کہ اخیر رات میں وتر پڑھ لے۔ اس وجہ سے کہ اخیر رات کی نماز مشہودہ ہوتی ہے اور یہ افضل ہے۔

تشریح: وتر کی نماز کا اصل وقت عشاء کے وقت کے بعد سے طلوع فجر تک ہے، لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ اخیر رات میں تہجد کی نماز کے بعد وتر پڑھی جائے یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی معمول تھا، لیکن اگر کسی کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ اخیر رات میں بیدا نہ ہو سکے گا، اور وتر فوت ہو جائے گی، تو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اس کے بعد سوئے، اس سے وتر کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے، یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

مشہودہ: اخیر شب میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ نماز مشہودہ ہے، مشہودہ نماز کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جب پڑھی جاتی ہے تو اس میں رحمت کے فرشتے شریک ہوتے ہیں، اور انوار الٰہیہ و برکات ربانیہ کا نزول ہوتا ہے، اور جب یہ معلوم ہوا کہ اخیر شب کا وقت عبادت الٰہی کے لئے بہت بابرکت ہے، اور اس وقت کی نماز رحمت کے فرشتوں کے شریک اور انوار و برکات کے نزول کے سبب بہت زیادہ ثواب رکھتی ہے، تو وتر کا اسی وقت پڑھنا افضل ہے۔ (مرقات: ۲/۱۵۲، التعلیق: ۲/۹۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا وقت

﴿۱۱۹۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ مِنْ

كُلِّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَاَوْسَطِهٖ وَآخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۳۶ / ۱، باب ساعات الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۹۹۶۔ مسلم شریف: ۲۵۵ / ۱، باب صلاۃ اللیل، وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۴۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع رات میں، درمیان شب میں، اور اخیر شب میں بھی وتر کی نماز پڑھی ہے، وتر کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے قریب پڑھتے تھے۔

تشریح: من کل اللیل اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد رات کے بھی حصہ میں وتر کی نماز پڑھی، کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد فوراً وتر کی نماز پڑھ لی، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز درمیانی رات میں پڑھی اور کبھی آخری رات میں وتر پڑھی اور یہی آخری رات میں وتر پڑھنے کا معمول آخری عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، لہٰذا آخری رات میں وتر پڑھنا افضل ہے، البتہ جس کو وتر کے قضاء ہونے کا ڈر ہو تو اس کو لازم ہے کہ وہ اول لیل میں ہی پڑھ لے۔ (بذل المجہود: ۱۳۳، ۶/۱۳۴)

وتر کے بارے میں ایک وصیت

﴿۱۱۹۳﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ

أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ بِثَلٰثٍ صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَاَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۶۶/۱، باب صیام البیض، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۹۸۱. مسلم شریف: ۲۰۵/۱، باب استحباب الضحیٰ، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے خلیل (میرے جگری دوست) نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔ (۱) ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنے کی۔ (۲) چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے کی۔ (۳) سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔

تشریح: خلیلی: خلیل کے معنی ہیں جگری دوست، مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

صیام ثلاثۃ ایام: ہر مہینہ کے تین دن روزہ رکھنے کی وصیت کی اور یہ تین دن تیرہ، چودہ پندرہ تاریخ کے دن ہیں جن کو ایام بیض کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ تین دن کے روزے اس ترتیب سے رکھے جائیں، کہ ایک روزہ مہینہ کے پہلے دن دوسرا روزہ مہینہ کے درمیانی دن میں اور تیسرا روزہ مہینہ کے آخری دن میں رکھا جائے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ پہلا روزہ مہینہ کے پہلے عشرہ کے پہلے دن اور دوسرا روزہ دوسرے عشرہ کے پہلے دن اور تیسرا روزہ تیسرے عشرہ کے پہلے دن اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ تین دن کے روزے مطلقاً مراد ہیں پورے مہینہ میں جس دن چاہے تین روزے رکھ لے۔ (مرقاۃ: ۱۵۲/۲)

رکعتی الضحی: ضحیٰ کی دو رکعتیں یعنی وہ دو نفل نمازیں جو آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہیں ان میں سے ایک کو نماز اشراق اور ایک کو نماز چاشت کہتے ہیں، ان نمازوں کا ادنی درجہ دو رکعتیں پڑھنا ہے اور زیادہ سے زیادہ نماز اشراق میں چھ رکعتیں، اور

نماز چاشت میں بارہ رکعتیں ہیں۔

وان اوتر قبل ان انام: وتر کا افضل وقت اخیر شب میں پڑھنا ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عشاء کے بعد حصلا وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی اس کی وجہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول شب ہی سے احادیث کثیرہ کے مجموعہ کو یاد کرنے اور اس کو محفوظ کرنے میں لگ جاتے اور یاد کرنے کا یہ مشغلہ دیر رات تک جاری رہتا، جس کی وجہ سے آخر رات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اٹھنا دشوار اور مشکل ہوتا اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اول شب میں وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔ (مرقاۃ:۲/۱۵۲، التعلیق:۲/۹۶، طیبی:۳/۱۵۱)

فائدہ: حدیث پاک سے طلباء کیلئے سہولت نکل آئی کہ چونکہ طلباء رات کو دیر تک مطالعہ وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں جس کی وجہ سے دیر سے سوتے ہیں اور صبح کو تہجد کیلئے اٹھنا مشکل ہوتا ہے اسلئے طلباء کو چاہئے کہ رات کو مطالعہ کتب وغیرہ سے فارغ ہوکر نماز تہجد اور وتر پڑھ لیا کریں، اور اس کے بعد سو جایا کریں۔

الفصل الثانی

وتر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت

﴿۱۱۹۴﴾ وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَرَاَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ آخِرِهِ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِيْ آخِرِهِ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ الْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُوْتِرُ اَوَّلَ اللَّيْلِ اَمْ فِيْ آخِرِهِ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ آخِرِهِ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ اَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَبِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ الْاَمْرِ سَعَةً ۔ (رواه ابوداؤد وروى ابن ماجة الفصل الآخير)

حواله: ابو داؤد شريف: ۲۹، ۱/۳۰، باب في الجنب يؤخر الغسل، كتاب الطهارت، حدیث نمبر: ۲۲۶۔ ابن ماجه: ۱/۹۶، باب ما جاء في القرأة في صلاة الليل، حدیث نمبر: ۱۳۰۴۔

ترجمه: حضرت غضیف بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا معمول دیکھا؟ آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول شب میں فرماتے تھے یا آخر شب میں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع رات میں غسل فرماتے تھے، اور کبھی آخر شب میں غسل فرماتے تھے، میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے دین میں ایسی کشادگی رکھی، پھر میں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر اول رات میں پڑھتے تھے، یا آخر رات میں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ کبھی وتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول رات میں پڑھتے تھے، اور کبھی آخر شب میں پڑھتے تھے، میں نے کہا کہ اللہ اکبر تمام تعریفیں اللہ ہی

کیلئے ہیں جس نے دین میں اس قدر گنجائش رکھی، پھر میں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے، یا آہستہ آواز سے قرأت فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے، اور کبھی پست آواز سے قرأت فرماتے تھے، میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے دین میں اس قدر وسعت رکھی۔ (ابو داؤد) ابن ماجہ نے صرف روایت کا آخری حصہ نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین سوال راوی نے کئے، تینوں کے ایسے جوابت ملے جس سے دین کے سہل اور آسان ہونے کا علم ہوتا ہے، اور صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ "الدین یسر" دین بہت آسان ہے، چنانچہ تینوں مرتبہ سائل نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ نے اس دین کو بہت آسان بنایا ہے۔

پہلے سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت حنابت الاحق ہونے کے فوراً بعد لازم نہیں ہے، شروع رات میں بھی غسل کیا جا سکتا ہے، اور اس بات کی بھی گنجائش ہے، کہ تاخیر کر کے غسل کیا جائے، دوسرے سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز شروع رات میں بھی پڑھی جا سکتی ہے، اور اخیر شب میں بھی، تیسرے سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز میں قرأت جہراً یا سراً کسی ایک کی پابندی لازمی نہیں آدمی اپنی سہولت کے اعتبار سے جو طریق چاہے اختیار کرے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں تین رکعات پڑھتے تھے

﴿۱۱۹۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَئَلْتُ عَائِشَةَ

بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَثَلٰثٍ وَّسِتٍّ وَثَلٰثٍ وَثَمَانٍ وَّثَلٰثٍ وَّعَشْرٍ وَثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱/۱۹۳، باب فی صلاۃ اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر:۱۳۲۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار رکعت اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، اور کبھی چھ رکعات اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور کبھی آٹھ رکعات اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، اور کبھی دس رکعات اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعتوں سے کم اور تیرہ رکعات سے زیادہ وتر نہیں پڑھی۔

تشریح: باربع و ثلث: چار نفل اور تین وتر۔

وست و ثلث: چھ نفل اور تین وتر۔

وثمان وثلث: آٹھ نفل اور تین وتر۔

وعشر وثلث: دس نفل اور تین وتر۔

ان سے تین وتر ثابت ہوتے ہیں اور دوسری روایتیں اس وقت کی تھیں جب وتر کا معاملہ مستقل نہیں ہوا تھا، بلکہ مذبذب سا تھا۔

وعشر وثلث: روایتوں میں تہجد کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ کبھی تہجد کی چار، کبھی چھ، کبھی آٹھ کبھی دس یہ دراصل وقت کے اندر گنجائش اور طول قراءت کیوجہ

سے ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت حذیفہؓ اور ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے، اور کبھی تہجد کی رکعات میں کمی مرض کی وجہ سے یا نیند کی وجہ سے ہوتی تھی، اور اخیر عمر میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک بھاری ہوگیا، تو چار رکعات تہجد کی نماز پر بھی اکتفا فرمالیا کرتے تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۳، التعلیق: ۲/۹۷، طیبی: ۳/۱۵۲)

ولم یکن یوتر بانقص من سبع: سات رکعات سے کم تہجد نہ پڑھنے کی نفی اغلب کے اعتبار سے ہے کہ اس لئے کہ پانچ رکعات تہجد کا پڑھنا بھی ثابت ہے اسی طرح تیرہ رکعات سے زیادہ تہجد نہ پڑھنے کی نفی اغلب کے اعتبار سے ہے ورنہ تو پندرہ رکعات بھی تہجد کا پڑھنا ثابت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۳)

وتر کی نماز واجب ہے

﴿۱۱۹۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَۃٍ فَلْیَفْعَلْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۰۱، باب کم الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۲۲۔ نسائی: ۱/۱۹۲، باب ذکر الاختلاف الخ، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۷۱۰۔ ابن ماجۃ: ۸۳، باب ما جاء فی الوتر ثلاث، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وتر لازم ہے ہر مسلمان پر جو شخص پانچ رکعات وتر پڑھنا چاہے، وہ پانچ رکعات وتر پڑھ لے، جو تین رکعات پڑھنا چاہے وہ تین رکعات پڑھ لے، اور جو شخص ایک رکعت وتر پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھ لے۔

تشریح: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱) ''الوتر حق علی کل مسلم'' حق کے معنی ثابت ہونا اور واجب ہونا۔ مطلب یہ ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے، لہذا اگر کسی سے وتر کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء لازم ہوگی، یہی حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی، جو وتر کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ (۲) اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی ایک رکعت یا تین رکعت یا پانچ رکعت لازم نہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے، جو بظاہر حنفیہ کے مذہب کے خلاف ہے۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث کا جواب: یہ حدیث بظاہر صریح دلیل ہے ایتار بر کعة کے جواز کی، اس کا جواب یہ ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوفاً ثابت ہے مرفوعاً نہیں، میں کہتا ہوں کہ جب یہ بات ہے تو پھر ہم حدیث موقوف کا معارضہ کریں گے، دوسری حدیث موقوف سے، موطأ محمد میں ہے ''عن ابن مسعود ما اجزأت ر کعة قط'' ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایتار بر کعۃ ثابت نہیں ہے، اسی طرح حدیث ''النهی عن البتيراء ''مشہور ہے جس کو حافظ ابن عبد البرؒ نے موطأ کی شرح التمہید میں بسند ہ ابی ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً ذکر کیا ہے، نیز دار قطنی کی روایت ہے ''عن ابن مسعودؓ مرفوعاً وتر الليل ثلاث كوتر النهار صلوٰة المغرب'' (البذل، والمنہل، الدر المنضود، مرقاۃ: ۲/۱۵۳)

وتر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

﴿۱۰۹۷﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَأَوْتِرُوْا يَاأَهْلَ الْقُرْآنِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۰۰/۱، باب استحباب الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۴۱۶۔ ترمذی شریف: ۱۰۳/۱، باب ما جاء ان الوتر لیس بحتم، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۴۵۳۔ نسائی: ۱۸۹/۱، باب الأمر لوتر، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر:۱۶۷۴۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ وتر یعنی یگانہ ہے، وہ وتر یعنی طاق کو پسند کرتا ہے، تو اے قرآن والو (حفاظ) وتر پڑھو۔

تشریح: یا اهل القرآن: اے ایمان والو، اے حفاظ قرآن۔

اوتروا: یہ صیغۂ امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا وتر واجب ہیں۔

اللہ وتر، ای واجب، ویحب الوتر ای الواجب، لہٰذا وتر واجب ہیں۔

ان اللہ وتر یحب الوتر: اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ہے صفات میں یکتا ہے، اس کا کوئی شبیہ اور ہم مثل نہیں افعال میں یکتا ہے، جو کچھ بھی کرتا ہے، اپنے اختیار اور حکم سے کرتا ہے اس کے افعال و اختیار میں اس کا کوئی معین ومددگار نہیں ہے، اور اللہ چونکہ ہر چیز میں یکتا ہے، اس لئے یکتا اور طاق کو ہی پسند کرتا ہے، اور وتر کی نماز بھی چونکہ طاق ہے اس لئے وتر کی نماز بھی اس کو بہت زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے،

اس لئے جواس نماز کو پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ ثواب مرحمت فرماتا ہے، اوراس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جواللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہے، اور ماسوئی سے بے نیاز ہوکر اپنے رب اور مولیٰ کی عبادت کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۵۴، طیبی:۳/۱۵۳، التعلیق الصبیح:۲/۹۷)

یا أهل القرآن اوترو ا: اس میں تمام مسلمین شامل ہیں اس لئے کہ تمام مسلمان اہل الایمان بالقرآن ہیں، لیکن حضرت ابن مسعودؓ نے اس حدیث کواس کے ظاہر پر محمول کیا اور ترمذی میں ہے اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں وتر سے مراد قیام اللیل ہے، جیسا کہ باب قیام اللیل میں گذر چکا کہ اکثر احادیث میں جملہ صلوۃ اللیل پر وتر کا اطلاق کیا گیا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ قیام اللیل کے اصل مخاطب حفاظ قرآن ہیں حافظوں کو چاہئے کہ وہ رات کو تہجد میں تلاوت قرآن کیا کریں یہی قرآن کی قدر روانی ہے، اوراس سے انتفاع کی ایک خاص شکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مرقات:۲/۱۵۵، الدرالمحصود)

نماز وتر کی اہمیت

﴿۱۱۹۸﴾ وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمُرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلیٰ اَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۲۰۱، باب استحباب الوتر، کتاب

الوتر، حدیث نمبر:۱۴۱۸۔ترمذی شریف: ۱۰۳/ ۱، باب ماجاء فی فضل الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۴۵۲۔

ترجمہ: حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے پاس ایک نماز کی کمک بھیجی ہے، اور یہ نماز تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، وہ وتر کی نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے فائدہ کے لئے عشاء کی نماز اور طلوع فجر کے درمیان مقرر کیا ہے۔

تشریح: امدکم بصلوٰۃ: یعنی من جانب اللہ اس کا حکم ہے، اور جو من جانب اللہ مشروع ہو اس کو فرض ہونا چاہئے، مگر چونکہ یہ دلیل قطعیہ سے ثابت نہیں اس لئے ان کو فرض تو نہیں کہیں گے، البتہ کم از کم واجب ضرور کہیں گے۔

اور پھر امدکم: بمعنی زیادہ کیا ہے، اور قاعدہ ہے کہ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے، اور وتر کی زیادتی صلوات خمسہ فرضیہ پر ہوئی ہے اس لئے قاعدہ تقاضہ کرتا ہے کہ وتر بھی فرض ہوں، مگر چونکہ یہ دلیل ظنی سے ثابت ہیں اس لئے واجب تو بہر حال ہیں ہی، وتر کی مشروعیت کی نسبت اللہ کی طرف ہے، اور اللہ خود واجب ہے اور اس کا قول بھی واجب ہے، اس سے بھی ثابت ہوا کہ وتر واجب ہے۔

جعلہ اللّٰہ لکم الخ: سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا وقت عشاء سے طلوع فجر تک ہے حالانکہ سنت و مستحب کا وقت متعین نہیں ہوا کرتا، معلوم ہوا کہ وتر واجب ہیں سنت، مستحب نہیں، فرض اگر نہیں تو فرض کی بو ضرور ہے کیونکہ فرضوں کی طرح ان کا بھی وقت متعین ہے۔

من حمر النعم: سرخ اونٹ، حمر، جمع ہے "احمر" کی، وہ چیز جس کا رنگ سرخ ہو "نعم" جمع، انعام، اونٹ، صفت کی اضافت موصوف یعنی اونٹ کی طرف ہے،

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی اہمیت بتانے کیلئے وتر کو سرخ اونٹ سے بہتر بتایا اسلئے کہ اہل عرب کے نزدیک سرخ اونٹ کی قدر و قیمت بہت زیادہ تھی، اور یہ ان کے نزدیک بہترین اور عزیز ترین مال تھا، غرض سرخ اونٹ سے وتر کو زیادہ بہتر بتا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ اس وتر کو پڑھنے سے جو ثواب ملتا ہے وہ دنیا کی تمام مال و دولت سے بہتر ہے، اور یہی آخرت میں کام آنے والی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۵، طیبی: ۳/۱۵۴، التعلیق: ۲/۹۷)

وتر کی قضاء کا حکم

﴿۱۱۹۹﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ۔ (رواه الترمذی مرسلاً)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۰٦، باب ما جاء فی الرجل ینام عن الوتر او ینساہ، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ٤٦٦۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اپنی وتر کی نماز سے غافل ہو کر سو گیا تو اس کو چاہئے کہ وہ صبح کو پڑھ لے، اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں وتر کی قضاء کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ سنت وغیرہ کی قضاء نہیں ہوتی تو اس سے معلوم ہوا کہ وتر تو فرض نہیں مگر ان میں فرض کی بو ضرور ہے اور وہ وجوب ہے معلوم ہوا کہ وتر واجب ہیں۔

وتر کی قضاء کب تک ہے

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وتر کی قضاء کب تک ہے اس میں متعدد اقوال ہیں:
(۱) صحابۂ کرام وتابعین کی ایک جماعت جس میں امام مالکؒ واحمدؒ بھی ہیں ان کے نزدیک وتر کی قضاء "مالم یصل الصبح" ہے (صبح کی نماز پڑھنے سے پہلے پہلے اس کے بعد نہیں) یہی ایک روایت امام شافعیؒ کی ہے، لیکن امام مالکؒ کے نزدیک طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز تک وتر کا وقت وقت اداء ہی ہے نہ کہ قضاء۔ (۲) حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ کا قول مشہور یہ ہے کہ وتر کی قضاء ہمیشہ ہے کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کے بعد پھر قضاء نہ ہو البتہ حنفیہ کے نزدیک اوقات مکروھہ میں پڑھنا ناجائز ہے شافعیہ کے یہاں جائز ہے۔
اس میں اور بھی بعض مذاہب ہیں مثلاً ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک وتر کی قضاء صرف "الی طلوع الشمس" ہے طلوع شمس کے بعد نہیں اور حسن، طاؤس، مجاہد وغیرہ کے نزدیک وتر کی قضاء صرف زوال تک ہے اس کے بعد نہیں، سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں وتر کی قضاء طلوع فجر کے بعد دن میں کسی بھی وقت نہیں، بلکہ آئندہ رات آنے پر اس کی قضاء کی جائے، اس لئے کہ وتر رات کی نماز ہے تو عمل اللیل کو عمل النہار بنانا درست نہیں۔
بعض احادیث سے (مسند احمد وغیرہ کی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وتر کو طلوع فجر کے بعد صلوٰۃ فجر سے قبل پڑھنا ثابت ہے غالباً اسی لئے مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی نماز طلوع فجر کے بعد نماز صبح سے قبل اداء ہی ہے قضاء نہیں "کما تقدم قریباً. ملخصاً من المنهل".
اس مسئلے میں (وتر کی قضاء کب تک ہے) بذل المجہود میں علماء کے آٹھ مذاہب نقل کئے ہیں، جن میں سے اکثر اوپر گذر چکے، ابن حزم ظاہری کا مذہب یہ لکھا ہے کہ نوم ونسیان کی

صورت میں (جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے) وتر کی قضاء ہمیشہ کر سکتے ہیں لیکن عمداً ترک کرنے کی صورت میں قضاء ممکن ہی نہیں ہے۔

پس ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہوا کہ امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک وتر کی قضاء صبح کی نماز تک ہے، حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک اس کی قضاء ہمیشہ ہے۔ (الدر المنضود، مرقات: ۲/۱۵۵)

ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کا ثبوت

﴿۱۲۰۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُوْلىٰ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبْزىٰ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرْ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ)

حواله: أبوداؤد شريف: ۲۰۱/۱، باب مايقرأ في الوتر، كتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۲۴۔ ترمذی شریف: ۱۰۳/۱، باب ما جاء فيما يقرأ به الوتر، كتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۶۳۔ سنن نسائی: ۱۰۴/۱، باب نوع آخر من القرأة في الوتر، كتاب قيام الليل، حدیث نمبر: ۱۷۲۹۔ مسند امام أحمد: ۱۲۳/۵، سنن دارمی: ۴۴۹/۱، باب كم الوتر، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۱۵۸۶۔

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن جریج ؒ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں "سورۃ الاعلیٰ" دوسری میں "سورۃ الکافرون" تیسری میں "سورۃ الاخلاص" اور "معوذتین" پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد) نسائی اس روایت کو "عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ" سے احمد نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور دارمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، اور احمد و دارمی نے معوذتین کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ایک بات تو یہ سمجھ میں آئی کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وتر کی تین رکعات ایک سلام سے پڑھیں جائیں گے، کیونکہ درمیان میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص مع معوذتین کا پڑھنا بہتر ہے۔ (التعلیق: ۲/۹۸)

صلوٰۃ الوتر میں کون کونسی سورتیں پڑھنا منقول ہے

بعض روایات میں ان سورتوں کے علاوہ بھی دوسری سورتیں مروی ہیں، چنانچہ محمد بن نصر کی روایت میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں نو سورتیں پڑھتے تھے "**فی الاولی الھٰکم التکاثر وانا انزلناہ فی لیلۃ القدر، واذا زلزلت وفی الثانیۃ والعصر واذا جاء نصر اللہ والفتح وانا اعطیناک الکوثر وفی الثالثۃ قل یا ایھا الکفافرون وتبت ید ابی لھب وقل ھو اللہ**

احد“ اور سعید بن جبیر کے بارے میں روایت ہے کہ وہ پہلی رکعت میں ”خاتمہ البقرہ“ اور دوسری میں ”انا انزلناہ فی لیلۃ القدر“ اور کبھی ”قل یا ایھا الکافرون“ اور تیسری میں ”قل ھو اللہ احد“ اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام تراویح بنایا تو وہ پہلی رکعت میں ”انا انزلنا فی لیلۃ القدر“ اور دوسری میں ”قل یا ایھا الکافرون“ اور تیسری میں ”قل ھو اللہ احد“ پڑھتے تھے، (من المنہل) اور ترمذی میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کی ایک رکعت میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ (الدر المنضود، ترمذی مع حاشیہ: ۱۰۶/۱، باب ماجاء فی الوتر بثلاث)

وتر کی دعاء قنوت کا ذکر

﴿۱۲۰۱﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۰۱، ۲۰۲/۱، باب القنوت فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۲۵۔ ترمذی شریف: ۱۰۶/۱، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۶۴۔ نسائی: ۱۹۵/۱، باب

الدعاء فی الوتر، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر:۱۷۴۴۔ ابن ماجه: ۸۲/، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر، کتاب اقامة الصلوٰة، حدیث نمبر:۱۱۷۸۔ دارمی: ۱/۴۵۲، باب الدعاء فی القنوت، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۱۵۹۳۔

ترجمه: حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں پڑھنے کے لئے چند کلمات سکھائے، "اللهم اهدنی الخ" مجھے ہدایت عطا فرما، ان بندوں میں شامل کر کے جن کو آپ نے ہدایت عطا فرمائی، اور مجھے عافیت عطا فرما ان بندوں میں شامل کر کے جن کو آپ نے عافیت عطا فرمائی، اور میرا کار ساز بن جا ان بندوں میں شامل کر کے جن کی آپ کارسازی فرماتے ہیں، اور مجھے برکت عطا فرما ان چیزوں میں جو آپ نے مجھے عطا فرمائی اور مجھے بچا لیں ان فیصلوں کے اثرات بد سے جو آپ فرمائیں، آپ یقیناً فیصلہ کرتے ہیں اور آپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بے شک شان یہ ہے کہ وہ شخص رسوا نہیں ہوتا جس کو آپ دوست بنالیں، آپ برکت والے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ کی شان بہت بلند ہے۔

تشریح: قنوت کے ایک معنی من جملہ اس کے معانی کے دعاء کے بھی ہیں، اور یہاں اس سے دعاء فی محل مخصوص مراد ہے۔ (منہل)

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ قنوت کی دو قسمیں ہیں ایک قنوت دائمی (جو پورے سال پڑھا جائے) اور ایک قنوت نازلہ (جو صرف حوادث کے وقت پڑھا جائے) ثانی کا تعلق یعنی اس کا محل فرائض (فرض نمازیں) ہیں لہٰذا وہ باب جو آگے آرہا ہے، وہ تو ہوا قنوت نازلہ کا یہ اس کا مقابل قنوت دائمی ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ قنوت دائمی کا محل کیا ہے آیا وتر ہے یا صلوٰۃ الفجر، حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک اس کا محل وتر ہے اور شافعیہ ومالکیہ کے نزدیک اس کا محل صلوٰۃ الفجر ہے۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ قنوت میں پانچ مسائل اختلافی ہیں: (۱) قنوت وتر میں مشروع ہے یا نہیں۔ (۲) صلوٰۃ الفجر میں مشروع ہے یا نہیں۔ (۳) قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع۔ (۴) قنوت کے لئے کونسی دعاء مختار عند الائمہ ہے۔ (۵) قنوت نازلہ تمام نمازوں میں مشروع ہے یا صرف صلوٰۃ الفجر میں۔

بحث اول: حنفیہ وحنابلہ پورے سال قنوت فی الوتر کے قائل ہیں اور شافعیہ قنوت فی الوتر کے قائل صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہیں" **وهي رواية عن مالك وعنه التخيير في القنوت وتركه.**

بحث ثانی: امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک قنوت فی الفجر پورے سال مشروع وسنت ہے۔

بحث ثالث: عند الشافعيؒ واحمدؒ بعد الركوع مطلقاً وعند مالكؒ قبل الركوع مطلقاً وعندنا الحنفية الفرق بين قنوت الوتر وقنوت النازلة فالاول قبل الركوع والثاني بعده۔

رابع: حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک دعاء قنوت میں اولی سورۃ الخلع وسورۃ الحفد ہے "**اللهم انا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونتوكل عليك ونثني عليك الخير ونشكرك ولانكفرك ونخلع ونترك من يفجرك** (یہ سورۃ الخلع ہے) **اللهم اياك نعبد ولك نصلي الخ** (یہ سورۃ الحفد ہے) اور ایک روایت امام مالکؒ سے یہ ہے کہ دونوں دعاؤں کو جمع کیا جائے اور ہمارے یہاں بھی ایک قول یہی ہے کہ دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔ اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مختار وراجح "**اللهم اهدني فيمن هديت الخ**" ہے جو کہ حدیث الباب میں مذکور ہے اور یہ حدیث سنن اربعہ اور مسند احمد کی حدیث ہے۔ شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے اور

حنفیہ کی دلیل ترجیح دعا میں مراسیل ابی داؤد کی روایت مرسلہ ہے خالد بن ابی عمران (تابعی) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے **"وعلمه القنوت اللهم انا نستعينك الخ"** نیز ابن ابی شیبہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے موقوفاً **"على ابن مسعود"** اور ابن السنی نے موقوفاً علی **ابن عمر** اور در منثور میں بحوالہ محمد بن نصر وطحاوی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ قنوت میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔ **اللهم انا نستعينك الخ"**

فائدہ: علامہ سیوطی نے درمنثور کے اخیر میں سورۃ الناس کے بعد ایک سرخی قائم کی **"ذكر ما ورد في سورة الخلع وسورة الحفد"** اور پھر اس کے ذیل میں ثابت کیا کہ بعض صحابہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے مصحف میں سورۃ الناس کے بعد یہ دو سورتیں مزید پائی جاتی ہیں۔ **بسم الله الرحمن الرحيم انا نستعينك الى قوله من يفجرك ، بسم الله الرحمن الرحيم اللهم اياك نعبد ولك نصلى الخ"** لیکن انہوں نے اس پر اپنا کوئی تبصرہ یا شروع میں کوئی تمہید بیان نہیں کی بظاہر یہ دونوں سورتیں قرأت شاذہ غیر متواترہ کے قبیل سے ہیں اسی لئے صرف بعض مصاحف میں ہیں۔ مصحف عثمانی جو متواتر اور اجماعی ہے اس میں نہیں ہیں۔

خامس: قنوت نازلہ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام صلوات میں مشروع ہے اور حنفیہ کے یہاں اس میں تین قول ہیں: **في جميع الصلوات، في الصلوٰة الجهرية، في صلوٰة الفجر فقط، والراجح هو الاخير،** اور ابن قدامہ حنبلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، لیکن الروض المربع (فی فقہ الحنابلہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کی طرح ان کے یہاں بھی سب نمازوں میں مشروع ہے۔

بحمد اللہ مباحث خمسہ تو ہو گئے وتروں کے اندر مسنون دعاؤں میں سے جونسی چاہے دعاء پڑھ لے، مگر سب سے بہتر "اللھم انا نستعینک الخ" ہے کیونکہ اس کی سند سب سے قوی ہے۔ (الدر المنضود)

انہ لایذل من و الیت: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس بندہ کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو جاتا ہے اور اللہ اس کا حامی و کارساز بن جاتا ہے، تو پھر دنیا والے چاہے اس کو جتنا ذلیل کرنا چاہیں وہ ذلیل نہیں ہو سکتا، اور اگر کوئی مصیبت وقتی اس پر آپڑے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ہوا تو یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے جس کے ذریعہ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں یا یہ کہ جس کا اللہ تعالیٰ کارساز اور ولی بن گیا وہ آخرت میں ذلیل ورسوا نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۵۷)

وتر کا سلام پھیرنے کے بعد کی دعا

﴿۱۲۰۲﴾ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِی الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ یُطِیْلُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلنَّسَائِیِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰی عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ثَلٰثًا وَّیَرْفَعُ صَوْتَہٗ بِالثَّالِثَۃِ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۰۲/ ۱، باب فی الدعاء بعد الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۴۳۰۔ نسائی: ۱۹۱/ ۱، باب ذکر اختلاف الناقلین، کتاب قیام اللیل، حدیث نمبر:۱۶۹۸۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو یہ دعاء فرماتے "سبحان الملک الخ" سلطنتوں اور بادشاہوں کا مالک نہایت پاک ہے (ابوداؤد، نسائی) اور نسائی کی روایت میں "ثلث مرات" کے کلمات زائد ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ مذکورہ کلمات کہتے اور تیسری مرتبہ میں آواز کو دراز فرماتے اور نسائی کی ایک روایت "عن عبد الرحمٰن بن ابی ابزیٰ عن ابیہ" کی سند سے ہے اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو تین بار فرماتے "سبحان الملک القدوس الخ" اور تیسری مرتبہ میں یہ کلمات بلند آواز سے فرماتے تھے۔

تشریح: ان ا سلم الخ: معلوم ہوا کہ وتروں میں ایک ہی سلام ہے، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

سبحان الملک القدوس: قدوس کا مطلب یہ ہے جو تمام عیوب ونقائص سے پاک اور منزہ ہو۔ (طیبی: ۳/۱۵۶، مرقاۃ: ۲/۱۵۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد یہ دعاء مذکور پڑھتے تھے، اور بعض روایات میں یہ ہے کہ اس کو آپ تین مرتبہ پڑھتے تھے، پہلی اور دوسری بار آہستہ اور تیسری مرتبہ میں آواز کو بلند اور دراز کرتے تھے، اور بعض روایت میں کلمات مذکورہ کے بعد یہ بھی ہے "رب الملئکة والروح" اور ایک روایت میں بجائے "الملک القدوس" کے "سبحان ربی القدوس" وارد ہے۔ (الدر المنضود)

یرفع صوته بالثالثة: علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ذکر بالجہر کا جواز ثابت ہوتا ہے، بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے، جب کہ مقصد دین کا اظہار، ریا سے اجتناب، سامعین کو تعلیم اور غفلت سے بیداری اور جہاں تک آواز کی رسائی ہو وہاں ذکر کی برکت پہنچانا

مقصود ہو اور تا کہ ہر رطب ویابس اس کی آواز سن کر اس کیلئے گواہی دے سکے، بعض مشائخ نے اخفاء ذکر کو پسند کیا ہے اسلئے کہ یہ ریاء سے دور ہوتا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۱۵۸، طیبی:۳/۱۵۶)

وتر کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

﴿۱۲۰۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ آخِرِ وِتْرِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَااُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلىٰ نَفْسِكَ ـ (رواه ابوداؤد والترمذى والنسائى وابن ماجة)

حوالہ: ابو داؤد شريف: ۱/۲۰۲، باب القنوت فى الوتر، كتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۲۷۔ ترمذى شريف: ۲/۱۹۶، باب دعاء الوتر، كتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۶۶۔ نسائى: ۱/۱۹۵، باب الدعاء فى الوتر، كتاب قيام الليل، حدیث نمبر: ۱۷۴۶، ابن ماجه: ۱/۸۲، باب ما جاء فى القنوت، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۱۱۷۹۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر کے اخیر میں دعا فرماتے تھے "اللهم انى اعوذ برضاک الخ" اے اللہ میں آپ کی رضامندی کے واسطے سے آپ کے غضب وغصہ سے پناہ مانگتا ہوں، اور آپ کی عافیت کے واسطے سے آپ کے عذاب سے اور میں آپ کی ذات کے واسطے سے پناہ مانگتا ہوں آپ کے غضب سے، میں کما حقہ آپ کی تعریف نہیں کر سکتا، آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی تعریف کی ہے۔

تشریح: کان یقول فی آخر وترہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کس وقت پڑھتے تھے، اس میں متعدد اقوال منقول ہیں۔

(۱)...... یہ کہ یہ دعا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کا سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے۔

(۲)...... یہ ہے کہ جب نماز وتر سے فارغ ہو جاتے اور بستر پر تشریف فرما ہوتے اس وقت یہ دعاء پڑھتے۔

(۳)...... یہ ہے کہ تشہد میں پڑھتے تھے۔

(۴)...... یہ کہ وتر کی آخری رکعت میں قنوت کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔ (بذل المجہود: ۶/۱۱۴، مرقاۃ: ۲/۱۶۸)

علامہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات مشائخ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ قنوت میں کسی خاص دعاء کو متعین نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ دعاء کا مقصد الحاح وزاری وحق مجدہ سے انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی حاجات کا سوال کرنا ہوتا ہے، اور متعین دعاء جو زبانی یاد ہو، وہ زبان پر تو فوراً جاری ہو جاتی ہے، لیکن اس سے دعاء کا مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے، البتہ دوسرے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مقرر نہ کرنے کا حکم دوسری دعاؤں کے ساتھ ہے "**اللّٰھم انا نستعینک**" کے ساتھ نہیں یعنی اس کو مقرر ومتعین کرنا ممنوع نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اتفاق اسی دعاء کے پڑھنے کا تھا، اگر چہ اس دعاء کے علاوہ دوسری دعاء کا پڑھنا بھی جائز ہے اور جو شخص دعا قنوت نہ پڑھ سکے وہ "**ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار**" پڑھے اور فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ تین بار "**اللھم اغفرلی**" پڑھے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۰)

فی آخر وترہ: معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت نہیں ہے، چونکہ ایک کا آخر نہیں ہوتا، اور دو تو کسی بھی صورت میں وتر ہو ہی نہیں سکتے، پس معلوم ہوا کہ وتر تین رکعت ہیں نہ کہ ایک یا دو۔

﴿الفصل الثالث﴾

وتر کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل

﴿۱۲۰۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهٗ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهٗ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۵۳۱، ۲، باب معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر:۳۷۶۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا کہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے، کہ وہ صرف ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ان کا عمل ٹھیک ہے، بلاشبہ وہ فقیہ ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کے بعد وتر ایک رکعت پڑھی، اور ان کے پاس ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مولیٰ تھے، چنانچہ وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان کو

اطلاع دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات چھوڑ دو، وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے ہیں۔

تشــریح: اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی رکعت وتر کی نماز پڑھی جس سے دیکھنے والوں کے ذہن میں سوال ابھرا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رکعت کیوں پڑھی اس کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقیہ ومجتہد ہیں انھوں نے اپنے اجتہاد سے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہوگی، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کہ اگر مجتہد غلطی کرے اپنے اجتہاد میں تو بھی اس کو ایک ثواب ملتا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی کی تو بھی ان کو ثواب مل جائے گا، لہٰذا ان پر اعتراض نہ کیا جائے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایک رکعت وتر پڑھی وہ پہلی والی دوگانہ سے ملی ہوئی تھی، اور حقیقت میں آپؓ نے وتر کی تین ہی رکعات پڑھیں اور کسی وجہ سے عشاء کی سنت نہ پڑھی اور صرف وتر پر اکتفا کیا ہو یا یہ کہ وتر کی نماز عشاء کی سنتوں کے ساتھ پڑھ لی ہو اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول چونکہ وتر کی نماز تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا اس لئے دیکھنے والوں کو تہجد کی نماز ترک کرنا ظاہر ہوا جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کئے۔

فانہ قد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ہیں اور آپ کے ساتھ رہے ہیں اس لئے انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وتر کی ایک ہی رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا، اور دوسرے صحابہؓ نے نہ دیکھا اور صحابہ

کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب کے سب عادل ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں کرتے، لیکن یہ حدیث صریح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل دوسرے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں شاذ و منفرد ہے اس وجہ سے اس پر نکیر و اعتراض بھی کیا ہے، اسلئے یہ معمول بہ نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۰، طیبی: ۳/۱۵۸، التعلیق: ۲/۹۹)

فائدہ

فائدہ: (۱)...... ما اوتر الا بواحدۃ: معلوم ہوا ایک رکعت وتر پڑھنے کا دستور نہیں تھا، اگر دستور ہوتا تو سوال کی نوبت ہی کیوں آتی۔

فائدہ: (۲)...... فانہ قد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: معلوم ہوا یہ فقہ میں ان کے ساتھ نہ تھے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اپنا فقہ تھا، مگر اس کے مقابلہ میں اجماعی فقہ بڑھا ہوا تھا، اس کے باوجود وہ ان کے فقہ پر کچھ اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔

وتر کی نماز واجب ہے

﴿۱۲۰۵﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: أبوداؤد شریف: ۱/۲۰۱، باب فیمن لم یوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۱۹۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وتر واجب ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر واجب ہے جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر واجب ہے جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: الوتر حق: وتر ثابت ہے اور اس کا وجوب حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

فلیس منا: جو وتر نہ پڑھے وہ ہماری ملت میں سے نہیں ہے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور وعید فرمائی۔

یہ حدیث وجوب وتر پر حنفیہ کی دلیل ہے۔ (التعلیق: ۹۹، ۲/۱۰۰، مرقاۃ: ۲/۱۶۰)

فوت شدہ وتر کی قضاء کا حکم

﴿۱۲۰۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِیَہٗ فَلْیُصَلِّ اِذَا ذَکَرَ وَاِذَا اسْتَیْقَظَ۔ (رواہ الترمذی وابو داؤد ابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۰۶، باب ما جاء فی الرجل ینام عن الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۶۵۔ ابو داؤد شریف: ۱/۲۰۳، باب الدعاء بعد الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۳۱۔ ابن ماجہ: ۱/۸۳، باب من نام عن وتر، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۱۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے یا اس وقت پڑھ لے جب بیدا ہو۔

تشریح: جو عنوان وتر کا حدیث میں بیان کیا گیا ہے ایسا فرض نماز کے واسطے آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر فرض کے مشابہ ضرور ہے۔

فلیصل اذا ذکر: جب وتر کی نماز اپنے وقت کے اندر پڑھنے سے رہ جائے تو اس کی قضاء پڑھنے کا حکم ہے لیکن اس کا وقت کب تک ہے اس میں حضرات ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کی قضاء نماز فجر کے پڑھنے سے پہلے تک ہے، فجر کے بعد اس کی قضاء نہیں ہے، اور ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی ہمیشہ قضاء ہے، البتہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قضاء سنت ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قضاء واجب ہے۔ (اوجز المسالک: ۳۷۵،۳۷۶/۲، حاشیہ بذل المجہود: ۶/۱۲۷)

وتر کے وجوب پر سوال

﴿۱۲۰۷﴾ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ هُوَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رواه فى الموطأ)

حوالہ: موطأ امام مالک: ۴۳، باب الامر بالوتر، کتاب صلاۃ اللیل، حدیث نمبر: ۱۷

ترجمہ: حضرت ابن مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا وتر کی نماز واجب ہے؟ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا کہ وتر کی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، اور تمام مسلمان پڑھتے تھے، وہ شخص حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بار بار اپنا سوال دہراتا رہا، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی جواب دیتے رہے کہ وتر کی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور تمام مسلمانوں نے پڑھی۔

تشریح: قد اوتر الخ: اس وقت تک یہ اصطلاحات مقرر نہیں ہوئی تھیں، اگر وتر واجب نہ ہوتے تو کم از کم جواز کے واسطے آپ کبھی تو ان کو ضرور ترک فرماتے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ترک نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ وتر واجب ہی ہے۔

قد اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اوتر المسلمون: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سائل کے جواب میں وجوب وتر کو صراحتاً بتانے کے بجائے وہ اسلوب اختیار کیا جس میں مدلول کو بغیر ظاہر کئے صرف دلیل پر اکتفا کیا جاتا ہے، گویا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سائل سے نماز وتر کے واجب ہونے کو بتایا اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز وتر پر مواظبت اور اجماع مسلمین کو ذکر کیا اور مواظبت سے وجوب ثابت ہوتا ہے، تو گویا آپ نے کہا کہ نماز وتر واجب ہے، اور سائل کے بار بار صراحتاً حکم بیان کرنے کے اصرار کے باوجود بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے احتیاطی پہلو اختیار کرتے ہوئے صریح جواب اس لئے نہیں دیا کہ انہوں نے اس بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی نہیں سنا تھا، اور یہی احتیاطی پہلو اختیار کرنا ایسے مسائل میں حضرات صوفیاء کے نزدیک مختار و پسندیدہ

ہے کہ وہ ثابت شدہ فعل پر مواظبت کرتے ہیں اور اس کے فرض اور مندوب ہونے کے بارے میں بحث نہیں کرتے۔ (مرقاۃ:۲/۱۶۱)

وتر کی تین رکعتوں میں نو سورتیں پڑھنا

﴿۱۲۰۸﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلٰثِ سُوَرٍ آخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف:۱/۱۰۶، باب ما جاء فی الوتر بثلاث، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۴۶۰۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے، ان تین رکعات میں مفصلات میں سے نو سورتیں پڑھا کرتے تھے، ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے، ان نو سورتوں میں آخری سورت سورۃ الاخلاص ہوا کرتی تھی۔

تشریح: اس حدیث میں وتر کی تین رکعتوں میں نو سورتوں کے پڑھنے کا اجمالی ذکر ہے اس اجمال کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں **الھٰکم التکاثر** اور **انا انزلنا** اور **اذا زلزلت الارض** پڑھتے، دوسری رکعت میں **والعصر** **اذا جاء نصر اللہ** اور **انا اعطینک الکوثر** پڑھتے اور تیسری رکعت میں **قل یا یھا الکافرون** اور **تبت یدا ابی لھب** اور **قل ھو اللہ احد** پڑھتے تھے۔ (العرف الشذی علی الترمذی:۱/۱۰۶، باب ما جاء فی الوتر بثلاث، الدر المنصور)

نقض وتر کا بیان

﴿۱۲۰۹﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغَيِّمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَآى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔ (رواه مالك)

حوالہ: موطأ امام مالک: ۴۴، باب الامر بالوتر، کتاب صلاۃ اللیل، حدیث نمبر: ۱۹ .

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ مکرمہ میں مکہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا، اور آسمان ابر آلود تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ اندیشہ ہوا کہ صبح ہو جائے گی، لہٰذا انہوں نے ایک رکعت کے ذریعہ سے وتر پڑھ لی، ابر کھل گیا، چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ رات ابھی باقی ہے لہٰذا انہوں نے مزید پڑھ کر اس کو دوگانہ کر لیا، پھر دو دو رکعت کر کے نماز پڑھتے رہے، اور جب ان کو اس بات کا خدشہ ہوا کہ کہیں صبح نہ ہو جائے تو ایک رکعت کے ذریعہ وتر پڑھ لی۔

تشریح: نافعؒ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد رشید ہیں۔

فاوتر بواحدۃ: نماز میں ایک رکعت ملا کر وتر پڑھ لئے یعنی نماز ہی کی حالت میں آپ کو خیال ہوا کہ صبح صادق ہو جائے گی، اس لئے پہلی نماز میں ایک رکعت اور ملائی تا کہ وتر ہو جائے، مگر نماز ہی کی حالت میں پھر علم ہو گیا کہ ابھی رات باقی ہے، تو پھر ایک رکعت ملائی اور آخر میں پھر ایک رکعت ملا کر وتر پورے کر دئے۔

نقض وتر کا حکم

یہ ایک مشہور اور اختلافی مسئلہ ہے، ائمہ اربعہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ قرن اول میں اختلاف رہا ہے بعض صحابہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقض وتر کے قائل تھے اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلکہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو اس پر عمل بھی کرتے تھے، کما فی مسند احمد اور ائمہ حدیث میں سے اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہیں۔

مسئلہ نقض وتر کی توضیح

نقض وتر کا جو مسئلہ ہے اس کی بناء دو حدیثوں پر ہے (۱) ''اجعلوا آخر صلوٰتکم الخ، لاوتر ان فی لیلۃ'' اس کی توضیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی نماز رات کی تمام نمازوں میں سب سے اخیر میں پڑھو لہٰذا تہجد کے بعد پڑھو اب اگر کسی شخص نے بعد العشاء وتر پڑھ لئے اور بعد میں تہجد کے وقت بیدار ہوا تو اب یہ شخص کیا کرے، اگر تہجد کی نماز پڑھتا ہے تو حدیث اول کے خلاف ہوتا ہے اور اگر اس حدیث کی رعایت کرے تو تہجد سے محروم رہتا ہے، اور اگر یہ کرے کہ تہجد پڑھنے کے بعد حدیث اول کی رعایت میں اخیر میں دوبارہ وتر پڑھتا ہے تو حدیث دوم کے خلاف ہوتا ہے کہ ایک رات میں وتر دومرتبہ نہیں پڑھنے چاہئیں۔

تو اس مشکل کا حل بعض علماء نے یہ نکالا کہ نقض وتر کر دیا جائے یعنی شروع رات میں جو وتر کی نماز پڑھی تھی اس کو توڑ دیا جائے جس کی صورت یہ ہوگی کہ تہجد شروع کرنے سے قبل ایک رکعت نماز اس نیت سے پڑھے کہ اس کو میں وتر کی رکعات میں جو شروع شب میں پڑھی شامل کرتا ہوں، اب وہ سابق وتر کی نماز بجائے وتر ہونے کے شفع ہوگئی (یہی مطلب ہے

نقض وتر کا) اس کے بعد اب یہ شخص آرام سے تہجد کی نماز پڑھ لے اور پھر اخیر میں تہجد کے بعد وتر بھی پڑھ لے، اس صورت میں تہجد سے بھی محروم نہ رہا اور ان دونوں حدیثوں کے بھی خلاف نہیں ہوا، اسحٰق بن راہو یہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں اور مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا کرلیا کرتے تھے۔

جمہور کی دلیل: ائمہ اربعہ اور جمہور جو نقض وتر کے قائل نہیں ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے اختیار میں یہ کہاں ہے کہ وہ سابق وتر کو توڑ سکے وہ تو آسمان پر بھی پہونچ گئے **"الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ"** لہٰذا اگر وہ شکل اختیار کرے گا جو قائلین نقض کہتے ہیں، تو سابق وتر بھی باقی رہیں گے اور یہ ایک رکعت جو درمیان میں پڑھی ہے یہ دوسرا وتر ہو جائے گا، اور پھر تہجد کے بعد جو وتر پڑھے گا، وہ تیسرا وتر ہو جائے گا، اور یہ چیز خلاف مقصود ہے حدیث میں تو دو وتر پڑھنے کی ممانعت ہے، اور یہاں اس صورت میں تین ہورہے ہیں غرض کہ حدیث اول کے بھی خلاف ہوا اور حدیث دوم کے بھی، **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں **"اجعلوا آخر صلوٰتکم وترا"** میں امر صرف استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں، لہٰذا اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھ لئے تھے اور پھر بعد میں تہجد کے وقت بیدار ہوا تو وہ بلا تکلف تہجد کی نماز پڑھ لے اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ (نقض وتر وغیرہ) (الدر المنضود، مرقات: ۲/۱۶۱، التعلیق: ۲/۱۰۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

﴿۱۲۱۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ

جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُمَا يَكُوْنُ ثَلٰثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ آيَةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

رواہ مسلم۔

حوالہ: مسلم شریف: ۲۵۲/ ۱، باب جواز النافلة قائما وقاعداً، كتاب المسافرين، حدیث نمبر:۷۳۱۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی قراءت فرماتے، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس یا چالیس آیات کے بقدر قراءت باقی رہ جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے، اور پھر بقیہ قراءت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ہی فرماتے، پھر رکوع فرماتے، پھر سجدہ فرماتے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے۔

تشـــریـــح: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ضعیف ہو گئے تو اپنی آخری حیات میں بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے لگے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز میں قرأت بہت طویل فرماتے تھے اس لئے بیٹھے ہوئے ہی قرأت فرماتے تھے پھر حب تیس یا چالیس آیتوں کے بقدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت باقی رہ جاتی تو کھڑے ہو جاتے اور بقیہ قرأت کھڑے ہو کر ہی کرتے پھر رکوع کرتے اور پھر سجدہ میں جاتے اور پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے۔

حدیث میں بیٹھ کر نماز شروع کرنے کے بعد جو صورت مذکور ہے اس طریقہ پر نماز مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں یہ صورت بالاتفاق بلا کراہت درست ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۶۲)

وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم

﴿۱۲۱۱﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُصَلِّی بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَیْنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ خَفِیْفَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۰۸/۱، باب ما جاء لاوتر ان فی لیلة، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۷۱۔ ابن ماجه: ۸۳، باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۱۱۹۵۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، (ترمذی) ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "خفیفتین وھو جالس" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ دو رکعتیں ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی معمول تو یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخیر میں وتر پڑھتے تھے، وتر کے بعد رات میں کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے، لیکن بیان جواز کے لئے کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھی ہیں اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کے ثبوت کا امام مالکؒ انکار کرتے ہیں امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ سے اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں امام احمدؒ فرماتے ہیں نہ میں یہ نفلیں پڑھتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، متاخرین احناف نے وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ثبوت تسلیم کیا ہے، لیکن یہ سب بحث اس وقت ہے جب کوئی اخیر رات میں وتر پڑھے، اور اگر کوئی عشاء کے فوراً بعد وتر پڑھ کر سوتا ہے تو اس کے لئے وتر کے بعد نوافل پڑھنے میں اتفاق ہے۔

بیٹھ کر قراءت فرمانے کا ذکر

﴿۱۲۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه: ۸۳، باب ما جاء في الركعتين بعد الوتر جالساً، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۱۱۹۶۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت کے ذریعہ سے وتر پڑھتے تھے، پھر دو رکعت نفل پڑھتے تھے، قراءت اس میں بیٹھ کر فرماتے تھے، پھر جب رکوع فرمانے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو کر رکوع فرماتے۔

تشریح: اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وتر کے بعد بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نفل پڑھتے تھے، لہٰذا اس کا انکار بہت سی احادیث کا انکار کہلائے گا۔

یوتر بواحدة الخ: یعنی ماقبل کے شفعہ میں ایک رکعت ملا کر تین رکعت وتر کی بناتے تھے۔

وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی فضیلت

﴿۱۲۱۳﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ ھٰذَا السَّھَرَ جُھْدٌ وَثِقَلٌ فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ وَاِلَّا کَانَتَالَہٗ۔ (رواہ الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۱/۴۵۲، باب فی الرکعتین بعد الوتر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۵۹۴۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ بیداری بہت مشکل اور دشوار کام ہے، لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص وتر پڑھے تو اس کو چاہئے کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لے، پھر اگر وہ رات میں بیدار ہو کر تہجد پڑھتا ہے، تو بہت بہتر، اور اگر نہیں بیدار ہوتا ہے تو وہ دو رکعتیں اس کے لئے کافی ہونگی۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سب سے بہتر اور بہت زیادہ ثواب حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ نمازی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سو جائے اور اخیر شب میں تہجد کے بعد وتر پڑھے، لیکن کوئی اخیر شب میں بیدار نہیں ہو سکتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے بہت سہل نسخہ بتایا کہ اول شب میں ہی وتر کے بعد مزید دو رکعت نفل پڑھ لے، اگر تہجد کے لئے اٹھا تو بہت بہتر بات ہے ورنہ یہ دو رکعت تہجد کے قائم مقام ہوگی، ان کے ذریعہ اس کو تہجد کا بنیادی ثواب جو نماز تہجد کم سے کم دو رکعت پڑھنے پر ملتا ہے، اس کو مل جائے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۲)

وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

﴿۱۲۱۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند أحمد: ۵/۲۶۰.

ترجمه: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور ان میں " اذا زلزلت" اور"قل یاایها الکافرون" کی قراءت فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے، اور بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور یہ بیٹھ کر پڑھنا اتفاقی امر نہ تھا، بلکہ بالقصد تھا تا کہ وتر کا آخری نماز ہونا متأثر نہ ہو، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا بے شک بیٹھ کر نماز پڑھنے سے ثواب آدھا ملتا ہے، لیکن اگر کوئی اتباع رسول کی نیت سے بیٹھ کر پڑھے تو اس کو دو ثواب ملیں گے، (۱) نفوں کا آدھا ثواب۔ (۲) اور اتباع سنت کا علحدہ ثواب، اور ممکن ہے کہ نفل اور اتباع رسول کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے ثواب سے زیادہ ہو جائے، ان دونوں رکعتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الزلزال اور سورۃ الکافرون کی تلاوت فرماتے تھے۔

دوسری روایات میں ان دو رکعتوں میں "قل یا ایها الکافرون" اور "قل هو الله احد" پڑھنا بھی ثابت ہے۔

۸۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القنوت

رقم الحدیث:...... ۱۲۱۵/ تا ۱۲۲۰/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب القنوت﴾

قنوت کی تعریف واقسام: لغوی اعتبار سے دعاء، قیام، سکوت، تواضع، طول القیام، وغیرہ کے معنی میں آتا ہے، مگر یہاں اس سے مراد نماز میں مخصوص دعاء پڑھنا ہے، دوسری نمازوں میں جو دعائیں ہیں وہ بھی اس کے مصداق میں داخل ہیں۔

قنوت کی دو قسم ہیں قنوت وتر جو وتر میں پڑھی جاتی ہے دوسری قنوت نازلہ جو کسی مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے، قنوت وتر میں تین مسئلے مختلف فیہا ہیں۔

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ قنوت وتر پورے سال مشروع ہے یا صرف رمضان کے نصف آخر میں؟

امام شافعی واحمد کا مذہب: امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف آخر میں پڑھی جائے گی،

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک صرف پورے رمضان میں پڑھی جائے گی۔

احناف کا مذہب: احناف کے نزدیک پورے سال قنوت پڑھی جائے گی، کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل: شوافع وحنابلہ کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے کہ "ان عمر جمع الناس علی ابی بن کعب، ولا یقنت بهم الا فی النصف

الباقی (من رمضان) وفی روایة ان ابی بن کعب امهم یعنی فی رمضان وکــان یــقــنــت فــی الــنــصف الآخر مــن رمــضــان" (ابوداؤد شریف: ۲۰۲/۱، باب القنوت فی الوتر) نیز ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے کہ وہ رمضان کے صرف نصف اخیر میں پڑھتے تھے۔ (ترمذی: ۱۰۶/۱، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر)

احــنــاف کــی دلیــل: احناف کی دلیل حسن بن علی کی حدیث ترمذی میں ہے کہ "علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کلمات اقولهن فی الوتر الخ" (ترمذی: ۱۰۶/۱، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر) اس میں رمضان وغیر رمضان کی قید نہیں تو معلوم ہوا کہ پورے سال پڑھی جائے گی۔

دوسری دلیل: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "انهم قالوا رأینا صلوٰة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فقنت قبل الرکوع" یہاں بھی کسی زمانہ کی تخصیص نہیں ہے۔

تیسری دلیل: حضرت ابن مسعود کا اثر ہے "انــه کــان یــقــنــت فی السنة کلها (مجمع الزوائد: ۵۰۷/۱، باب القنوت فی الوتر) نیز جہاں بھی قنوت کا ذکر آیا ہے وہاں کــان یــقــنــت کے الفاظ ہیں جو استمرار پر دال ہیں، نیز قیاس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ پورے سال پڑھی جائے، کیونکہ جب وتر پورے سال ہے اور جمیع ارکان وادعیہ بھی پورے سال ہیں تو اس کی قنوت بھی پورے سال ہوگی، کسی زمانہ کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

شــوافــع وحــنــابلہ کــے دلائل کاجواب: شوافع حضرات نے حضرت ابی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں قنوت سے طول قیام مراد ہے کہ عام زمانہ کی بنسبت رمضان کے اخر میں قیام لمبا ہوتا تھا۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع؟

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب: شافعیہ اور حنابلہ بعد الرکوع کے قائل ہیں۔

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ قبل الرکوع کے قائل ہیں یہی امام مالک کا مذہب ہے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل: شوافع وحنابلہ استدلال پیش کرتے ہیں، سوید بن غفلہ کی حدیث سے "**قال سمعت ابابکر وعمر وعثمان وعلیا یقولون قنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی آخر الوتر**" **(رواہ الدار القطنی)** بعد الرکوع ہی آخر وتر ہے۔(دار قطنی:۲۱/۲، کتاب الوتر)

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے مستدرک حاکم میں "**علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اقولھن فی الوتر اذا رفعت رأسی ولم یبق الا السجود اللھم اھدنی الخ**۔(اعلاء السنن:۶/۷۴، ابواب الوتر)

تیسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے ترمذی میں "**کان یقنت بعد الرکوع. (ترمذی شریف:۱/۱۰۶، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر)**

امام ابو حنیفہ کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے طبرانی میں جس میں یہ الفاظ ہیں "**ویجعل القنوت قبل الرکوع** ۔نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسی روایت ہے۔(اعلاء السنن:۶/۷۴، ابواب الوتر)

دوسری دلیل: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے تمہید الخطیب میں "**قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت فی الوتر قبل الرکوع**۔

تیسری دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ابن ماجہ میں "انه علیه السلام کان یوتر فیقنت قبل الرکوع. (ابن ماجه شریف: ۸۳، باب ما جاء فی القنوت قبل الرکوع)

چوتھی دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا یقنتون فی الوتر قبل الرکوع ۔(مصنف ابن ابی شیبه: ۵۲۱/ ۴، فی القنوت قبل الرکوع اوبعده) اس کی علاوہ اور بہت سے دلائل ہیں۔

شوافع وحنابلہ کے دلائل کاجواب: شوافع وحنابلہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں آخر وتر سے مراد تیسری رکعت ہے باقی قبل الرکوع یا بعد الرکوع ہے اس کا ذکر وہاں نہیں ہے۔وہ دوسری روایات میں مذکور ہے، دوسری اور تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس قنوت سے دعامراد نہیں بلکہ طول قیام مراد ہے یا اس سے قنوت نازلہ مراد ہے اور قنوت نازلہ میں ہم بھی بعد الرکوع کے قائل ہیں۔

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ کونسی دعا پڑھنی چاہئے ،تو شوافع کے نزدیک "اللهم اهدنی فیمن هدیت الخ" پڑھنا افضل ہے۔

احناف کے نزدیک "اللهم انا نستعینک الخ" پڑھنا افضل ہے۔

فریقین کے نزدیک دونوں میں سے جونسی دعا پڑھ لی جائے ادا ہو جائے گا،لہٰذا دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ہمارے احناف نے "انا نستعینک الخ" کو اس لئے ترجیح دی کہ وہ اشبہ بالقرآن ہے، حتی کہ علامہ سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ یہ قنوت جو حنفیہ پڑھتے ہیں قرآن کریم کی دو مستقل سورتیں تھیں جن کا نام "سورۂ خلع و حفد" تھا، پھر ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی، لیکن دعاءِ قنوت میں لکھ لیا گیا، اس لئے احناف نے اس کے مستقل

احکام وآداب لکھے کہ جنبی اور حیض ونفاس والی نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

صاحب بحر علامہ، ابن نجیم، اور علامہ ابن الہمام کی رائے یہ ہے کہ دونوں دعا کو جمع کر لیا جائے تو بہتر ہے اور ہمارے امام محمدؒ کہتے ہیں کہ دعاء قنوت کے لئے کوئی مخصوص دعا نہیں ہے جونسی چاہے پڑھ لے بشرطیکہ کلام الناس کے مشابہ نہ ہو۔

دوسری قنوت نازلہ ہے

امام شافعیؒ وامام مالکؒ کا مذہب: اس کے بارے میں امام شافعیؒ ومالکؒ کے نزدیک فجر میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد پورے سال قنوت نازلہ پڑھا جائے گا۔

حنابلہ واحناف کا مذہب: حنابلہ واحناف کے کے نزدیک تمام سال قنوت نازلہ نہیں ہے بلکہ جب مسلمانوں پر کوئی عام مصیبت نازل ہو تو پھر قنوت فجر میں پڑھا جائے گا، پھر یہاں حنفیہ کی تین روایات ہیں:

(۱)......ایک روایت یہ ہے کہ صرف فجر میں پڑھا جائیگا۔

(۲)......دوسری روایت یہ ہے کہ صلوٰۃ جہریہ میں میں پڑھا جائے گا۔

(۳)......تیسری روایت میں یہ ہے کہ سب نمازوں میں پڑھا جائے گا۔

تو ان تینوں روایات میں تطبیق یوں ہے کہ اگر مصیبت بہت زیادہ ہے تو تمام نمازوں میں پڑھا جائے، اور اگر اس سے کم ہو تو صرف جہری نمازوں میں پڑھا جائے، اور اگر بہت خفیف مصیبت ہو تو صرف فجر میں پڑھا جائے۔

شوافع کی دلیل: شوافع نے دلیل پیش کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "**کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حین یفرغ من**

صلوٰۃ الفجر من القرأۃ ویکبر ویرفع رأسہ الیٰ ما قال اللھم انج الولید بن الولید الخ" (مسلم شریف: ۲۳۷/۱، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ)

دوسری دلیل: براء بن عازبؓ کی حدیث ہے ابوداؤد میں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقنت فی صلوٰۃ الصبح" (ابوداؤد شریف: ۲۰۴/۱، باب القنوت فی الصلوات)

امام ابو حنیفہؒ واحمدؒ کی دلیل: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے طحاوی: ۱۷۵، باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر، میں ومسند بزار میں "قال لم یقنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الفجر الا شھرا ثم ترکہ.

دوسری دلیل: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "فی کتاب الخطیب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لایقنت فی الفجر الا اذا دعا لقوم او دعا علیھم" (التعلیق: ۱۰۲/۲)

تیسری دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے مستدرک حاکم میں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایقنت فی صلوٰۃ الصبح الا ان یدعوا لقوم او علیٰ قوم" (التعلیق: ۱۰۲/۲)

چوتھی دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "لم یقنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصبح الا شھراً" نیز اسی ابن ابی شیبہ میں ہے "ان ابابکر وعمر وعثمان کانوا لایقنتون فی الفجر" التعلیق: ۱۰۲/۲)

ان تمام روایات سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ فجر میں قنوت پر مداومت نہیں تھی، بلکہ کسی کے لئے یا کسی پر دعا کرنے کا ارادہ ہوتا تب پڑھتے۔

شوافع وغیرہ کی دلیل کا جواب: انہوں نے جتنی حدیثیں پیش کیں ان سے صرف قنوت پڑھنا ثابت ہو رہا ہے مداومت ثابت نہیں ہوتی. **فلا یستدل بھا.**

(درس مشکوۃ، تفصیل ملاحظہ ہو اعلاء السنن: ۶/۷۴، ابواب الوتر، معارف السنن: ۴/۱۸، نفحات التنقیح: ۴۶۵، التعلیق: ۱۰۱، ۲/۱۰۲ میں بھی تفصیل موجود ہے)

﴿الفصل الاول﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا

﴿۱۲۱۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَدْعُوَ عَلیٰ اَحَدٍ اَوْ یَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلیٰ مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ یَجْهَرُ بِذٰلِکَ وَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِاَحْیَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰهُ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَلْاٰیَةَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۶۵۵، باب لیس لک من الامر شی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۵۹۰۔ مسلم شریف: ۱/۲۳۷، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۷۵۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو بددعا دیتے یا کسی کے لئے دعا فرماتے تو رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے تھے، چنانچہ بعض اوقات "**سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد**" کہنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے، **اللھم انج الولید الخ**" اے اللہ ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما اے اللہ قوم مضر پر تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو قحط کی صورت میں ان پر مسلط کر، ایسا قحط جو حضرت یوسف علیہ السلام کے قحط کے مانند ہو، یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند فرماتے تھے اور کسی نماز میں عرب کے بعض قبائل کے لئے اس طرح بددعا فرماتے تھے، "**اللھم العن فلانا فلانا**" اے اللہ تو لعنت کر فلاں اور فلاں پر یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**لیس لک من الامر شی الخ**" یعنی اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دخل نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دعا قنوت کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ دعا نازلہ کا بیان ہے، ہنگامی طور پر جب کبھی کوئی حادثہ پیش آجائے یا کچھ شکست وغیرہ کے آثار دکھائی دیں تو ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں پڑھی ہیں، ان کے بارے میں مذاہب مختلف ہیں۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ شدت کے موقع پر قنوت نازلہ کی ایک ماہ تک اجازت ہے مگر اس سے زیادہ پڑھنا کراہیت سے خالی نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک اس کا پڑھنا منقول نہیں ہے، حالانکہ اس وقت شدتوں اور سختیوں کا زمانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے کافروں اور حربیوں کا سخت خطرہ رہتا تھا۔

پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ سے زائد قنوت نازلہ نہیں پڑھی۔

اسلئے ایک ماہ تک پڑھ کر چھوڑ دے اگر حالات سازگار نہ ہوں تو پھر شروع کر دے، مگر متواتر ایک ماہ سے زیادہ نہ پڑھے۔

دوسرے حضرات ائمہ کے نزدیک سال کے سال تک درست ہے۔

اللهم انج الولید بن الولید: وہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو مشرکین مکہ کی قید و بند اور ظلم کی چکی میں پس رہے تھے ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات پانے کی دعا فرمائی اور جن دشمن وظالم قبائل جیسے مضر وغیرہ، جن کی ظالمانہ اور وحشیانہ کارنیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیتوں کا سامنا تھا ان ظالموں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی، جن حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں دعا فرمائی ان میں ولید بن ولید، مسلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ بھی تھے۔

ولید بن ولید: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے غزوہ بدر میں گرفتار ہو گئے تھے تو ان کے بھائیوں نے فدیہ دے کر ان کو رہا کرایا، جب فدیہ دے کر رہا ہوئے تب اسلام قبول کیا جب ان سے کہا گیا کہ فدیہ دینے سے پہلے کیوں اسلام قبول نہیں کیا تو فرمایا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوا کہ لوگ میرے بارے میں یہ گمان کریں کہ میں نے ڈر کر اسلام قبول کرلیا ہے، چنانچہ اسلام لانے کی وجہ سے ان کو مکہ میں قید کردیا گیا اور طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قید سے رہا ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے۔

سلمہ بن ھشام: ابوجہل کے بھائی تھے ابتدائے اسلام ہی میں ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے، ایمان لانے کے بعد ان کو بہت زیادہ ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یہ وحدانیت پر قائم رہے کافروں نے ان کو بھی قید کر رکھا تھا اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے سے روک دیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے یہ بھی قید و بند کی زندگی سے آزاد ہوئے، اور مدینہ طیبہ حاضر خدمت ہوئے۔

عیاش بن ربیعہ: یہ بھی ابوجہل کے اخیافی بھائی تھے، اور ابتدائے اسلام میں ہی اسلام میں داخل ہوگئے تھے، ابوجہل نے ان کو مکہ مکرمہ میں قید کر رکھا تھا، اور طرح طرح کی ایذائیں اور مصیبتیں پہنچاتا تھا، لیکن یہ اسلام پر جمے رہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رہائی ونجات کے لئے دعا فرمائی، چنانچہ یہ بھی قید سے رہا ہوگئے۔(مرقاۃ:۱۶۳/۲)

لیس لک من الامر شئ: مشرکین کی وحشیانہ کاروائیوں اور ظلم وستم کو دیکھ کر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار کے لئے بددعا فرمائی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تو بڑا اونچا تھا، اور آپ رحمۃ للعالمین تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بددعا کرنے سے منع فرمادیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان یہ حکم فرمایا کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہیں اور صبر وعفو درگذر کا معاملہ کریں، اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں اگر وہ چاہے تو ان کو ہدایت دے کر اسلام کے آغوش میں داخل کردے، اور اگر چاہے تو ان کو موت دے کر ان پر سخت عذاب نازل کرے لہٰذا آپ اپنی طرف سے ان کے بارے میں کچھ بھی بددعا نہ کریں۔(مرقاۃ:۱۶۴/۲، طیبی:۱۶۲/۳، التعلیق:۱۰۳/۲)

قنوت قبل الرکوع

﴿۱۲۱۶﴾ وَعَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الصَّلٰوةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهٗ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا

فَأُصِيبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا عَلَيْهِمْ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۳۶/ ۱، باب القنوت قبل الركوع الخ، كتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۰۰۲۔مسلم شریف:۲۳۷/ ۱، باب استحباب القنوت فی جميع الصلاة، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث نمبر:۶۷۷۔

ترجمہ: حضرت عاصم الاحولؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز میں قنوت پڑھنے کے بارے میں سوال کیا کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جاتا تھا یا رکوع کے بعد، انہوں نے جواب دیا، رکوع سے پہلے، اصل بات یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ قنوت پڑھا، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہؓ کو جو قراء کہلاتے تھے وہ ستر حضرات تھے بھیجا (قرآن سکھانے کے لئے) اور وہ سب شہید کر دیئے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت پڑھا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قاتلوں کے لئے بددعاء فرمائی۔

تشریح: حضرت عاصم الاحولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے قنوت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا قبل الرکوع آپ کی قنوت ہوتی تھی (جو حنفیہ کی دلیل ہے کہ قنوت کا وتر سے پہلے پڑھنا مشروع ہے) ظاہر ہے کہ یہ سوال قنوت نازلہ کے بارے میں نہیں تھا، اور فرمایا کہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہوتی تھی۔

جس وقت ستر قراء شہید ہو گئے تھے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۴)

فاصیبوا: وہ شہید کر دئے گئے۔

واقعہ بیر معونہ

یہ اس عظیم واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو تاریخ میں سانحۂ بیر معونہ کے نام سے مشہور معروف ہے اس واقعہ کی قدر رے تفصیل یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عامر کے سردار عامر بن مالک کے مطالبہ پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جن کو اہل صفہ کہا جاتا تھا، جن کا مشغلہ قرآن کو سیکھنا اور سکھانا تھا اور ان کا مسکن وجائے قیام بھی صفہ تھا جب کبھی مسلمانوں پر کوئی آفت نازل ہوتی تو مسلمانوں کے ساتھ نہایت بے جگری اور بہادری کے ساتھ ملکر جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ان میں سے بعض دن میں لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر اہل صفہ کے لئے کھانے کا انتظام کرتے، یہ غریب، مسکین زاہد، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف تبلیغ دین کی اشاعت کے لئے بھیج دیا جب یہ حضرات بیر معونہ پہنچے جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان بلد ھذیل میں ایک جگہ ہے پر پہنچے تو عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے علاقہ میں جا کر ان کے قبائل اور قارہ کو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف مشتعل کیا اور مدد کے لئے پکارا!، چنانچہ ان قبائل نے ملکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گھیر لیا اور حملہ کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن چاروں طرف سے گھرنے کی وجہ سے سبھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شہید ہو گئے، اور کوئی بھی نہ بچ سکا سوائے حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جن کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور ان میں تھوڑی سی جان تھی جن کو اٹھا کر لایا گیا اور وہ زندہ رہے غزوہ خندق میں شہید ہوئے اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم نہیں ملا ان کو فرشتوں نے دفن کر دیا تھا یہ ۴ھ کا واقعہ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتنی بڑی جماعت جو کہ حافظ قرآن تھے کی

شہادت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی غم ہوا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اتنا غمگین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی کے لئے نہیں دیکھا جتنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے غمگین دیکھا، اس صدمہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے خلاف مسلسل ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۴، التعلیق: ۲/۱۰۳)

﴿الفصل الثانی﴾

قنوت نازلہ ایک ماہ

﴿۱۲۱۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعاً فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَصَلوٰةِ الصُّبْحِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ يَدْعُوْ عَلٰى أَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ عَلٰى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۰۴، باب القنوت فی الصلاۃ، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۴۴۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ مکمل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں قنوت پڑھا جب آخری رکعت میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ چکتے تو بنو سلیم رعل، ذکوان اور

عصیہ قبائل پر بد دعا کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لوگ ''آمین'' کہتے۔

تشریح: یہ حدیث حدیث نادرہ کہلاتی ہے پانچوں وقت کی نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا حدیث نادرہ سے ثابت ہے۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام اوقات میں فرض نمازوں میں قنوت مشروع نہیں، بلکہ فرض نماز میں قنوت اس وقت مشروع ہے جب مسلمانوں پر کوئی عام مصیبت نازل ہو جائے، مثلاً قحط ہو جائے یا دشمن کا غلبہ ہو جائے، یا اس کے علاوہ کوئی مصیبت آجائے۔(مرقاۃ:۳/۱۸۱)

فائدہ: رعل، ذکوان، عصیہ، یہ بنی سلیم کے قبیلے ہیں۔

ایضاً

﴿۱۲۱۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَھْرًا ثُمَّ تَرَکَہٗ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۲۰۴، باب القنوت فی الصلاۃ، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۴۴۵۔ نسائی: ۱/۱۲۲، باب ترک القنوت، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۰۷۸۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت پڑھا پھر اس کا پڑھنا چھوڑ دیا۔

تشریح: ستر قراء صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دھوکہ سے قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قاتلوں کے لئے ایک مہینہ تک فرض نماز میں قنوت پڑھ کر

بددعا فرمائی پھر جب آیت کریمہ "لیس لک من الامر شیء الخ" نازل ہوئی تو پھر ترک فرمادیا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بہت بلند تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام تھی اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ بددعا کریں، اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بددناء کرنے میں حق پر تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگ، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے ہدایت پاکر آپ کے غلام ہوگئے۔

فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا ثابت نہیں ہے

﴿۱۲۱۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ اَكَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجه)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۹۱، باب ما جاء فی ترک القنوت، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۰۲۔ نسائی شریف: ۱/۱۲۲، باب ترک القنوت، کتاب التطبیق، حدیث نمبر:۱۰۷۹۔ ابن ماجه:۸۷، باب ما جاء فی القنوت فی صلاۃ الفجر، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۲۴۱۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشجعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا" کہ ابا جان! آپ نے بلاشبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے اور یہاں

کوفہ میں تقریباً پانچ سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے "حضرت ابو مالکؒ کے والد نے جواب دیا اے میرے بیٹے یہ نئی بات ہے۔

تشریح: بالکوفۃ : کا تعلق صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہے کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہاں تشریف ہی نہیں لے گئے تھے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں دار الخلافہ منتقل کیا تھا۔

من خمس سنین: کا تعلق بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ہے۔

محدث : سے مراد بدعت ہے، یعنی قنوت نازلہ قنوت وتر مراد نہیں ہے۔

تمام احادیث کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قنوت نازلہ ایک ماہ تک تو سنت سے ثابت ہے، لیکن اس سے زائد بدعت اور محدث ہے جو ہرگز جائز نہیں۔

لہٰذا اب جو لوگ فجر کی نماز میں یا دوسری نمازوں میں پابندی کے ساتھ ہمیشہ پڑھتے ہیں تو یہ نئی بات یعنی بدعت ہے۔ جس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نہیں پڑھا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۴، التعلیق: ۲/۱۰۴)

﴿الفصل الثالث﴾

رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنے کا ذکر

﴿۱۲۲۰﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِيْنَ

لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَيٌّ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَسُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۰۲/۱، باب القنوت فی الوتر، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۴۲۹۔ ابن ماجہ: ۸۳، باب ما جاء فی القنوت قبل الرکوع وبعدہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۱۸۳۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جمع کیا، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس راتوں تک ان کو تراویح کی نماز پڑھاتے تھے اور قنوت صرف نصف اخیر میں پڑھتے تھے، جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو وہ الگ ہو جاتے اور اپنے گھر میں نماز پڑھتے، لوگ کہتے کہ ابی بن کعب بھاگ گئے (ابوداود) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قنوت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت رکوع کے بعد پڑھتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد پڑھتے تھے۔

تشریح: ولا یقنت الخ: شوافع کے نزدیک وتر میں قنوت صرف رمضان کے نصف اخیر میں مشروع ہے، چنانچہ یہ حدیث شوافع کی مستدل ہے۔

فکانوا یقولون ابق: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری عشرہ میں تراویح کی نماز گھر پر پڑھنا اور مسجد میں آنے سے گریز کرنا اتنا ناگوار گذرا کہ انہوں نے اپنی کراہیت کا اظہار کرنے کے

لئے عبد ابق یعنی بھگوڑے غلام سے تشبیہ دی اسلئے لفظ ابق کا استعمال کیا۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امامت چھوڑ کر تر اویح اپنے گھر میں ادا کرنا اس وجہ سے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تر اویح کی نماز قوم کو پڑھا کر پھر تخلف فرمایا۔

اور زیادہ بہتر ہے کہ آپؓ کے تخلف کو عذر پر محمول کیا جائے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپؓ کو عذر یہ تھا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت میں بیٹھ کر عبادت کرنا بہت زیادہ موثر ہے آپ اسی لئے خلوت فرماتے تھے، تاکہ خلوت میں عبادت کر کے درجہ کمال تک رسائی حاصل کر سکیں جو جلوت میں لوگوں کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۷، التعلیق: ۲/۱۰۴)

شوافع اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ قنوت کا پڑھنا رکوع کے بعد مشروع ہے۔

علامہ ابن ھمامؒ فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مہینہ بھر فجر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھا ہے، اور دلیل حضرت عاصم الاحولؒ کی حدیث ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل رکوع سے پہلے وتر پڑھنے کا تھا اور رکوع سے پہلے کی روایات بھی زیادہ ہیں اسلئے ترجیح اسی کو ہوگی۔

دوسرے یہ کہ جن احادیث میں بعد الرکوع قنوت پڑھنے کی صراحت ہے وہاں قنوت نازلہ مراد ہے جو آفت ناگہانی کے وقت پڑھی جاتی ہے، چنانچہ حنفیہ بھی قنوت نازلہ کو رکوع کے بعد پڑھنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب قیام شھر رمضان

رقم الحدیث:...... ۱۲۲۱ تا ۱۲۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب قیام شھر رمضان﴾

ماہ رمضان میں قیام کا بیان

اس باب میں اس قیام اور نماز کے متعلق احادیث پیش کی جائیں گیں جو رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے، قیام رمضان کو "تراویح" بھی کہہ دیتے ہیں، تراویح ترویحہ کی جمع ہے ترویحہ مصدر ہے بمعنی استراحت چونکہ ہر چار رکعت کے بعد استراحت ہوتی ہے اس لئے اس نماز کو تراویح کہہ دیتے ہیں، قیام رمضان اور تراویح کے متعلق اہم امور فوائد کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

فوائد

فائدہ: تراویح اور تہجد میں فرق (۱) ......تراویح اور قیام رمضان عام صلوٰۃ اللیل اور تہجد سے الگ مستقل نماز ہے یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں، دونوں کے الگ الگ نماز ہونے کے کافی قرائن موجود ہیں، چند حسب ذیل ہیں۔

(۱)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہاء و محدثین امت کے کلام میں اس نماز کی اضافت رمضان کی طرف کی گئی ہے، مثلاً سنن نسائی: ۲/۲۳۹، باب من قام

رمضان الخ، کتاب الصوم، میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ان اللہ تعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسنت لکم قیامہ (الحدیث) اسی طرح صحیح مسلم: ۲۵۹/۱، باب الترغیب فی قیام رمضان، کتاب الصلوٰۃ، میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرغب فی قیام رمضان من غیر ان یأمرھم بعزیمۃ. (الحدیث) اسی طرح فقہاء ومحدثین امت کے کلام میں اس نماز کی اضافت رمضان کی طرف اس کثرت سے ملتی ہے کہ شمار نہیں کیا جا سکتا اور اس نماز کی اس مہینہ کی طرف اضافت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز اس مہینہ کے ساتھ خاص ہے، جیسے صلوٰۃ اللیل میں صلوٰۃ کی اضافت لیل کی طرف کی گئی ہے، اس کا مطلب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ اللیل ایسی نماز ہے جو رات کو پڑھی جاتی ہے، یہ نماز رات کے ساتھ خاص ہے، اگر دن کو کوئی شخص نفل پڑھتا رہے تو اس کو صلوٰۃ اللیل ہرگز نہیں کہہ سکتے، اسی طرح "قیام رمضان" کا مطلب ہوگا ایسا قیام اور ایسی نماز جو رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے، غیر رمضان میں پڑھی جانے والی نماز "قیام رمضان" میں شامل نہیں ہوگی، قیام رمضان میں صرف وہی نماز آئے گی جو رمضان کے ساتھ خاص ہو اور صلوٰۃ اللیل وتہجد رمضان کے ساتھ خاص نہیں اس لئے یہ قیام رمضان سے الگ نماز ہوگی۔

(۲)......تہجد اور تراویح (قیام رمضان) میں فرق کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ دونوں کا مستحب وقت الگ الگ ہے، تہجد کا اصل وقت نیند سے اٹھنے کے بعد ہے، تہجد کے اصل معنی بھی یہی ہیں نیند سے بیدار ہونا اور تہجد اس نماز کو کہتے ہیں، جو رات کو بیدار ہونے

کے بعد پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معمول بھی نیند سے اٹھنے کے بعد صلوٰۃ اللیل پڑھنے کا تھا، البتہ نیند سے بیدار ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات مختلف ہوتے تھے کبھی تھوڑی دیر آرام فرما کر رات کے شروع ہی حصہ سے صلوٰۃ اللیل شروع فرماتے تھے، اور کبھی رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے تھے۔

اس کے برعکس تراویح شروع کرنے کا بہتر وقت اول اللیل ہی ہے، امت کا تعامل اسی طرح چلا آرہا ہے چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کیا آپ تراویح آخر شب میں پڑھتے ہیں فرمایا نہیں اور ساتھ ہی فرمایا "سنة المسلمین احب الی" اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبلؒ کے زمانہ تک تمام مسلمانوں کا معمول تراویح کے بارے میں یہی رہا ہے کہ اسے سونے سے پہلے پڑھتے تھے۔

جب دونوں نمازوں کا وقت مستحب بھی الگ الگ ہے دونوں کے ایک ہونے پر کوئی مضبوط دلیل بھی موجود نہیں ہے تو دونوں کو الگ الگ نمازیں ہی شمار کرنا چاہئے۔

(۳)......صلوٰۃ اللیل اور تراویح میں فرق کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صلوٰۃ اللیل باجماعت ادا کرنے کے لئے اہمیت کے ساتھ کبھی اجتماع نہیں ہوا نہ ہی آپ نے کبھی صلوٰۃ اللیل باجماعت ادا کرنے کی ترغیب دی، خلفاء راشدین اور بعد کے ادوار میں بھی صلوٰۃ اللیل باجماعت ادا کرنے کے لئے جمع ہونے کا رواج نہیں رہا اس کے برعکس قیام رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جماعت کرائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو تراویح باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کی تحسین وتصویب بھی فرمائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہؓ کی موجودگی میں تراویح کی نماز باجماعت شروع کرائی اس وقت سے لے کر اب تک ہمیشہ مسلمانوں میں مساجد کے اندر باجماعت نماز تراویح اداء کرنے

کا معمول چلا آرہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ اللیل اور تہجد ایسی نماز ہے جو الگ الگ پڑھنی چاہئے، اور تراویح ایسی نماز ہے جس کے باجماعت اداء کرنے کا عہد رسالت میں اہتمام ہوا اور عہد فاروقی سے اس کا معمول چلا آرہا ہے، یہ چیز بھی ان دونوں نمازوں میں فرق کا قرینہ بن سکتی ہے۔

(۴)......تہجد کی مشروعیت وحی متلو یعنی قرآن کریم سے ہوئی ہے "**کما فی قوله تعالیٰ ومن اللیل فتهجد به نافلة وکما تدل علیه بعض آیات سورة المزمل**" لیکن تراویح کی مشروعیت وحی غیر متلو سے ہوئی ہے "**لقوله علیه السلام سننت لکم قیامه.** (نسائی: ۲۳۹/۱، باب من قام الخ، کتاب صوم) اگر تراویح اور تہجد ایک ہی ہوتے تو تہجد والی آیات کے ضمن میں تراویح کی بھی مشروعیت ہو چکی ہوتی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "**فرض الله**" کے مقابلہ میں "**سننت**" کا لفظ ارشاد فرما کر تراویح کی نسبت اپنی طرف نہ فرماتے۔

(۵)......اس باب کی فصل ثانی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے بحوالہ ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تین متفرق راتوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تراویح باجماعت پڑھی ہے، ان میں سے تیسری رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کیلئے اپنے گھر والوں کو بھی جمع کیا اور اتنی دیر تک نماز پڑھائی کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے یعنی پوری رات قیام رمضان میں مصروف رہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شریک تھیں۔

اس کے برعکس مشکوٰۃ:۱۱۱، کے باب الوتر میں بحوالہ مسلم سعد بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طویل حدیث گذر چکی ہے، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا "و لااعلم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ القرآن کلہ فی لیلۃ ولاصلی لیلۃ الی الصبح" کہ میں نہیں جانتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن کریم پڑھا ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی رات صبح تک نماز پڑھتے رہے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث اور حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث میں بظاہر تعارض معلوم رہا ہے، حدیث ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری رات تراویح کی نماز پڑھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ بھی اس میں شریک تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حدیث میں اس کی نفی کر رہی ہیں، دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس نماز کے ساری رات پڑھنے کی نفی کر رہی ہیں وہ تہجد کی نماز ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رات تہجد کی نماز کبھی نہیں پڑھی اور حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے جس نماز کا صبح تک پڑھنا معلوم ہو رہا ہے وہ تراویح کی نماز ہے (نفی اور نماز کی ہے اور اثبات دوسری نماز کا دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ تہجد اور تراویح کو الگ الگ نماز قرار دیا جائے۔

(٦)...... فصل ثانی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال رمضان کے آخری عشرہ میں تین راتیں تراویح کی جماعت کرائی ہے ایک رات تو صبح تک اس میں مصروف رہے، ایک رات ثلث اللیل تک فارغ ہوئے دوسری رات شطر اللیل تک، ان دو راتوں میں تراویح سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز الگ پڑھی یا نہیں؟ اس میں کوئی صریح روایت تو نہیں ملی، لیکن شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح سے فارغ ہو کر باقی رات بھی نماز میں

گذاری ہے اس لئے کہ صحیح بخاری: ۱/۲۷۱، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان، حدیث نمبر: ۱۹۷۹، میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیی لیلہ و ایقظ اھلہ" احیاء لیل کا متبادر مفہوم یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری رات نماز میں گذاری، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح سے فارغ ہو کر آرام نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد بھی نماز میں مشغول ہو گئے، وہ نماز صلوٰۃ اللیل ہی ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز نہیں بلکہ الگ الگ نمازیں ہیں، اس لئے تراویح کے علاوہ رمضان کی راتوں میں (اگر وقت بچے تو) تہجد بھی پڑھ لینا بہتر ہے۔

(۷)......بعض روایات سے بعض صحابہ اکرم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تراویح کے بعد نماز پڑھنا ثابت ہے چنانچہ سنن ابی داؤد: ۲/۲۰۳، باب فی نقض الوتر، میں روایت ہے "عن قیس بن طلق قال زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وأمسی عندنا وافطر ثم قام بنا تلک اللیلۃ وأوتر بنا ثم انحدر إلی مسجدہ فصلی باصحابہ حتی إذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال أوتر باصحابک فإنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا وتران فی لیلۃ" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو تراویح کی نماز اول وقت میں ادا کی اور وتر بھی ساتھ ہی پڑھ لئے اس کے بعد آخر وقت میں تہجد ادا کیا لیکن تہجد کے بعد آپ نے وتر نہیں پڑھے معلوم ہوا کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ سمجھتے تھے، کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں اس لئے تراویح کے بعد تہجد کی نماز الگ پڑھ لینی بہتر ہے۔

(۸)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی کتنی رکعات پڑھتے تھے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف معمول تھے، لیکن زیادہ سے زیادہ تہجد کی جو رکعات آپ سے ثابت ہیں وہ بارہ ہیں، یعنی بارہ رکعت سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کبھی نہیں پڑھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں اس سے زیادہ رکعتیں (بیس رکعات) پڑھی ہیں ظاہر ہے کہ یہ نماز تہجد کی تو ہو نہیں سکتی اس لئے کہ تہجد کی اتنی رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پڑھی نہیں لامحالہ وہ تہجد کے علاوہ کوئی اور نماز ہوگی، یعنی تراویح، معلوم ہوا تراویح تہجد سے الگ نماز ہے۔

جس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعات پڑھنا ثابت ہوتا ہے، وہ حسب ذیل ہے "**عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی ا علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر**" (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے) اس حدیث کی تخریج ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف: ۲/۲۲۵، **باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، کتاب الصلوٰۃ**، میں اور امام بیہقیؒ نے اپنی السنن الکبریٰ: ۲/۴۹۶، **باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان**، میں کی ہے۔

اس حدیث کی سند کے سارے راوی ثقہ ہیں سوائے ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کے ابراہیم بن عثمان کی اگرچہ بہت سے محدثین نے تضعیف کی ہے، لیکن بعض محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے مثلاً ابن عدی نے کہا ہے "**لہ احادیث صالحۃ" وھو خیر من ابراھیم بن ابی حیۃ**" ابن عدی نے ایک تو "**لہ احادیث صالحۃ**" کہہ کر ان کی توثیق کی، پھر ان کو ابراہیم بن ابی حیۃ سے افضل قرار دیا ہے، ابراہیم بن ابی حیہ مختلف فیہ راوی ہیں،

بعض نے ان پر جرح کی ہے اور بعض نے ان کی توثیق کی ہے، مثلاً یحییٰ بن معین فرماتے ہیں "شیخ ثقة کبیر" ان سے افضل جو راوی ہوگا وہ درجہ حسن کا ضرور ہوگا، اسی طرح یزید بن ہارون ان کے بارے میں فرماتے ہیں "**ماقضی علی الناس رجل یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه**" ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ واسط کے قاضی تھے، یزید بن ہارون ان کے بارہ میں فرمارہے ہیں کہ ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ عادل قاضی کوئی نہیں تھا، یزید بن ہارون کی یہ شہادت بہت اہمیت رکھتی ہے اسی لئے کہ جس وقت ابوشیبہ قاضی تھے، یزید بن ہارون ان کے محرر اور منشی تھے، اس لئے ان کو ان کے حالات قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا، ان کے قریبی محدث ان کو عادل ترین قاضی کہہ رہے ہیں، جو شخص عام قضاء میں بے انصافی نہیں کرسکتا اس سے یہ توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے کہ وہ حدیث نبوی میں جھوٹ بولے گا، اس لئے ان کے حفظ میں کسی کو اشکال ہو تو ان کی عدالت میں جرح کی گنجائش نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کی تضعیف کے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حضرات **قدح فی العدالة** کی وجہ سے ان کی تضعیف کررہے ہیں، بلکہ یزید بن ہارون کے قول کے پیش نظر غالب یہی ہے کہ انہوں نے حفظ وغیرہ کی کمی کی وجہ سے ان کی تضعیف کی ہوگی صرف شعبہ ہیں جنہوں نے صراحۃً ان کی تکذیب کی ہے لیکن جس واقعہ کی وجہ سے تکذیب کی ہے اس میں خود توجیہ ممکن ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ راوی مختلف فیہ ہیں ان پر جرح بھی کی گئی ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے، ان کی روایت کا ضعف اس درجہ کا نہیں کہ اس کو بالکل ہی نظر انداز کردیا جائے، بلکہ ان کی روایت حسن کے قریب قریب ضرور ہے، پھر جو بات ہم اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ دوسرے شواہد سے بھی ثابت ہے اس لئے اس روایت کو بطور قرینہ

اورمؤید کے پیش کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

(۸)......تمام فقہی مکاتب فکر کے محدثین وفقہاء کا یہی طرز عمل چلا آرہا ہے کہ وہ صلاۃ اللیل اورتہجد وغیرہ پرالگ ابواب یافصول قائم کرتے ہیں اورقیام رمضان وتراویح پرالگ، حتی کہ بہت سے محدثین نے تو قیام رمضان کا ذکر کتاب الصوم میں کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام محدثین وفقہاء کا نظریہ بھی یہی چلا آرہاہے، کہ تراویح اورتہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں تبھی تو ان کا تذکرہ بھی الگ الگ کرنے کا معمول چلا آرہا ہے۔(مزید تفصیل فتاوی رشیدیہ میں دیکھی جاسکتی ہے)

فائدہ: (۲) رمضان میں بوقت سحری تہجد کا اہتمام......تراویح اورتہجد چونکہ دو الگ الگ نمازیں ہیں اس لئے رمضان کی راتوں میں بہتر یہی ہے کہ سونے سے پہلے تراویح پڑھنے کے باوجود جب سحری کے وقت اٹھے تو تہجد کی جتنی رکعات ہوسکیں پڑھ لے، امام بخاریؒ نے قیام رمضان کے باب میں تراویح کے متعلق حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعات کے متعلق پیش فرمائی ہے اس میں بھی غالباً امام بخاریؒ اسی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، کہ رمضان میں تراویح پڑھنے کے باوجود تہجد بھی پڑھ لینی چاہئے،اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اورغیر رمضان میں تہجد پڑھا کرتے تھے،رمضان میں تہجد کا ناغہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

لیکن اگرکوئی شخص تہجد اس وجہ سے نہ پڑھ سکے کہ تراویح لمبی پڑھے کہ سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوجائے تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں، بلکہ حق تعالیٰ سے توقع رکھنی چاہئے کہ شاید وہ اس میں تہجد کا بھی ثواب عنایت فرمادیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ تراویح کی نماز اتنی دیر تک پڑھائی ہے کہ سحری فوت ہونے کا خطرہ ہوگیا تھا،

جیسا کہ فصل ثانی کی پہلی روایت میں ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک تہجد پر تعجب کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وقت دوسری نماز ہی میں گذارا ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص اول شب میں تراویح نہ پڑھ سکے سحری کے وقت پڑھے تو تراویح کے ضمن میں تہجد کی بھی نیت کی جاسکتی ہے، غرضیکہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں لیکن ان میں تداخل بھی ہوسکتا ہے اور یہ بات تہجد وتراویح کے ساتھ ہی خاص نہیں دوسری غیر واجب نمازوں میں بھی بعض اوقات ایسا ہوجاتا ہے، مثلاً تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد الگ الگ نمازیں ہیں، لیکن ایک نماز دوسری کے قائم مقام ہوسکتی ہے، صلوٰۃ ضحیٰ اور صلوٰۃ کسوف الگ نمازیں ہیں، لیکن چاشت کے وقت اگر صلوٰۃ کسوف پڑھ لے تو وہ صلوٰۃ ضحیٰ کے قائم مقام ہوسکتی ہے، لیکن فی نفسہ یہ سب نمازیں الگ الگ ہیں۔

تراویح کا حکم

فائدہ: (۳) ...... حنفیہ کے نزدیک تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (کذا فی المغنی لابن قدامہ: ۲/۱۶۶) تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کے بہت سے دلائل ہیں۔ چند حسب ذیل ہیں:

(۱)......اس باب کی پہلی حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی چند راتوں میں یہ نماز لوگوں کو باجماعت پڑھائی اعتکاف کے حجرہ کے اندر سے، اس کے بعد ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی آواز نہ آئی تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سمجھا کی شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی ہے اس لئے صحابہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کھنگارنے لگے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم موجود ہیں صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو تمہارا طرز عمل دیکھا یہاں تک کہ مجھے خدشہ ہو گیا کہ کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ کر دی جائے اور اگر تم پر فرض کر دی جاتی تو تم اچھی طرح نباہ نہ کر سکتے، اس لئے (امت کے مفاد کے پیش نظر) یہ نماز گھر ہی میں پڑھ لیا کرو، اسی مضمون کی ایک روایت صحیح بخاری: ۱/۱۵۲، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل الخ، میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی ذات لیلة فی المسجد فصلی بصلاته ناس ثم صلی من القابلة فکثر الناس، ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة او الرابعة فلم یخرج الیهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما اصبح قال: قد رأیت الذی صنعتم ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا أنی خشیت أن یفرض علیکم وذٰلک فی رمضان"

ان دونوں روایتوں سے ہمارا استدلال کئی طرح سے ہے۔

(الف)......اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح با جماعت پر مواظبت حکمیہ ثابت ہوتی ہے، مواظبت حکمیہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل کو دائماً کرنے کا ارادہ ہو لیکن کسی خاص عذر کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت نہ کی ہو اور وہ عذر دوسروں کے حق میں موجود نہ ہو اس کو مواظبت حکمیہ کہتے ہیں، اس حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح با جماعت پر مواظبت فرمانا چاہتے تھے، لیکن ایک عذر کی وجہ سے مواظبت نہ فرمائی وہ عذر یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت فرما لیتے تو

یہ نماز امت پر فرض ہو جاتی اور امت کیلئے اس میں مشقت تھی، اگر یہ عذر نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت فرماتے تو اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح با جماعت پر مواظبت حکمیہ ثابت ہوئی اور جس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقۃً یا حکماً مواظبت فرمائی ہو وہ سنت مؤکدہ یا واجب ہوتا ہے۔

(ب)......اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں تراویح کی اہمیت اتنی زیادہ بیٹھ چکی تھی کہ اگر اس اہمیت میں مزید اضافہ ہوتا تو یہ نماز فرض ہو جاتی اس سے معلوم ہوا کہ فرض واجب سے نچلے درجہ کی اہمیت اس نماز کے لئے ثابت ہو چکی تھی، اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ ذہن بن چکا تھا کہ اس نماز کی اہمیت فرض و واجب سے ذرا کم اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔

(ج)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھائی لیکن صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ امر ضرور کر دیا "**فصلوا ایها الناس فی بیوتکم**" اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت تو خاص عذر کی وجہ سے ترک کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ یہ نماز گھروں میں نہیں چھوڑنی چاہئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ امر کے ساتھ حکم فرمایا کہ یہ نماز گھروں میں پڑھا کرو، اور امر کا اصل معنی وجوب ہے، لیکن اس حدیث میں چونکہ ظنیت آگئی ہے اس لئے اس سے تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت کریں گے۔

دوسری دلیل: سنن نسائی: ۲۳۹/۱، باب من قام رمضان الخ، کتاب الصوم، اور منصف ابن ابی شیبہ: ۲۳۰/۵، من کان یری القیام فی رمضان، میں حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع جس کا تذکرہ پہلے بھی گذر چکا ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله افترض عليكم صيامه وسننت لكم قيامه فمن صامه ايمانا واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه" اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت نہیں، اگر کسی نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے تو صرف اس کا مطلب یہ ہے کہ تراویح کی جماعت پابندی کے ساتھ شروع کرانے والے اور سب مسلمانوں کو ایک امام پر جمع کرنے والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، نفس تراویح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت نہیں ہے، ابن قدامۃ المغنی: ۲/۱۶۶) میں تراویح کے متعلق فرماتے ہیں "وهى سنة مؤكدة واول من سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم" پھر چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ونسبت التروايح إلى عمر بن الخطاب رضى الله عنه لأنه جمع الناس على ابى بن كعب.

تیسری دلیل: تراویح پر جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت حکمیہ ثابت ہے ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے خلفاء راشدین کی بھی اس پر مواظبت ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی طرح خلفاء راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، اور خاص طور پر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کا حکم دیا ہے اس لئے جس فعل پر خلفاء راشدین کی مواظبت ثابت ہو جائے وہ کم از کم سنت مؤکدہ ضرور ہوگا، اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔

تراویح باجماعت کا حکم

فائدہ:(٤) ......تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا گھر میں اکیلے پڑھنا، اس میں جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے، امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک ایک روایت اور بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے، شافعیہ کی تیسری روایت یہ بھی کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کا حافظ ہو، جماعت میں شریک نہ ہونے کی صورت میں سستی ہو جانے کا خطرہ نہ ہو اور اس کے مسجد میں نہ آنے کی وجہ سے مسجد کی جماعت کا نقصان نہ ہوتا ہو تو اس کے لئے گھر میں پڑھنا اور مسجد میں آنا دونوں برابر ہیں، اور اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس کے لئے جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنا افضل ہے، مثلاً کوئی شخص قرآن کریم کا حافظ نہ ہو، یا اس کو یہ خطرہ ہو کہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھی تو گھر میں سستی ہو جائے گی، یا مثلاً مقتداء ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر مسجد میں نہ آیا تو دوسرے لوگ بھی مسجد میں آنا چھوڑ دیں گے یا کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو جو تراویح پڑھا سکے تو ایسی صورتوں میں مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا افضل ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک تراویح با جماعت پڑھنا اکیلے پڑھنے سے اولیٰ ہے، اس اولویت کی تفصیل میں تعبیرات مختلف ہیں، اکثر احناف کے نزدیک تراویح کی جماعت سنت ہے، پھر اس میں اختلاف ہوا کہ تراویح کی جماعت سنت علی الاعیان ہے یا سنت علی الکفایہ، اس میں جمہور احناف کی رائے یہ ہے کہ سنت علی الکفایہ ہے، لہٰذا کسی محلہ میں کوئی جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو سارے محلہ والے گناہ گار ہوں گے، لیکن کسی محلہ

میں چند لوگ جماعت کے ساتھ ادا کرلیں تو باقی جماعت کی فضیلت سے تو محروم رہیں گے، لیکن ترک سنت کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

دلائل افضیلت جماعت

جمہور تراویح کے باجماعت افضل ہونے پر کافی احادیث سے استدلال کرتے ہیں، چند حسب ذیل ہیں:

(۱)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چند دن تراویح کی جماعت کرائی ہے اس کے بعد ایک خاص عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت ترک کردی وہ عذر یہ تھا کہ اگر تراویح کی جماعت کراتے رہتے تو امکان تھا تراویح کے فرض ہو جانے کا، اس صورت میں امت پر مشقت کا ڈر تھا، اس خاص وجہ سے آپ نے تراویح کی جماعت ترک فرمادی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل منشاء یہی تھا کہ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جائے، اگر یہ خاص عذر نہ ہوتا تو تراویح کی جماعت پر بھی مواظبت فرماتے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت تراویح پر مواظبت حکمیہ ثابت ہوئی۔

(۲)......حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان کی رات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو چند لوگوں کو مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ جواب دیا گیا "**یا رسول الله هؤلاء ناس ليس معهم القرآن وأبی بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته**" یعنی یہ لوگ قرآن کریم کے حافظ نہیں ہیں اس لئے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح

میں قرآن کریم پڑھتے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء کرر ہے ہیں اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **قد احسنوا وقد اصابوا (رواہ البیھقی فی المعرفۃ)** یعنی انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا، اس حدیث سے تراویح باجماعت کا حسن ہونا ثابت ہوا۔

(۳)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی موجودگی میں لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا اور تراویح باجماعت کا رواج ڈالا اس کے بعد سے امت میں اکثری تعامل یہی چلا آرہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جماعت تراویح کو رواج دینا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس پر اعتراض نہ کرنا اور امت کا اس کو اپنا لینا تراویح کی جماعت کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔(موطا امام مالک: ۴۰، باب ماجاء فی قیام رمضان)

قائلین انفراد کے دلائل اور جوابات

جن حضرات کے نزدیک تراویح کی نماز منفرداً پڑھنا افضل ہے وہ استدلال کرتے ہیں ان احادیث عامہ سے جن میں فرضوں کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے مثلاً "**فان افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ إلا الصلوٰۃ المکتوبۃ**" اسی طرح صاحب مشکوٰۃ نے اس باب کی فصل اول کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث بحوالہ مسلم نقل کی ہے "**إذا قضی احدکم الصلوٰۃ فی مسجدہ فلیجعل لبیتہ نصیباً من صلوٰتہ فإن اللہ جاعلٌ فی بیتہ من صلوٰتہ خیراً**۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں بعض نمازیں اس سے مخصوص ہیں جن میں تراویح بھی شامل ہے، اس حدیث کا اپنے عموم پر نہ ہونا اتفاقی ہے، اس

لئے کہ بعض غیر مکتوبہ نمازیں بالاتفاق مسجد میں پڑھی جاتی ہیں مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ۔

تعداد رکعات تراویح

فائدہ (۵) ......تراویح کی رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ اس میں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور اکثر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں وتروں کے علاوہ۔

امام مالکؒ سے اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں ایک روایت جمہور کے مطابق ہے یعنی بیس رکعت والی، امام مالکؒ سے ایک روایت چھتیس رکعات کی ہے، امام مالکؒ نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے "وهو الأمر القديم عندنا" امام مالکؒ سے اور بھی روایات ہیں، مثلاً ۳۸ کی اکتالیس کی لیکن حافظ عینیؒ نے مشہور چھتیس والی روایت کو قرار دیا ہے۔

پھر امام مالکؒ اور دوسرے اہل مدینہ جو چھتیس رکعات کے قائل ہیں، ان کے ہاں بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں، باقی سولہ رکعات کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ کا یہ معمول تھا کہ ہر چار رکعت کے بعد وقفہ کے دوران طواف کرلیا کرتے تھے، اہل مدینہ طواف تو کر نہیں سکتے تھے، اس لئے وہ طواف کے قائم مقام ہر دو ترویحوں کے درمیان چار چار نفل الگ الگ پڑھ لیا کرتے تھے بیس کے ساتھ یہ سولہ رکعتیں مل کر چھتیس رکعتیں ہوگئیں، جنہوں نے امام مالکؒ سے بیس رکعات نقل کی ہیں ان کا مقصد اصل تراویح کی رکعات بتانا ہے اور جن حضرات نے چھتیس نقل کی ہیں، انہوں نے اصل تراویح اور ترویحوں کے درمیان کی سولہ رکعتیں ملاکر مجموعی تعداد ذکر کردی ہے۔

اس تقریر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک تراویح کی کم از کم رکعتیں بیس ہیں، جمہور سلف کا بھی یہاں قول ہے، امام ترمذی نے "باب ما جاء في قيام

رمـضــان" میں حسب عادت حدیث پیش کرنے کے بعد مسئلۃ الباب میں ائمہ سلف کے اقوال بھی نقل فرمائے ہیں اس میں اکثر اہل علم کا مذہب بیس ہی کو قرار دیا ہے، اس کے علاوہ اہل مدینہ کا اکتالیس والا قول بھی نقل فرمایا ہے، بیس سے کم کوئی قول ذکر نہیں کیا۔

جب سے تراویح با جماعت شروع ہوئی ہے اس وقت سے لے کر کئی صدیوں تک مسلمانوں کی مساجد میں کم از کم بیس رکعات کا ہی معمول رہا ہے، چنانچہ مشہور تابعی حضرت نافعؒ فرماتے ہیں "**لم أدرك الناس إلا وهم يصلون تسعا وثلاثين يوترون منها بثلاث**" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کی زندگی کا اکثر حصہ مدینہ منورہ میں گذرا ہے، ان کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا ہے، اس وقت تک مدینہ منورہ میں وتر (اور ترویحات کے درمیان والی رکعات) سمیت انتالیس رکعتیں پڑھنے کا عام معمول تھا، اسی کے متعلق امام مالکؒ فرماتے ہیں "**وعلى هذا العمل منذ بضع ومائة سنة**" امام شافعیؒ فرماتے ہیں "**رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلاثين وبمكة بثلاث وعشرين**" اس میں امام شافعیؒ مکہ مکرمہ میں تراویح کا معمول وتر سمیت تئیس رکعات اور مدینہ طیبہ میں وتر سمیت انتالیس رکعات کا بتلا رہے ہیں، امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور وفات ۲۰۴ھ میں، معلوم ہوا کہ دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کے شروع تک نہ مدینہ میں بیس تراویح سے کم کا معمول تھا نہ مکہ میں، حافظ ابن عبد البرؒ بیس رکعات والے قول کے متعلق فرماتے ہیں "**وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعيّ واكثر الفقهاء**" اس سے معلوم ہوا اہم مرکز علمی کوفہ کے تمام علماء کا بھی یہی نظریہ تھا، حاصل یہ کہ ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کی مساجد میں کم از کم بیس رکعت تراویح پڑھنے ہی کا معمول رہا ہے اور جمہور فقہاء امت کا بھی یہی مذہب ہے۔

بیس رکعات تراویح کا ثبوت

اتنی بات تو بالاتفاق ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہے، ایسے ہی عہد رسالت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی تراویح پڑھا کرتے تھے یہ بات بھی ثابت ہے کہ چند دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح باجماعت بھی پڑھائی ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ معمول تراویح گھر پڑھنے کا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی کل کتنی رکعات پڑھا کرتے تھے، اس کی تصریح کسی ایسی روایت میں نہیں ہے جس کی سند غیر متکلم فیہ ہو، لیکن ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کی جاچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے، اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان اگرچہ متکلم فیہ ہیں، لیکن ان کی روایت اس درجہ کی ضعیف نہیں ہے کہ اسے بالکل نظر انداز کردیا جائے خاص طور پر جب کہ اس حدیث کی تائید صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فعل بلکہ اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی ہوتی ہے اور امت میں اس حدیث کے مضمون کو تلقی بالقبول حاصل رہی ہے، خیر القرون سے امت کا اکثری تعامل بیس رکعات کا ہی رہا ہے اور یہ بات بارہا بتائی جاچکی ہے کہ کسی حدیث کے مضمون کو تلقی بالقبول حاصل ہوجانا اس کے ثابت ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہوتا ہے۔

لیکن اگر بالفرض اس مرفوع حدیث کو نظر انداز بھی کردیا جائے تب بھی ہمارا موقف دوسرے دلائل سے ثابت ہے سب سے بڑی دلیل ہماری یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جماعت تراویح کا رواج ڈالا اور لوگوں کو ایک قاری پر مجتمع کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مقرر کردہ امام لوگوں کو بیس رکعات تراویح

پڑھایا کرتے تھے، بیس رکعات تراویح کا معمول صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی موجودگی میں پڑا ہے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا اور یہ بات بھی کہیں سے ثابت نہیں کہ بعد کے خلفاء راشدین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معمول کو تبدیل کیا ہو، بلکہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک بھی یہ معمول باقی تھا۔

اب ہمارے ذمہ دو باتیں ہیں: ایک یہ ثابت کرنا کہ واقعی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجتماعی طور پر بھی بیس رکعات تراویح ہی کا رواج ڈالا تھا دوسرے عہد فاروقی کا یہ معمول نام واقعی بیس رکعات کی مشروعیت کی دلیل ہے دونوں امروں پر مختصراً گفتگو کی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

ذیل میں مختصراً چند ایسی روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا معمول تھا۔

(۱)......بیہقی کی "السنن الکبریٰ: ۲/۴۹۶، باب ماروی فی عدد رکعات قیام شهر رمضان" میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرء ون بالمئين وكانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمان رضي الله تعالىٰ عنه من شدة القيام" اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، علامہ نیمویؒ نے حاشیہ آثار السنن: ۲/۵۳، باب في التراويح باكثر من ثمان ركعات، میں اس کے رواۃ کی توثیق نقل کر دی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح پڑھنے کا معمول تھا دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی معمول باقی رہا، اس لئے کہ حضرت سائب بن یزید نے عہد عثمانی کے عہد فاروقی سے اس فرق کا تذکرہ تو کیا ہے، کہ عہد عثمانی میں بعض لوگ اپنی لاٹھیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے قیام کی شدت کی وجہ سے، اگر عہد عثمانی میں تعداد رکعات کا فرق پڑا ہوتا تو سائب بن یزید اس کو بھی ضرور ذکر کرتے۔

یاد رہے کہ سائب بن یزید کی روایتیں رکعات تراویح کے بارہ میں دو ہیں ایک یہی یزید بن خصیفة عن السائب والی، دوسری محمد بن یوسف والی، اس وقت ہمارا استدلال پہلی روایت سے ہے محمد بن یوسف والی سے نہیں محمد بن یوسف والی روایت میں اضطراب ہے اس پر گفتگو آگے چل کر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(۲)......مؤطا امام مالک: ۴۰، باب ما جاء في قيام رمضان، میں یزید بن رومان کی روایت ہے "مالک عن يزيد بن رومان أنه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلث وعشرين ركعة" یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں (وتر سمیت) تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے، اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے اس پر زیادہ سے زیادہ جو اشکال کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، لیکن حدیث کا مرسل ہونا ہمارے استدلال میں قادح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ:

اولاً: حدیث مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔

ثانیاً: یہ حدیث مؤطا امام مالک کی ہے اور مؤطا امام مالک کے بلاغات ومراسیل موصولات کے حکم میں ہوتے ہیں۔

ثالثاً: اگر کسی مرسل صحیح کی تائید دوسری مرسل سے ہو رہی ہو تو وہ بالاتفاق حجت ہوتی ہے اس حدیث کی تائید بھی دوسری مرسل سے ہو رہی ہے، کما سنذکر۔

رابعاً: صرف یہی نہیں کہ اس کی تائید دوسری مرسل حدیث سے ہو رہی ہے، بلکہ اس کی تائید میں موصول روایت بھی موجود ہے، چنانچہ حضرت سائب بن یزید کی روایت بیہقی کے حوالہ سے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، اور حضرت سائب بن یزید نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ پایا ہے، بلکہ ان کا شمار صغار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کیا گیا ہے، اس لئے اس حدیث کے حجت ہونے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

(۳)......عن یحییٰ بن سعید أن عمر بن الخطاب أمر رجلاً یصلی بهم عشرین رکعة . رواه ابن ابی شیبة: ۲۲۳/۵، رقم: ۷۷۶۴ (یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرو) اس کی سند بھی مرسل قوی ہے اور اس کی تائید دوسری مرسل وموصول روایات سے ہوری ہے۔(کماذکرنا)

(۴)......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تراویح کا امام مقرر فرمایا تھا ان کے بارہ میں منصف ابن ابی شیبہ: ۲۲۴/۵، رقم الحدیث: ۷۷۶۶، میں عبدالعزیز بن رفیع کی روایت ہے "قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث" اس کے علاوہ ابن ابی شیبہ میں دوسرے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین کے آثار بھی پیش فرمائے ہیں، مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول بھی بیس رکعات تراویح کا نقل فرمایا ہے، اسی طرح حضرت عطاء کا قول نقل فرمایا ہے "ادرکت الناس

وهم یصلون ثلاثة وعشرین رکعة بالوتر" یعنی میں نے ان لوگوں (صحابہؓ وتابعین) کو اسی پر کاربند پایا ہے کہ وہ وتر سمیت تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

وجوہ استدلال

مذکورہ بالا روایات سے ہمارا استدلال کئی طرح سے ہوسکتا ہے۔

(الف)...... کسی نماز کی رکعات کی تعداد کا تعین سمعی اور غیر مدرک بالرأی مسئلہ ہے کسی نماز کی رکعات کی خاص تعداد اپنے قیاس ورائے سے متعین کر کے لوگوں کو اس کا پابند کرنے اور اپنی رائے سے سوچی ہوئی تعداد کو رواج دینے کی کوشش کرنے کی کسی اُمتی کو بھی حق حاصل نہیں ہے، اس کا فیصلہ قرآن کریم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کسی روایت ہی سے کیا جاسکتا ہے، محدثین کا یہ اصول ہے کہ اس قسم کے غیر قیاسی مسائل میں اگر کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی موقوف اثر ملے تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، یعنی ایسے غیر مدرک بالرای مسئلہ میں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ یہ بات صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہی یا کی ہوگی۔

محدثین کے اسی اصول کے پیش نظر مندرجہ بالا روایات اگرچہ بظاہر موقوفہ معلوم ہوتی ہیں، لیکن درحقیقت یہ روایات مرفوع کے حکم ہیں، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیس رکعات باجماعت کو رواج دیا اور دوسرے تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی اسے قبول کرلیا کسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے روکا نہیں تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ ضرور ان کے پیش نظر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ہوگا، ان حضرات سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ ایسے غیر قیاسی اور خالص سمعی مسئلہ میں اپنی رائے

سے کوئی چیز جاری کردیں، اوپر ذکر کردہ محدثین کے اصول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرات کسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں یہ تصور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ غیر مدرک بالرائی مسئلہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہدیں۔...........تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت اوران کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام کے بارے میں یہ توقع کیسے رکھی جاسکتی ہے، اس لئے ان حضرات کا بیس کے عدد کو مجموعی طور پر اپنانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عدد انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لیا ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے تراویح اوراس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس انداز کے بارہ میں سوال کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا "**التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعاً ولم يامر به إلا عن اصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (البحر الرائق: ٦٦/٢، باب الوتر والنوافل، التعليق: ١٠٥/٢)** حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہ آثار موقوفہ حکماً مرفوع ہیں۔

(ب)......اگر بالفرض یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ یہ آثار بحکم المرفوع نہیں ہیں اور یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صریح مرفوع حدیث اس مسئلہ میں موجود نہیں ہے تب بھی کم از کم ان روایات سے اتنی بات تو ثابت ہو ہی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے خلیفہ راشد نے اس عدد کو اپنایا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو تبدیل کرنا بھی ثابت نہیں، لہٰذا بیس رکعات تراویح پڑھنا خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت اوران کا طریقہ تو ضرور ہوا، اس عدد پر خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین کی مواظبت حکمیہ تو کم از کم ضرور ثابت ہو جاتی ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اسی طرح خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے حکم دیا ہے چنانچہ مشکوۃ:۲۹، ۳۰ پر حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث بحوالہ احمد، ابوداؤد، ترمذی وابن ماجہ گذر چکی ہے اس میں یہ لفظ بھی ہیں "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ**" امام ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، اس میں پہلے " **علیکم** " کا لفظ بول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاء کی سنت کے اتباع کا حکم دیا، پھر "**تمسکوا بها** " فرما کر اس کی تاکید فرمادی پھر "**عضوا علیها بالنواجذ**" فرما کر اس کی تاکید در تاکید فرمادی، اس سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کے طریقہ کی اتباع بھی ضروری ہے۔

(ج)......ان روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع بھی منعقد ہو گیا تھا، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تعداد مسجد نبوی میں جاری فرمائی تھی، اس کا علم اس وقت موجود تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی ہوا ہوگا، لیکن کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس پر انکار نہیں کیا، بلکہ مسجد نبوی کے علاوہ دوسرے مراکز اسلامیہ میں بھی یہی معمول جاری ہو گیا معلوم ہوا اس وقت موجود تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس عدد پر متفق تھے، ان صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں وہ حضرات بھی شامل ہوں گے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند دن باجماعت تراویح پڑھی ہوگی اگر یہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد سے مختلف ہوتی تو ان کا

انکار ضرور مروی ہوتا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معمول تراویح گھر میں پڑھنے کا تھا اور گھر کی نماز سے ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی زیادہ واقف ہوسکتی ہیں، لیکن ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام نہیں بھجوایا کہ تم نے جو تعداد اپنا رکھی ہے یہ خلاف سنت ہے، معلوم ہوا ان تمام حضرات کا اس بات پر اتفاق تھا کہ بیس رکعات تراویح ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق ہیں۔

آٹھ رکعت تراویح کے دلائل اور ان کے جوابات

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ زمانہ خیر القرون سے امت میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ہی اکثری معمول چلا آرہا ہے، لیکن آج کل غیر مقلدین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تراویح کی رکعات آٹھ ہیں اس سے زیادہ تراویح ثابت نہیں، بعض تو آٹھ سے زائد تراویح کو بدعت کہہ دیتے ہیں، اس سلسلہ میں جن حدیثوں سے وہ لوگ عموماً استدلال کیا کرتے ہیں ان کا مختصر جائزہ لے لینا مناسب ہے۔

پہلی دلیل: ان کا سب سے مشہور استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس کی تخریج امام بخاریؒ وغیرہ محدثین نے کی ہے، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا "کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان . تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلاتسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلاتسأل عن حسنھن وطولھن

ثـم يـصـلـي ثلاثاً. (بخاری شریف: ۱۵۴/۱، باب قیام النبی صلی الله علیـه وسـلـم في رمضان وغيره، کتاب التهجد، رقم الحديث: ۱۱۳۶،

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، ان میں سے آٹھ رکعتیں تو دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے تھے، اس کے بعد تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی آٹھ رکعات ہی پڑھی ہیں۔

جواب: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس نماز کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تذکرہ فرما رہی ہیں وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد ہے، سائل کا مقصد یہ پوچھنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تہجد کس طرح پڑھتے تھے، کیا رمضان میں تہجد کا معمول عام مہینوں کی طرح ہوتا تھا یا ان سے مختلف؟ جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانا چاہتی ہیں کہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کے معمول میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، رمضان وغیر رمضان دونوں میں تہجد کی عموماً آٹھ رکعات ہی پڑھتے تھے، اور رکعتیں عموماً لمبی لمبی ہوتی تھیں، اس حدیث میں تہجد مراد ہونیکا ایک قرینہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہ لفظ بھی ہیں "فـــی رمـضـــان ولافـي غيـره" اس سے معلوم ہوا کہ یہاں اس نماز کی بات کی جارہی ہے، جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے رمضان کے ساتھ خاص نہیں اور ایسی نماز تہجد ہی ہے، تراویح تو ایسی نماز ہے جو رمضان کے ساتھ خاص ہے غیر رمضان میں نہیں پڑھی جاتی، حاصل یہ کہ یہاں تہجد کی بات بتانا مقصود ہے تراویح کا اس حدیث میں ذکر ہی نہیں۔

ہم نے جو اس حدیث کا مطلب بیان کیا ہے اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ خود حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں باقی دنوں کی نسبت زیادہ ہوتی تھی، مثلاً ایک حدیث میں ہے ”کـان اذا دخـل شهـر رمـضـان شـد مـيزره ثـم لـم يـأت فـراشـه حتى ينسلخ. (كنزل العمال: ۸۲/۷، رقم الحديث: ۱۸۰۶۱، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی دوسری روایت ہے ”كـان اذا دخـل رمضان تغير لونه و كثرت صلاته و ابتهل فـي الـدعـاء و اشـفق لونه. كنز العمال: ۸۲/۷، رقم الحديث: ۱۸۰۶۲، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں عام دنوں سے زیادہ نماز پڑھا کرتے تھے، جب کہ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں آپ کی صلاۃ اللیل ایک جیسی ہوتی تھی، دونوں میں تطبیق کی صورت یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ بخاری والی اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد رمضان وغیر رمضان میں برابر ہوتی تھی، اور جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عام دنوں سے زیادہ نماز پڑھتے تھے، ان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تہجد کے علاوہ بھی نماز پڑھتے تھے، وہ تراویح کی نماز ہوتی تھی۔

ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے کہ اس میں تہجد کی کیفیت بتانی مقصود ہے تراویح کی نہیں اس کا ایک اہم قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا اور بیس رکعات تراویح کو اجتماعی طور پر رائج کیا تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مدینہ منورہ میں موجود تھیں، علمی مسائل خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات کے بارہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امہات المؤمنین کی

طرف مراجعت فرمایا کرتے تھے، اور ان کی رائے پر اعتماد فرمایا کرتے تھے، بہت سے اختلافی مسائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جانب کا فیصلہ فرما کر اس کی خلاف ورزی سے منع فرما دیا، اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا ہوگا، اگر نہ بھی پوچھا ہو تب بھی...... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ نظریہ ہوتا کہ یہ آٹھ رکعات تراویح کی تھیں تو آپ ضرور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پیغام بھجواتیں کہ تم بیس رکعات کو مجموعی طور پر رائج کر رہے ہو یہ خلاف سنت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ جانتی تھیں کہ سب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خاموشی اس عدد کے اجماع کا درجہ حاصل کر جائے گی، پھر خاموش رہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ یہ سمجھتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آٹھ رکعات تہجد کی تھیں تراویح کی نہیں تھیں۔

دوسری دلیل: عن جابر بن عبد الله أنه عليه السلام قام بهم في رمضان فصلى ثمان ركعات وأوتر ۔رواہ ابن حبان فی صحیحہ (اعلاء السنن: ۷/۶۰) اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی آٹھ رکعات کی جماعت کرائی ہے۔

جواب: اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی کل تعداد بیان کرنا مقصود نہیں صرف ان رکعات کی تعداد بیان کرنا مقصود ہے جن کی آپ نے جماعت کرائی ہے، یعنی آٹھ رکعات کی آپ نے جماعت کرائی ہے پوری تراویح کی کسی وجہ سے جماعت نہیں کرائی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ رکعات گھر میں اکیلے پڑھی ہیں اس کی نفی نہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے نہ ہی کسی اور صحابیؓ نے بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے تصریح کر دی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں اس لئے آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا عمومی معمول بھی نقل فرمادیا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ان رکعات کے ذکر پر اکتفاء فرمایا جن کی آپ نے ایک دن جماعت کرائی ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی کل رکعات آٹھ ہوتیں تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی عدد پر متفق ہوتے بیس پر متفق نہ ہوتے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

تیسری دلیل: مؤطا امام مالک: ۴۰، باب ما جاء فی قیام رمضان، میں سائب بن یزید کی روایت ہے "مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال أمر عمر بن الخطاب ابی ابن کعب وتمیماً الداری أن یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الخ" یہ روایت صاحب مشکوٰۃ نے بھی فصل ثالث: ۱۱۵، باب قیام شهر رمضان، میں ذکر کی ہے۔

جواب: (۱) ...... اس حدیث میں سخت اضطراب ہے، اس حدیث کے راوی محمد بن یوسف کے کئی شاگرد ہیں ان کے یہ شاگرد اس حدیث کو مختلف انداز سے نقل کرتے ہیں، بعض تو نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعتوں کی جماعت کرانے کا حکم دیا، بعض نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیرہ رکعتوں کی جماعت کرانے کا حکم دیا، بعض نے اکیس رکعات نقل کی ہیں، کسی روایت

میں اس طرح کا اضطراب اس سے استدلال میں قادح ہوتا ہے۔

(۲)...... یہ روایت ان روایات کثیرہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں، زیر بحث روایت محمد بن یوسف، سائب بن یزید سے نقل کررہے ہیں، محمد بن یوسف کے علاوہ سائب بن یزید کے دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمٰن بیس رکعات نقل کررہے ہیں، اور پھر یزید بن رومان وغیرہ کی روایات بھی بیس رکعات ہی بتلا رہی ہیں، مدینہ طیبہ میں تعامل بھی بیس سے کم کا کبھی نہیں رہا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس ہی کا حکم دیا ہے، غرضیکہ محمد بن یوسف والی یہ روایت مضطرب ہونے کے علاوہ اس کے بعض طرق دوسری روایات صحیحہ اور تعامل کے معارض ہے اس لئے ترجیح انہی روایات صحیحہ کو ہونی چاہئے جن کی تائید تعامل سے بھی ہورہی ہے۔

(۳)...... اگر علی سبیل التنزل اس گیارہ رکعات والی روایت کو صحیح اور دوسری روایات کے برابر تسلیم کرلیا جائے تو ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ یہ دو روایتیں دو مختلف زمانوں پر محمول ہیں، پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ کا حکم دیا ہوگا، پھر بعد میں بیس کا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن گیارہ رکعات کی جماعت کرائی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے گیارہ رکعات مع وتر کا حکم دیا ہو، پھر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آٹھ رکعات پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اکیلے بیس رکعات پوری فرمائی ہیں، اور آپ کا اکثری

معمول بھی یہی تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں بیس کا حکم دے دیا ہو اور اسی پر پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہو گیا ہو۔
(التعلیق: ۲/۱۰۴، اشرف التوضیح، الدر المنضود نفحات التنقیح: ۲/۴۶۵)

﴿الفصل الاول﴾

نماز تراویح کا تذکرہ

﴿۱۲۲۱﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَه' لَيْلَةً وَظَنُّوْا اَنَّه' قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَازَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۸۲، باب مایکرہ من کثرۃ السوال، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر: ۷۲۹۰۔ مسلم شریف: ۱/۲۶۶، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، حدیث نمبر: ۷۸۱۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بوریئے کا ایک حجرہ بنایا، اور چند راتیں اس کے اندر

نمازیں پڑھیں، یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی آہٹ محسوس نہیں کی، تو وہ یہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے ہیں، بعض لوگوں نے کھنکارنا شروع کیا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا جو عمل برابر جاری رہا اس سے میں واقف ہوں، لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ کردی جائے، اگر یہ نماز تمہارے اوپر فرض کردی جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر سکتے، لہٰذا اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو، کیوں کہ انسان کی بہترین نماز وہ ہے جس کو اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو سوائے فرض نماز کے۔

تشریح: اتخذ حجرۃ فی المسجد: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر بوریئے کو کھڑا کر کے حجرہ کی شکل بنا لیا کرتے تھے تاکہ نفل نماز انفرادی ذکر اور آہ و زاری خلوت میں سکون کے ساتھ کر سکیں اس لئے کہ خلوت میں جو لطف ہے وہ جلوت میں نہیں ملتا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۶۸)

معتکف کا مسجد میں پردہ ڈالنا

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ معتکف اگر مسجد میں کسی کونہ وغیرہ میں پردہ وغیرہ ڈال لے تاکہ اس میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کرے اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر اس میں اتنی زیادہ جگہ نہ گھیرے جس سے دوسرے نمازیوں کو تنگی و دشواری ہو۔ (مرقاۃ: ۲/۱۴۸)

لو کتب علیکم ما قمتم بہ: یعنی اگر میں تم لوگوں کو تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھاتا تو مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں تراویح کی نماز فرض نہ ہو جائے اور اگر یہ نماز تراویح جماعت کے ساتھ فرض ہو جاتی تو تم سخت دشواری میں پڑ جاتے اور اس کو ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بہت

زیادہ محبت وہمدردی تھی، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح کو جماعت سے پڑھنا سنت ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۶۹)

فان افضل صلاۃ المرء فی بیتہ الا الصلاۃ المکتوبۃ: یعنی فرض نماز کا تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے البتہ فرض نماز کے علاوہ دوسرے سنن ونفل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے ہاں وہ سنن جو شعائر اسلام میں سے ہیں، جیسے عیدین، صلاۃ کسوف اور صلاۃ استسقاء تو ان نمازوں کا بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔

نیز اس حدیث سے امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ اور بعض شوافع نے یہ استدلال کیا ہے، کہ تراویح کی نماز تنہا گھر میں پڑھنا افضل ہے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جو نماز مسجد میں پڑھی وہ بیان جواز کیلئے تھی یا اس وجہ سے مسجد میں پڑھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے، امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور جمہور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک تر واتیح کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی اور آج تک مسلمانوں کا عمل اسی پر جاری ہے، نیز تراویح شعائر دین میں سے ہے لہٰذا وہ ان نمازوں کے مشابہ ہوگئی جو شعائر دین میں سے ہیں، اس لئے تراویح جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ہی افضل ہے۔(التعلیق:۲/۱۰۶، مرقاۃ:۲/۱۶۸)

تراویح باعث مغفرت ہے

﴿۱۲۲۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرَغِّبُ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّامُرَهُمْ فِیْهِ بِعَزِیْمَةٍ فَیَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۰۹/ ۱، باب الترغیب فی قیام رمضان، کتاب صلوٰۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تراویح کی لوگوں کو بلا تاکیدی حکم کے ترغیب دیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص ایمان وثواب کی امید میں قیام رمضان کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمائیں گے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اور معاملہ اسی طرح رہا، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی یہی صورت رہی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دنوں میں بھی معاملہ اسی طرح رہا۔

تشریح: من غير ان يامرهم فيه بعزيمة: تاکہ وہ فرضیت کا خیال نہ کریں۔

من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه: کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں جاگ کر عبادت کرے یا تراویح کی نماز ادا کرے اللہ کی ذات وصفات پر ایمان رکھتے ہوئے اس یقین کے ساتھ کہ تراویح کی نماز اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور اس امید کے ساتھ کہ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کا اللہ کے یہاں اجر ملے گا اور دوسرا کوئی مقصد نہ ہو اور نہ ہی ریا کاری ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا، اب گناہ سے کون سے گناہ مراد ہیں، قاضی عیاض نے اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے، صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں چونکہ کبیرہ گناہوں کیلئے توبہ شرط ہے بعض

نے کہا ہے کہ کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں اسلئے کہ نماز جب خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ ادا کی جاتی ہے تو توبہ کی حقیقت بھی حاصل ہو جاتی ہے، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کسی نے صغیرہ نہیں کیا تو اس کے کبیرہ گناہ میں تخفیف کی جائی گی۔ (بذل المجہود:٦/٦، مرقاة:۲/۱٦۹)

وصدر امن خلافة عمر: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں، تراویح کی یہ تنظیم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے ہوئی، اور یہ بھی سنت ہے، کیونکہ خلفاء راشدین کا طریقہ بھی سنت ہوتا ہے، اور آپ ہی کے دور میں تراویح کی بیس رکعتیں مقرر ہوئیں اس سے پہلے کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ (التعلیق:۲/۱۰٦)

کچھ نمازیں گھر میں پڑھنا بہتر ہے

﴿۱۲۲۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْباً مِنْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلٰوتِهٖ خَيْراً۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ١/٢٥٦، باب استحباب صلوٰة النافلة، کتاب صلوٰة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۷۸۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں اپنی نماز سے فارغ ہو جائے، تو اس کو چاہیے کہ اپنی نماز میں سے کچھ حصہ اپنے گھر کیلئے مقرر کر لے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ

اس کی نماز کی بدولت اس کے گھر میں بھلائی نازل کرتے ہیں۔

تشــریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سنن ونوافل کا گھر میں ادا کرنا بہتر ہے، تمام نماز مسجد میں ادا کرلے اور گھر کو بالکل ویران کر دے ایسا نہیں کرنا چاہئے، لیکن تراویح کی نماز چوں کہ شعائرِ دین میں سے ہے اس لئے اس کو جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنا افضل ہے اور بہتر ہے، البتہ تراویح کے علاوہ کچھ نوافل گھر میں بھی ادا کرنا چاہئے، کیونکہ گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گھر والوں کو نیکی کی توفیق دیتا ہے، اور ان کے رزق اور عمر میں برکت عطاء فرماتا ہے۔ (التعلیق:۲/۱۰۶، مرقاۃ:۲/۱۷۰)

﴿الفصل الثانی﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کا ذکر

﴿۱۲۲۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَقُمْ بِنَا شَیْئًا مِّنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِیَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ یَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّیْلِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِیَامَ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى یَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِیَامُ لَیْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ یَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِیَ ثُلُثُ اللَّیْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِیْنَا اَنْ یَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ ثُمَّ

لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَه، اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

حواله: أبوداؤد شريف: ١٩٥/ ١، باب تفريع ابواب شهر رمضان، كتاب شهر رمضان، حديث نمبر: ١٣٧٥. ترمذی شريف: ١٦٦/ ١، باب ماجاء في قيام شهر رمضان، كتاب الصوم، حديث نمبر: ٨٠٦. نسائی: ١٥٣/ ١، باب من صلى مع الامام حتى ينصرف، كتاب السهو، حديث نمبر: ١٣٦٣. ابن ماجه: ٩۴، باب ما جاء في قيام شهر رمضان، كتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ١٣٢٧۔

ترجمه: حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینہ میں ہمیں تراویح کی نماز نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر جب چھ راتیں باقی رہ گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح نہیں پڑھائی، پھر جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آدھی رات تک تراویح پڑھائی میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں مزید قیام فرماتے تو بہتر ہوتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جب امام کے فارغ ہونے تک امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کو ساری رات نماز پڑھنے والا شمار کیا جاتا ہے، پھر جب چار راتیں باقی رہ گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح نہیں پڑھائی، پھر جب تین راتیں باقی رہ گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں، اپنی عورتوں کو جمع کر کے ہمیں نماز پڑھائی اتنی طویل نماز ہوئی کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ "فلاح" فوت نہ ہو جائے، روای کہتے ہیں

کہ میں نے سوال کیا کہ "فـلاح" کیا چیز ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ فلاح سے مراد ''سحری کھانا'' پھر مہینہ کی بقیہ راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح نہیں پڑھائی، (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) مگر ترمذی نے ''ثم لم يقم بنا بقية الشهر" کے الفاظ نقل نہیں کیے ہیں۔

تشریح: حتى بقي سبع: یعنی جب سات راتیں باقی رہ گئیں اور بائیس راتیں گذر گئیں، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو سات راتیں باقی رہنے کا تذکرہ ہے وہ تیقن کے اعتبار سے ہے کہ رمضان کا وہ مہینہ یقینی طور پر ۲۹ دن کا تھا اسی حساب سے راتوں کا شمار کیا گیا ہے۔ مرقاۃ: ۲/۱۷)

ان الرجل اذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له الخ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر آدھی رات سے زیادہ ہم کو یہ نماز پڑھاتے تو کتنا اچھا ہوتا، اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عشاء اور فجر کی نماز امام کے ساتھ پڑھ لے تو اس کو پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب مل جاتا ہے، یعنی جب تم لوگوں نے عشاء اور فجر کی نماز میرے ساتھ پڑھ لی تو تم کو پوری رات کا ثواب حاصل ہو گیا، یہ تو ملا علی قاریؒ کے نزدیک ہے محدث سہارنپوری حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجهود میں فرمایا ہے کہ صلاۃ سے مراد تراویح ہے کہ جو شخص تراویح کی نماز امام کے ساتھ اس وقت تک پڑھے جب تک کہ امام تراویح کی نماز سے فارغ نہ ہو جائے تو اس کو پوری رات نفل نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ (بذل المجهود: ۱۵/۶، مرقاۃ: ۲/۱۷۰)

ما الفلاح قال المحوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کا متن ہے مؤلف کا کلام

نہیں جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے وضاحت ہوتی ہے، نیز سحری کھانے کوفلاح سے تعبیر اس لئے کیا کہ سحری کھانے سے روزہ تحمل کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور روزہ کے ذریعہ انسان آخرت میں کامیاب وکامران ہوگا۔ (مرقاۃ:۱۷۱/۲، طیبی:۱۶۸/۳، التعلیق:۱۰۷/۲)

فوائد: (۱) ......اس سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عبادت کے ذوق وشوق کا بھی اندازہ ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طالبین اور مریدین اپنے مشائخ اور طلباء اپنے اساتذہ کے سامنے اپنے ذوق وشوق کا اظہار کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ مشائخ اور اساتذہ کے ذمہ طالبین کی ہر خواہش کا پورا کرنا لازم نہیں، بلکہ طالبین کی خواہش اور تمنا کے باوجود اساتذہ اور مشائخ کو مصلحت کیمطابق ہی عمل کرنا چاہئے۔

شب براءت کی فضیلت

﴿۱۲۲۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُه‘ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ رَزِيْنٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِيْ الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۵۶/۱، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۳۹۔ ابن ماجہ: ۹۹، باب ما جاء في ليلة

النصف شعبان، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر:۱۳۸۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا، پھر کیا دیکھتی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو یہ خوف ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کے رسول مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گناہوں کو معاف فرماتے ہیں، (ترمذی/ابن ماجہ) رزین نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں "ممن استحق النار" یعنی ان اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہوتے ہیں، امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد یعنی امام بخاری کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

تشریح: فقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فاذا ھو بالبقیع: ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کا ابتدائی حصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، کہ جب میں نے بستر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا تو میں جلدی سے اٹھ کر اپنے بدن کو چادروں سے ڈھانپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشان کے پیچھے چلتے ہوئے بقیع میں پہنچ گئی، بقیع میں دیکھتی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں ہیں اور سجدہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل کیا کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرواز کر گئی ہے، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور میری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تمہیں یہ خوف ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا، یعنی ایسا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ منصب رسالت اور نبوت پر فائز

شخص کے لئے مناسب ہی نہیں کہ وہ ایک شخص کا حق دوسرے کو دے کر پہلے شخص پر ظلم کرے۔ (مرقاۃ:۲/۱۷۱،التعلیق:۲/۱۰۷)

ان یحیف اللہ علیک ورسولہ: یہاں اللہ کا نام بطور تبرک ذکر کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اللہ کا ہی فعل ہے۔

ان اللہ تعالی ینزل لیلۃ النصف من شعبان: اللہ تبارک وتعالیٰ اس رات یعنی شب براءت میں آسمان دنیا پر اپنی رحمت عامہ کے ساتھ نزول فرماتا ہے جو اس کے شایان شان ہے یا اس کی خاص تجلی اور رحمت خاصہ متوجہ ہوتی ہے اور یہ رحمت اور مغفرت عامہ صرف اہل بقیع کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ تمام مومنین کے لئے ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۷۲،التعلیق:۲/۱۰۷)

غنم بنی کلب: اس وقت بنی کلب کی بکریاں سب سے زیادہ تھیں۔ (التعلیق:۲/۱۰۷)

قال رزین ممن استحق النار: یعنی جو لوگ اپنی بداعمالیوں کی بنا پر جہنم کے مستحق ہو گئے ہوں اور وہ تعداد میں بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوں ان سب کو اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں، ایک بکری کے اوپر ہی کروڑں اربوں بال ہوتے ہیں اور ہزاروں بکریوں کے کتنے بال ہوں گے، اس سے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ اور بے شمار مغفرت کا اندازہ ہوا۔

فوائد: اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہرتے ہیں:

(۱)......بوقت شب میاں بیوی کا ایک دوسرے کا خیال رکھنا نگرانی رکھنا جائز ہے۔

(۲)......میاں بیوی میں اگر کوئی گم ہو تو اس کو گمان کے مطابق تلاش کرنا چاہئے۔

(۳)......عورت اپنے شوہر کو تلاش کرنے کیلئے تنہا مکان سے نکل سکتی ہے۔

(۴)......ضرورت میں عورت کا قبرستان جانا بھی جائز ہے۔

(۵)......ضرورت میں بوقت شب بھی عورت کا قبرستان جانا جائز ہے۔

(۶)......مرد بیوی کو بتائے بغیر کسی ضرورت سے مکان سے باہر جاسکتا ہے۔

(۷)...... جب بیوی مکان میں تنہا ہو اور اطمینان ہو تو اس کو تنہا چھوڑ کر شوہر مکان سے باہر کسی ضرورت سے جانا جائز ہے۔

(۸)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال عشق و محبت کا علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پاکر بے چین ہو گئیں اور تلاش کیلئے نکل پڑیں کہ کمال فراست سے جان لیا کہ قبرستان تشریف لے گئے ہوں گے۔

(۹)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کمال فراست کا اندازہ ہوا۔

(۱۰)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کمال جرأت و کمال بہادری کا علم ہوا کہ نوعمری کے باوجود تنہا رات کے وقت قبرستان پہونچ گئیں جب کہ رات کے وقت بڑے سے بڑے بہادر کی بھی قبرستان تنہا جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

(۱۱)......شب برأت کی خاص فضیلت کا علم ہوا۔

(۱۲)......اس شب میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات اور رحمت خاصہ بندوں کی طرف متوجہ ہونے کا علم ہوا۔

(۱۳)......اس شب میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ اور بے شمار مغفرت فرمانے کا علم ہوا۔

(۱۴)......اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت عبادت کا علم ہوا۔

(۱۵)...... اس شب میں قبرستان جانا اور مردوں کیلئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کے مسنون ہونے کا علم ہوا۔

(۱۶)......لیکن اس شب میں قبرستان میں چراغاں کرنا اور مجمع کے ساتھ قبرستان جانا

اور میلہ کی شکل بنانا ثابت نہیں اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۱۷)......میاں بیوی میں ایک دوسرے سے متعلق کسی کو کوئی خیال دل میں آئے تو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہئے۔

(۱۸)......اور دوسرے کو بھی ناراض نہیں ہونا چاہئے کہ میرے بارے میں یہ خیال کیوں کیا۔

(۱۹)......شوہر کے گھر پر موجود نہ ہونے کی حالت میں اگر بیوی کسی سخت عذر اور مجبوری کی حالت میں شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جائے تو اس کو معذور جاننا چاہئے اور اس سے اس پر باز پرس نہیں کرنی چاہئے۔

(۲۰)......حدیث مذکورہ گو ضعیف ہے مگر فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے

﴿۱۲۲۶﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (رواه ابوداؤد، والترمذی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۴۹، باب صلاة الرجل التطوع فی بیته، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۱۰۴۴۔ ترمذی شریف: ۱/۱۰۲، باب ما جاء فی صلاة التطوع فی البیت، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۵۰۔

ترجمه: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”آدمی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز اس نماز سے بہتر ہے، جو میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں پڑھی جائے علاوہ فرض نماز کے۔

تشریح: مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نماز پڑھنے سے اگرچہ ہزار نماز کا اور ایک روایت میں پچاس ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے، لیکن نوافل کا اپنے گھروں میں پڑھنا مسجد نبوی میں پڑھنے سے بھی افضل ہے، کیونکہ یہ ریا اور شہرت سے دور ہوتی ہے اور اس میں گھر والوں کو ترغیب بھی دینا ہے۔

الا المکتوبۃ: مساجد کی تعمیر اصلاً فرض نماز کی ادائیگی کے لئے ہوتی ہے، لہٰذا فرض نماز مسجد میں ادا کی جائے گی، گھروں میں فرض نماز بلا عذر پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں مسجدیں ویران ہو جائیں گی، بعض علماء اس حدیث کی وجہ سے تراویح بھی گھر میں ادا کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں، لیکن جمہور علماء تراویح جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کو راجح قرار دیتے ہیں، کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے مسلمانوں کا یہی عمل رہا ہے اور تعامل خود ہی بڑی دلیل ہے، پھر تراویح کی نماز شعائر دین میں سے ہے، لہٰذا اس کا اظہار بہت مناسب ہے۔(التعلیق: ۲/۱۰۸، مرقاۃ: ۲/۱۷۲)

﴿الفصل الثالث﴾

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جماعت تراویح مقرر کرنا

﴿۱۲۲۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَيْلَةً إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا

النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّيْ الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّيْ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاۤءِ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ الْآخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ ۔ (رواه البخاري)

حواله: بخاری شریف: ۲۶۹/۱، باب فضل من قام رمضان، کتاب الصوم، حدیث نمبر:۱۹۶۴۔

ترجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ماہ رمضان میں مسجد میں گیا تو ہم نے دیکھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ اور متفرق طور پر نماز تراویح پڑھ رہے تھے، کہیں تو کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کہیں کوئی آدمی اس طرح نماز پڑھ رہا تھا کہ کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا اگر میں ان سب لوگوں کو ایک قاری کی امامت میں جمع کردوں تو یقیناً بہتر ہوگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جمع کردیا، حضرت عبدالرحمٰن روای کہتے ہیں اس کے بعد پھر ایک مرتبہ رات کو جب میں حضرت عمر کے ساتھ مسجد پہنچا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ کیا اچھی بدعت ہے، اور اس وقت کی نماز جب کہ تم سوئے رہتے ہو اس نماز سے بہتر ہے، جو تم لوگ اس وقت پڑھتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد آخیر شب تھی اور لوگ اس وقت اول شب ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔

تشریح: اوزاع :کے معنی بھی متفرقین کے ہی ہیں اور متفرقین ہی سے اس کی تفسیر کی جاتی ہے۔

عبد الرحمن بن عبد القاری: القاری یہ قبیلہ قارہ کی طرف منسوب ہے مشہور یہ ہے کہ عبدالرحمٰن مدینہ کے اجل تابعی میں سے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع نہیں ہوا، لیکن واقدیؒ نے آپ کو ان صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں شمار فرمایا ہے جو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ (مرقاۃ:۲/۱۷۳)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین رات جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے شوق واصرار پر یہ عذر فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس نماز کو مستقل پڑھاؤں تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر فرض کردے پھر تم ادا نہ کرسکو اور گناہ کے مستحق ہوگے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منفرداً گھر میں تراویح پڑھتے تھے، کیونکہ روایات کثیرہ میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں دوسرے مہینوں کی راتوں سے زیادہ نوافل پڑھتے تھے، ظاہر ہے کہ اس سے تراویح ہی مراد ہوگی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ تراویح جماعت سے پڑھی جائے اور قولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت ترغیب دی، چنانچہ فرمایا: ''من قام رمضان ایمانا واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه'' اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا کہ تراویح کی کوئی جماعت قائم نہیں کی گئی، پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا انہوں نے بھی کوئی انتظام نہیں کیا کیونکہ ان کے سامنے خلافت کے مہمات تھے، ادھر جیش اسامہ کا بھیجنا تھا ایک طرف مرتدین سے لڑنے کی تیاری تھی ایک

طرف مدعیانِ نبوت کونمٹانا تھا، اور یہ سب امور یقیناً تراویح سے اہم تھے، مزید برآں ان کو بہت کم عرصہ ملا تھا، بنابریں وہ تراویح کا کوئی خاص انتظام نہ کر سکے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو ابتداء میں معاملہ ایسا ہی چلتا رہا، پھر جب خارجی انتظامات سے کچھ اطمینان ہوگیا تو خلافت کے دوسرے سال اس کی طرف توجہ فرمائی تو ایک دن مسجد کی طرف نکلے دیکھا کہ لوگ تنہا تنہا تراویح پڑھ رہے ہیں، تو افسوس کر کے فرمایا کہ کاش ان سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیتا تو بہتر ہوتا، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنا کر تراویح کی جماعت قائم کی اور اسی پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہوگیا، کسی نے اس پر نکیر نہیں کی اور اسی پر جمیع امت کا اجماع وعمل ہوا، اور اسی پر ائمہ اربعہ کا عمل ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں ''سألت ابا حنيفة عن التروايح و ما فعله عمر فقال التراويح سنة موكدة ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به الا عن اصل لديه وعهد من رسول صلى الله عليه وسلم . (البحر الرائق: ۲/۶۶، باب الوتر والنوافل، اور ہوسکتا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے ''المطالب العالیه'' میں مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۲۵/۴، اور مسند عبد بن حمید کے حوالہ سے نقل کی ہے ''ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعةً'' یہ حدیث ہم تک اگرچہ صحیح سند کے ساتھ نہیں پہنچی، لیکن موید بالاجماع والتعامل ہونے کی بناپر اس میں قوت آگئی، لہٰذا قابل استدلال ہے۔ (تفصیل ماقبل میں گذر چکی)

اور اگر ہم مان بھی لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ ثابت نہیں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے اپنی رائے سے کیا تب بھی سنت ہوگی

اوراس پر عمل کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین. (مشکوٰۃ شریف: ۲۹، ۳۰، پھر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وآئمہ عظام کا اجماع ہے، پھر بھی اگر کوئی بیس رکعات تراویح کا انکار کرے اس کو معاند اور ضدی اور دین کا دشمن ہی کہا جا سکتا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جمہور امت ومحدثین کرام غلط چل رہے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کررہے ہیں "حاشا و کلا"۔

باقی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "نعمت البدعة هذه" کہنا یہ بدعت لغوی ہے اصطلاحی نہیں کیونکہ اصطلاحی بدعت تو وہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد ایجاد ہوئی ہو، یا یہ مراد ہے کہ اگر یہ بدعت ہوتی تو بدعت حسنہ ہوتی، لیکن یہ بدعت ہی نہیں بلکہ عین سنت ہے، اور منشاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۰۸، مرقاۃ: ۲/۱۷۳)

حضرت عمرؓ کا تراویح کے لئے امام مقرر کرنا

﴿۱۲۲۸﴾ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَا مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ. (راوه مالك)

حواله: مؤطا امام مالک: ۴۰، باب ما جاء فی قیام رمضان، کتاب الصلاۃ فی رمضان، حدیث نمبر: ۴۸۔

ترجمه: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہکو اس بات کا حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات نماز رمضان کی راتوں میں پڑھایا کریں، چنانچہ قاری سو سے زائد آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے، اور ہم لوگ طویل قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگالیا کرتے تھے، اور ہم نماز سے اس وقت فارغ ہوتے تھے، جب کہ طلوع فجر کا وقت قریب ہوتا تھا۔

تشریح: امر عمر ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہنے اپنے درخلافت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہکو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھایا کریں کچھ رکعتیں حضرت ابی ابن کعبرضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھائیں اور کچھ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا یہ کہ کسی رات میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھائیں، اور کسی رات میں ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علامہ زرقانی فرماتے ہیں کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہنے حضرت ابی ابن کعب کو مردوں کا امام مقرر فرمایا اور حضرت تمیم داری کو عورتوں کا امام مقرر فرمایا۔ (مرقاۃ:۴/۱۷۲)

احدی عشرۃ رکعۃ: کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا پھر بیس رکعات تراویح متعین کردی گئی، یا یہ کہا جائے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گیارہ رکعات تراویح و وتر پڑھائی اسلئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض راتوں میں اسی عمل کی تشبیہ کے ارادہ وقصد سے گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا ہو پھر بعد میں ۲۰ رکعات مقرر کردی گئی ہو۔ (مرقاۃ:۴/۱۷۲)

نمازتراویح میں طویل قراءت

﴿۱۲۲۹﴾ وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةَ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خَفَّفَ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۴۰، باب ما جاء فی قیام رمضان، کتاب الصلاۃ فی رمضان، حدیث نمبر:۴۹۔

ترجمہ: حضرت اعرج سے روایت ہے کہ ہم نے لوگوں کو رمضان میں کفار پر لعنت کرتے ہوئے پایا، راوی کہتے ہیں کہ قاری آٹھ رکعات میں سورۂ بقرہ کی مکمل تلاوت کرتے تھے، اور جب کبھی بارہ رکعت میں سورۂ بقرہ کی تلاوت مکمل کرتے تو لوگ سمجھتے کہ ہلکی نماز پڑھی ہے۔

تشریح: وھم یلعنون الکفرۃ: یعنی قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے۔

یہاں رمضان مطلق ہے اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ پورے رمضان قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے، یا صرف رمضان کے نصف اخیر میں اگر رمضان کا نصف اخیر مراد لیا جائے تو تمام احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے گی۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے ماہ مبارک رمضان کی قدر نہیں کی اور کلام الٰہی جو کہ ماہ رمضان میں ہی نازل ہوا اس سے ہدایت حاصل نہیں کی تو اس بات کہ مستحق ہوئے کہ ان پر بددعا کی جائے اور لعنت بھیجی جائے اور نصف اخیر کے ساتھ لعنت بھیجنے کو خاص کرنے میں کافروں کے زوال پر اور ان کے اچھے اور بہتر حال سے برے حال

کے منتقل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (مرقاۃ:۴/۱۷۴،۲، التعلیق: ۲/۱۰۸)

یقرأ البقرة فی ثمانی رکعات: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کتنی رکعات پڑھنا ثابت ہے اس سلسلہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی متعین عدد ٹھہرانا ثابت نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے تیرہ رکعات کا پڑھنا بھی ثابت ہے اور خود اس روایت میں ۸/اور گیارہ رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اس لئے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تراویح آٹھ رکعات ہی ہیں نہ کہ بیس رکعات غلط ہے، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہوگیا، اور اس وقت سے لے کر آج تک امت کا سواد اعظم اسی پر عمل پیرا ہے، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین. (مشکوٰۃ شریف: ۲۹، اور خلفاء راشدین کی سنت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لہٰذا بیس رکعات پر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع اور امت کا آج تک اس پر عمل ہے بیس رکعات تراویح کے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (مرقاۃ:۲/۱۷۵)

نماز تراویح کی طوالت کا بیان

﴿۱۲۳۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَیًّا یَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِیْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِیَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السَّحُوْرِ وَفِیْ اُخْرٰی مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔ (رواه مالك)

حواله: مؤطا امام مالک: ۱۰۴، باب ما جاء فی قیام رمضان، کتاب الصلاة فی رمضان، حدیث نمبر:۵۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ رمضان میں نماز تراویح سے فارغ ہوکر آتے تو سحر کے وقت کے فوت ہونے کے خوف سے خادموں کو جلد کھانا لانے کو کہتے، ایک دوسری روایت میں "مخافة الفجر" کے الفاظ ہیں یعنی فجر کے طلوع ہونیکے خوف سے۔

تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بسا اوقات تراویح کی نماز اتنی لمبی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے سحری کے فوت ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا تھا لہٰذا خدام سے جلدی کھانا لانے کو کہتے تا کہ سحری فوت نہ ہو جائے۔

من القیام الخ: تراویح کی نماز کو قیام سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس میں بہت لمبا قیام کرتے تھے۔

فائدہ: (۱) ......حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عبادت کا ذوق وشوق اور تراویح میں طویل قیام کا علم ہوا۔

(۲)......اگر کسی کا خادم ہو تو اس سے کھانا وغیرہ طلب کرنے میں بھی مضائقہ نہیں۔

شب براءت میں لکھے جانے والے امور

﴿۱۲۳۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِيْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِيْهَا اَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا اَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِيْهِ تُنْزَلُ

اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثَلٰثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ يَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رواه البیهقی فی الدعوات الکبیر)

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ٨ ٠ ۴/٧.

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کیا تم جانتی ہو کہ اس رات یعنی شعبان کی پندرہویں رات میں کیا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض اے اللہ کے رسول! اس شب میں کیا ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سال اولادِ آدم میں جو بھی بچہ پیدا ہونا ہوتا ہے وہ اس شب میں لکھا جاتا ہے، اولادِ آدم میں جو بھی اس سال مرنے والے ہوتے ہیں وہ سب اس رات میں لکھے جاتے ہیں، اس رات میں لوگوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اور اسی شب میں لوگوں کے لئے رزق اتارے جاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوگا، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا کہ میں بھی جنت میں داخل نہ ہونگا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے، یہ الفاظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

تشریح: قال هل تدرین ما فی هذه اللیلۃ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب براءت کے متعلق سوال فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر اس رات کی فضیلت کو جاننے کی طلب اور ذوق وشوق پیدا فرمایا چونکہ طلب اور ذوق وشوق کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر طلب پیدا ہوئی اور انہوں نے اس کو جاننے کا شوق ظاہر فرمایا۔ (مرقاۃ:۶/۱۷۲)

فائدہ: اس سے معلمین اور اساتذہ کا ادب معلوم ہوا کہ وہ طلباء کو کوئی اہم بات بتانے سے قبل ان کے اندر اس کی طلب اور ذوق وشوق پیدا کریں اس کے بعد اس کی تعلیم فرمائیں۔

فیھا ان یکتب کل مولود بنی آدم فی هذه السنۃ: یعنی شب براءت میں دوبارہ لکھا جاتا ہے اس لئے کہ لوح محفوظ میں پہلے ہی سے سب کچھ لکھا جا چکا ہے، چنانچہ اس سال پیدا ہونے والے تمام بچوں کو لکھا جاتا ہے کہ کس کو اس سال پیدا ہونا ہے اور کس کو اس سال مرنا ہے اور سال بھر ہر روز جو نیک اعمال کئے جائیں گے، اور جن کو ہر روز اٹھایا جائے گا، اسی طرح اس رات رزق بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ کس بندہ کس اسباب سے کتنا رزق اس سال ملے گا۔ (مرقاۃ:۶/۱۷۲، التعلیق:۲/۱۰۹)

فقالت یارسول اللہ مامن احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللہ تعالی: یعنی جب تمام اعمال صالحہ اس سال کے اسی رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں صادر ہونے سے پہلے، تو اس سے لازم آیا کہ کوئی شخص بھی رحمت خداوندی کے بغیر محض اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور دخول جنت محض فضل خداوندی پر منحصر ہوگا، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالیہ انداز میں دریافت کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال کی تائید فرمائی کہ تم نے جو سمجھا ہے وہ ٹھیک ہے کوئی شخص بھی بغیر رحمت خداوندی کے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اشـــکـــال: اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دخول جنت رحمت خداوندی سے حاصل ہوگا نہ کہ اعمال سے، جب کہ آیت کریمہ "**تـلـك الـجـنـة الـتـی**" اور **تثموها بما کنتم تعملون**" یہ جنت تمہیں اعمال صالحہ کے ذریعہ دی گئی ہے، اس میں اعمال صالحہ کو حصول جنت کا سبب قرار دیا گیا ہے لہٰذا دونوں میں تعارض ہے۔

جــواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی توفیق یہ بھی رحمت خداوندی ہے لہٰذا اعمال صالحہ کا صادر ہونا جو کہ دخول جنت کا ظاہری سبب ہے رحمت خداوندی سے ہی ہوگا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دخول جنت تو محض رحمت خداوندی سے ہوگا، اور اعمال صالحہ کے ذریعہ درجات میں تفاوت ہوگا، جس شخص کے اعمال صالحہ جس درجہ کے ہوں گے اس کو اسی کے مطابق جنت میں درجہ ملے گا۔ (مرقاة: ۲/۱۷۷)

شب براءت میں نوافل کے اہتمام کا حکم

﴿۱۲۳۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وبْنِ الْعَاصِ وَفِیْ رِوَایَتِهٖ اِلَّا اثْنَیْنِ مُشَاحِنٌ وَّقَاتِلُ نَفْسٍ)

حواله: ابن ماجه: ۹۹، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان، کتاب ما جاء فی قیام شهر رمضان، حدیث نمبر:۱۲۰۹۔مسند احمد: ۲/۱۷۶.

حل لغات: لیطلع: جھانک کر دیکھتا ہے، خاص عنایت فرماتا ہے، خاص تجلی ہوتی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'' کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب میں توجہ فرماتے ہیں، اور مشرک و کینہ پرور کو چھوڑ کر اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرما دیتے ہیں، (ابن ماجہ) امام احمدؒ نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں ہے کہ ''الا اثنین الخ'' دو لوگوں کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرماتے۔(۱) کینہ پرور۔(۲) کسی کو قتل کرنے والا۔

تشریح: ان اللہ لیطلع فی لیلة النصف من شعبان: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شب براءت میں اپنی رحمت عامہ کا اس طرح نزول فرماتا ہے کہ وہ تمام گناہ جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں ان تمام کو اپنی رحمت عامہ سے بندوں سے معاف فرما دیتا ہے ہاں وہ لوگ جو کفر وشرک میں مبتلا ہیں یا وہ لوگ جن سے حقوق العباد متعلق ہیں اور وہ ان کو ادا نہیں کرتے ان کو معاف نہیں کرتا اور ان کو ڈھیل دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں اور اللہ ان کی توبہ قبول کرے اور اگر وہ تائب نہ ہوں تو پھر ان کو عذاب میں مبتلا کرے۔(مرقاۃ:۲/۱۷۷، التعلیق:۲/۱۰۹)

قوله مشاحن: کینہ پرور، کینہ اتنی بری شی ہے کہ اگر اس کی صورت نمایاں ہو تو کتے کے پاخانہ سے بھی زیادہ برا اور گھناؤنا معلوم ہو، دنیا میں اس سے گندی شئ اور کوئی نہیں، کینہ چھپی ہوئی دشمنی ہے، جذبۂ انتقام، عناد خفی۔

مشاحن و قاتل نفس: حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن

العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی روایتوں کو ملا کر تین لوگ ہیں جن کی مغفرت اس مبارک رات میں نہیں ہوتی ہے۔(۱)مشرک (۲) کینہ پرور (۳) ناحق قتل کرنے والا۔

اس کے علاوہ دوسری روایتوں میں یہ بھی منقول ہے کہ ٹخنے سے نیچے پائجامہ پہننے والے، شراب پینے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے اسی طرح قطع رحمی کرنے والے، زنا کرنے والے کی بھی اس مبارک رات میں میں مغفرت نہیں ہوتی۔

مشرک کی مغفرت اس لئے نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا ہے "ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ" مشرک اللہ کی ذات وصفات میں دوسرے کوشریک ٹھیرا کرظلم کرتا ہے جس کو اللہ نے قرآن میں فرمایا "ان الشرک لظلم عظیم" اس لئے اللہ مشرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا، کینہ پرور اللہ کی نگاہ میں بہت ہی زیادہ مبغوض ہے اور کینہ وحسد کے مفاسد ایسے ہیں کہ یہ نیکیوں کو اس طرح کھاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اسی طرح ناحق کسی کو قتل کرنا بھی جرم عظیم اور ایک شخص کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس مبارک رات میں بھی جب کہ مغفرت کی عام ہوا چلتی ہے ان حضرات کو معاف نہیں کرتا۔(مرقاۃ:۲/۱۷۷)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو چاہئے کہ اس مبارک رات کو پہنچنے تو بہ کرلیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے مستحق ہو جائیں ورنہ تو اس مبارک شب میں بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محرومی بہت بڑی بدبختی ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔آمین

شب براءت میں عام مغفرت

﴿۱۲۳۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ

إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَلَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ، أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهِ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواه ابن ماجه)

حواله: ابن ماجه: ۹۹، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ما جاء في قيام شهر رمضان، حدیث نمبر: ۱۳۸۸۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب شعبان کی پندرہویں شب آئے، تو اس میں قیام کرو، اوراس کے دن میں روزہ رکھو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس رات میں غروب شمس کے بعد آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں، خبردار! ہے کوئی مغفرت کا طالب گار کہ میں اس کی بخشش کروں، خبردار! ہے کوئی روزی چاہنے والا کہ میں اس کو روزی عطا کروں، خبردار ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کو عافیت عطا کروں، ہے کوئی ایسا اور ایسا، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

تشریح: پندرھویں شعبان کی شب میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنی رحمت عامہ کے ساتھ بندوں پر متوجہ ہوتا ہے، حاصل یہ ہے کہ یہ رات بہت برکتوں والی رات ہے، لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ اس رات میں کثرت سے نوافل کا اہتمام کریں، تلاوت وذکر اور دعاء وغیرہ میں مشغول رہ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ اس شب میں کثرت سے دعائیں قبول کرتے ہیں، لہٰذا خوب دعاء کرنی چاہئے، اور اپنی پریشانی کو اللہ کے سامنے رکھ کر اس سے عافیت کی بخشش کی اور روزی میں برکت کی دعاء کرنی چاہئے، اور شب گذار کر اگلے روز روزہ رکھنا چاہئے، نیز اس رات میں رسم ورواج کرنے، قبروں پر چراغاں کرنے، اور حلوہ بنانے کو لازم جاننے ان جیسی چیزوں سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔ (التعلیق: ۲/۱۰۹، مرقاة: ۲/۱۷۸) ❁❁❁

تــم

الجزء الثامن من الرفیق الفصیح
لمشکوۃ المصابیح بحمد اللّٰہ تعالٰی واحسانہ
وتوفیقہ وبمنہ وکرمہ ویلیہ الجزء التاسع اولہ
باب الجماعۃ وفضلھا ان شاء اللّٰہ تعالٰی ربنا تقبل منا
انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب
الرحیم بحرمۃ حبیبک سید المرسلین وصلی
اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین
الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ